انتساب

وطن عزیز کی بہار خزاں عروج و زوال کی داستان کا اب آخری صفحہ بھی لکھ چکا قلم کا مسافر تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں مدتوں سرگرداں رہا سات آٹھ صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد اب قلمدان میں آ گرا کاہی کہنہ اور بوسیدہ کاغذات کا انبار سامنے ہے پھٹے پرانے ٹکڑوں کو جو برسوں ان کی روشنی اور رات کی تاریکی میں رفیقِ کار رہے حسرت بھرے دل سے رخصت کر رہا ہوں بار بار یہ خیال ستاتا ہے کہ اب تک جو ہوا سو ہوا آئندہ کیا ہونا ہے؟ ساتھ ہی ساتھ ملہمِ غیبی کی آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ عزیزانِ وطن سے کہدو کہ شہرت و ناموری عز و وقار کے دربار میں اگر انھیں اپنی موروثی جگہ حاصل کرنی ہے تو سستی و کاہلی تعصب و تنگ خیالی دنائت و پستی کی ردائے کہنہ اتار کر پھینکیں، علم و ہنر، عالی ہمتی و

روشن خیالی محنت و جفاکشی کا نیا لباس زیب تن کریں۔ قوم و وطن کی آئندہ فلاح و بہبود کی جو کچھ توقع ہے وہ آئندہ نسل ہی سے ہے اِس لئے

اے میرے ہموطن نوجوانو!

میں اپنی اِس ناچیز تالیف کو جس میں تمھارے وطن کے گذشتہ تاریخی حالات بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس توقع اور امید پر تمھارے نام معنون کرتا ہوں کہ اسکی روشنی میں تم اپنا فرض اور اپنی ذمہ داریاں پہچانو اور

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو!
اٹھو! تہذیب سیکھو! صنعتیں سیکھو! ہنر سیکھو!

بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو!
خواصِ خشک و تر سیکھو! علوم بحر و بر سیکھو!

خدا کیواسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ!
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ!

اچھا اب رخصت!

تم سے تھے تو تھا سو عزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے اب پا در رکاب یاں ہیں

بندۂ احقر خستہ جگر
محمود احمد

داؤد منزل۔ امروہہ
یکم اپریل ۱۹۳۰ء

فہرستِ مضامین

نامہ آغازم بنامِ ذوالجلال آنکہ بیرون است از وہم و خیال

مقدمہ

ابتداءً میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ امروہہ کے تاریخی حالات میں کوئی کتاب مدوّن کروں، وطن کے ارباب کمال اور سلف صالحین کے سوانح حیات مرتّب کرنے کا البتہ مدّت سے شوق دامن گیر تھا۔ یہ شوق بھی اسلاف پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ اس خیال اور اس یقین سے پیدا ہوا تھا کہ کوئی قوم و ملّت اپنے ماضی سے قطعاً بے تعلق و بیگانہ نہیں ہو سکتی۔ زمانہ کتنے ہی پلٹے کھائے اور انقلاب زمانہ کچھ سے کچھ ہو جائے یہ ممکن نہیں کہ حَالْ کے چہرہ پہ ماضی کے خط و خال کا عکس نہ پڑے اور مستقبل حَالْ کے آغوش تربیت کا شرمندۂ احسان نہ ہو۔

افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی مختلف دَور آتے، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے آثار اُن پہ بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ کبھی ترقی کا دور ہے تو کبھی تنزّل کا۔ بہار کا دامن ہمیشہ خزاں سے وابستہ رہتا ہے تنزّل و انحطاط کی بلائیں تو صدیوں سے مسلمانانِ ہند پر مسلّط ہیں فصل بہار کا انتظار کیا اس کا تو وہم و خیال بھی اب باقی نہیں لیکن گذشتہ نصف صدی سے قوم و ملّت میں قحط الرجال نہایت شدید ہے گلستان ہند میں ہمارے قومی چمن کی پائمالی اندوہناک ہے۔ پرانی تعلیم و تربیت، اسلامی تہذیب و معاشرت اور علوم مشرقی کے جو چند ممتاز نمونے دستبرد زمانہ سے کچھ مدت پیشتر باقی تھے وہ بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ؎

لے گئی اُن کو آخر کار بحرِ فنا کی موج بہا

دوسری طرف انقلاب زمانہ انیسویں صدی کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اسے شروع ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری، ابھی تو ایک صدی کا صرف تہائی حصّہ اسکے دامن میں آسودہ ہوا ہے بایں ہمہ مغربی تہذیب و تمدّن کی برقی روشنی کی کرنیں ایوانخانوں سے گذر کر محلسراؤں کے تاریک

گوشوں تک پہنچ چکی ہیں، انسان ضعیف البنیان نے آب و خاک اور ہوا تینوں کروں پر قبضہ و تسلط جما رکھا ہے۔ مشرق کی خفتہ اقوام کی آنکھیں اہل مغرب کے محیّر العقول کارناموں اور سائنس کی برق پاش صناعیوں سے خیرہ ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی دیکھا دیکھی خفتگان ہند نے بھی بیداری کی کروٹیں بدلنی شروع کی ہیں، تہذیب میں، تمدن میں، معاشرت میں حتیٰ کہ معتقدات میں انقلاب عظیم برپا ہو رہا ہے۔ اقبالمند قوموں کی تقلید بلکہ نقالی کا جذبہ خیال سے گذر کر عملی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات کے اندر محض اس خیال سے کہ دور ماضی کے واقعات اور اسلاف کرام کے سوانح حیات موجودہ نسل کے لئے شاید کچھ مفید اور کارآمد ثابت ہوں تذکرہ سلف لکھنا شروع کیا، اس کی ترتیب و تدوین کے دوران میں ہزارہا کہنہ و دیرینہ کاغذات اور کرم خوردہ کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ نیز ان کتابوں کے بھی غور سے پڑھنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا جو امروہہ کے تاریخی حالات میں اب تک شایع ہو چکی ہیں۔

ان میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف آئینۂ عباسی ہے جو سنہ ۱۸۸۵ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس مختصر کتاب میں، جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، سادات و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کا اجمالی تذکرہ ہے، کہیں کہیں چند جملے تاریخی حالات سے بھی متعلق ہیں۔ آئینۂ عباسی کی اشاعت سے دو برس بعد مولانا آل حسن بخشی نے فارسی زبان میں تحفۃ التواریخ نام ایک کتاب تالیف کی جس میں اہل امروہہ کے خاندانی حالات ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں لیکن اس قدیم بستی کے تاریخی حالات و واقعات کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔ خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ تیسری کتاب سید اصغر حسین نقوی کی مؤلفہ تاریخ اصغری ہے جو مسٹر اسٹیفن اس زمانہ کے اسسٹنٹ کلکٹر مراد آباد کی منشاء اور حکیم نیاز علی خان مرحوم ایما سے سنہ ۱۸۹۹ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اس لحاظ سے سابقہ تالیفات سے کچھ بہتر ہے کہ

سے متعلق بعض تاریخی حالات کا اس میں اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے مگر افسوس ہے مؤلف تاریخ اصغری نے بھی تاریخی واقعات و حالات لکھتے وقت روایتوں کی تحقیق و تنقید سے مطلق کام نہیں لیا، غلط اور مہمل روایتیں بھی درج کردی ہیں۔ سب سے آخر لیکن سب سے بدتر تالیف **تاریخ واسطیہ** ہے جو ۱۳۳۱ھ میں شایع ہوئی تھی۔ یہ کتاب امروہہ کے سادات فاطمی کے چند خاندانوں بالخصوص اولاد حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ اور قاضی زادگان کے ذکر سے پر مشتمل ہے۔ یہ خاندانی تذکرے بھی زیادہ تر مہمل و مضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔[۱]

انسان کی طبیعت عجائبات اور مافوق العادت باتوں کی شیفتہ واقع ہوئی ہے اس لئے تاریخ و تذکرہ کی عام کتابوں میں سراپا لغو، مہمل، مضحکہ خیز اور وضعی روایتوں اور قصص و حکایات کا موجود ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ **علامہ ابن خلدون** نے مورخین کے "**خرافات واہیہ**" کا تفصیلی تذکرہ اپنے مشہور "مقدمہ تاریخ" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ :-

> نااہلوں نے اس فن (تاریخ) کو اپنی رخنہ انداز بیہودہ روایات سے غلط ملط کیا، لغو قصے کہانی اِدھر اُدھر سے لیکر اور خود وضع کرکے بھردئے، آنے والی نسلوں نے اُن کے بعد اُن کے آثار و اخبار کی پیروی کی اور جیسا سنا سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا دیا، نہ واقعات کے اسباب کی جانچ پڑتال کی، نہ ان بیہودہ روایتوں کو ترک کیا، نہ ان کی تردید کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی موجودہ تاریخیں اکثر تحقیق سے خالی ہیں، تنقیح کا کہیں پتہ نہیں لگتا، روایتیں اغلاط و موہومات سے بھری پڑی ہیں، تقلید عام طور سے پھیلی ہوئی ہے،

---

[۱] ان چار کتب تاریخ کے علاوہ بعض خاندانوں کے حالات میں چند اور کتابیں بھی وقتاً

نااہل علوم و فنون کے مدعی بنے ہوئے ہیں۔ ..... لیکن حق ہمیشہ
غالب ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ باطل مردود و نامقبول ہے
ناقلین رطب و یابس جو چاہیں لکھیں اور نقل کریں مبصر دیکھتے
ہی کھوٹا کھرا پرکھ لیتے ہیں۔ ؎۱

امروہہ کی کتب تاریخ کے صفحات بھی اس قسم کی بہت سی مہمل اور بے سروپا روایتوں اور افسانوں سے پُر ہیں۔ تاریخ واسطیہ کے اوراق پر تو "خرافات واہیہ" کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً اور عمداً غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔ ان حالات و واقعات کو پیش نظر رکھکر باوجود اپنی بے بضاعتی اور ناقابلیت کے میں نے اس کتاب کے لکھنے کا قصد کیا تاکہ اس قدیم بستی کے صحیح تاریخی حالات سے موجودہ اور آئندہ نسلیں باخبر ہوسکیں اور جو مہمل اور بے سروپا افسانے تاریخی واقعات کا درجہ حاصل کرچکے ہیں ان کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہوجائے۔

آٹھ نو صدیوں کے گذشتہ تاریخی حالات کی تلاش و تجسس، روایتوں کی تحقیق و تنقید، اغلاط و موہومات کی تردید و تکذیب جس درجہ کٹھن اور مشکل کام ہے اسکا پورا اندازہ وہ ہی حضرات

(بہ سلسلۂ گذشتہ)
نوقتاً شایع ہوئیں یعنی شمس التواریخ مؤلفہ حکیم نواب علی خان جو ۱۳۱۶ھ میں شایع ہوئی لیکن اسکا ایک خلاصہ کنز المعرفت مصنفہ حکیم امجد علی خان کے ساتھ اس سے قبل شایع کیا گیا تھا نیز منشی سبط نبی بن شیخ معشوق علی نے تلخیص التواریخ نام سے اسی کتاب کا خلاصہ شایع کیا تھا۔ یہ کتابیں خاندان حضرات کمبوہ سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں خاندان حضرات شیخ کے اظہار سیادت نسبی میں ایک رسالہ شجرۂ مبارکہ مؤلفہ مولانا حکیم محمد حسن مرحوم ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوکر شایع ہوا اور شاہ ضیاء الدین احمد نے بھی اپنی تالیف مرآۃ الانساب مطبوعہ ۱۳۲۳ھ میں امروہہ کے مختلف خاندانوں کے انساب درج کئے ہیں۔ ؎۱ مقدمہ تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو

کر سکتے ہیں جن کو اس قسم کی تصانیف پر قلم فرسائی کا موقع حاصل ہوا ہو۔ اگرچہ اس تالیف میں واقعات کے اظہار و بیان کا پورا حق تو ادا نہیں ہوا تاہم یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہجوم مشکلات میں جس قدر ہو گیا اس کی بھی امید نہ تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لَہٗ

اس کتاب کے لکھنے میں علاوہ اس کے کہ بعض اُن نایاب قلمی کتابوں کے مُطالعہ و اخذِ مطالب کی غرض سے جو مُلک کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مجھے متعدد بار طویل سفر اختیار کرنے پڑے کہنہ و دیرینہ کاغذات و دستاویزات کے مطالعہ و حصول کے لئے امروہہ میں مہینوں دربدر پھرتا ہوا۔ اہل شہر میں سے معدودے چند حضرات نے میرے مقصد سے کسی قدر علمی دلچسپی کا اظہار کیا اور بخندہ پیشانی کاغذات دکھائے اس سلسلہ میں قاضی سیّد علی حسن صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جنھوں نے کہنہ کاغذات کے اس انبار کو، جو قضاۃ امروہہ کے دفتر کے جزدی حصّہ کے طور سے دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا تھا، میرے حوالہ کر دیا ورنہ بالعموم لوگوں نے کاغذات دکھانے میں بخل سے کام لیا اور کاغذات مطالعہ کرائے بھی تو بار بار کے تقاضوں اور حاضری کے بعد، کچھ کاغذات قیمتاً بھی حاصل کئے گئے غرضکہ اسطرح تقریباً دس ہزار کاغذات مُطالعہ ہوئے جن سے بعض تاریخی حالات پر بڑی حد تک روشنی پڑی۔

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں جو کاغذات نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلے آتے تھے ان کا بہت بڑا حصّہ تو انقلاب سلطنت اور غدر ۱۸۵۷ء کی قیامت خیز ہنگامہ کی تباہیوں میں ضائع ہو گیا، جو حصّہ آفات زمانہ سے محفوظ و مصئون رہا اس میں سے اسناد و فرامین کا معقول حصّہ ایک ایسے بزرگوار کے دست تطاول کی نذر رہا جو وطن کی ان یادگاروں کو مختلف تدابیر سے حاصل کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کو انہوں نے اپنی معاش کا ذریعہ بنا لیا ہے بایں ہمہ تلاش و جستجو سے ایسے کہنہ کاغذات بھی حاصل ہو گئے جن سے بعض تاریخی

(گذشتہ سے پیوستہ) صفحات نمبر ۱۳۱ لغایت ۳۲۰ کتاب ہٰذا۔

گتھیوں کے سلجھانے میں مدد ملی۔

ان مشکلات و موانعات کے ساتھ ساتھ خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوءِ ظن کی بنا پر ہدفِ ملامت بننا پڑا، نسبی و خاندانی حالات کے اظہار کا تعلق جہاں تک اس تاریخ سے ہے اس کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر رہا اور نہ لالچ کا اثر، صدق بیانی کا جو مسلک جو توفیقِ ایزدی اختیار کیا تھا اس سے قدم کو لغزش نہ ہوئی۔ بعض گمنام تحریرات تو وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال ہی میں موصول ہوا ہے اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی، نویسندہ مکتوب سے کیا عرض کروں کہ خاکسار مؤلف نے کسی تجارتی مقصد کو پیشِ نظر رکھکر یہ محنت شاقہ اختیار نہیں کی، صداقت بیانی میں نہ صلۂ تحسین کی آرزو ہے اور نہ نفرت و دشنام کا خوف۔ "تین سو سے زائد" جلدین خریدنے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ مجکو خریدنا چاہتے ہیں تو یقین کیجئے اس کے لئے یہ بھی بہت ہے، میں تو اپنی قیمت میں خس و خاشاک کے ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں لیکن اگر اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہے تو با دب عرض ہے کہ چند جلدوں کی قیمت یا چند خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے ایک صداقت پرست ضمیر کو تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی!

Serohi stat (R.P.) [1]

Rajputana.

15-2-30.

مکرمی بندہ جناب مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کرمہٗ (؟)

السلام علیکم۔ میں اپنا تعارف خود ہی عرض کرتا ہوں کہ مجھکو قدرۃ المعانین

---

[1] اس تحریر میں جہاں جہاں کتابت کی غلطیاں ہیں وہاں علامت استفہامیہ بنا دی گئی ہے لیکن خط کی نقل بجنسہ کر دی ہے

زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سید عبد اللہ ابو الفتح المعروف بہ شیخ ابن بدر چشتی امروہوی قدس سرہ الشامی کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔
نیز کچھ عرصہ سے سجادہ نشین (سکریٹری) بھی ہوں۔ میرا نام .... ہے
خانقاہ کے متصل ہی غریب خانہ ہے۔

آمدم بر سر مطلب۔ گذشتہ سال جبکہ ذالحجہ کے مہینہ میں میں امروہہ حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے سُنا تھا کہ آپ نے کسی تاریخ کے لکھنے کا کام شروع کردیا ہے اور جس میں قریب قریب امروہہ شریف کے کل خاندانوں کا حال بالتحقیق اور بالترتیب (۹) لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں صرف چندرا (۹) روز امروہہ قیام کرسکا اور عرس حضرت بدر چشتیؒ کی مشغولیت کے سبب آپ سے نیاز حاصل نہ کرسکا۔

مجھکو یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب جو آنجنابؔ لکھی ہے وغالباً ضخامت پوری رکھتی ہوگی اسلئے ہر شخص کو اس کی خریداری مشکل ہے۔ لہذا تیار ہونے پر آپ مجھکو مطلع فرماویں تاکہ متعدد جلدیں میں اُس کی اپنے خاندانی حضرات کی خدمت میں بھجوا سکوں۔ انشاءاللہ آپ کو مالی فائدہ کثیر پہونچ جائے گا لیکن ہمارا سلسلہ نسب حکیم ..... یا مولوی .... سے لیکر درج فرماویں۔ اوسکی تصدیق اور بحث مذکورہ حضرات سے کرلی جاوے بصورت اختلاف ہم کو اس تاریخ سے اختلاف ہوگا۔ اور آپ کی محنت وجانفشانی کی داد جیسی کہ چاہیئے نہ مل سکے گی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اوس کی خریداری ہی نہ ہوگی جس سے آپ کو مبلغی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اور مذکورہ حضرات ہی مخالفت کریں گے

گتھیوں کے سلجھانے میں مدد ملی۔

ان مشکلات و موانعات کے ساتھ ساتھ خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوءِ ظن کی بنا پر ہدفِ ملامت بننا پڑا، نسبی و خاندانی حالات کے اظہار کا تعلق جہانتک اس تاریخ سے ہے اس کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر رہا اور نہ لالچ کا اثر، صدق بیانی کا جو مسلک بتوفیقِ ایزدی اختیار کیا تھا اس سے قدم کو لغزش نہ ہوئی۔ بعض گمنام تحریرات تو وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال ہی میں موصول ہوا ہے، اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی، فرستندہ مکتوب سے کیا عرض کروں کہ خاکسار مؤلف نے کسی تجارتی مقصد کو پیشِ نظر رکھکر یہ محنتِ شاقہ اختیار نہیں کی، صداقت بیانی میں نہ صلۂ تحسین کی آرزو ہے اور نہ نفرت و دشنام کا خوف۔ "تین سو سے زائد" جلدیں خریدنے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ مجکو خریدنا چاہتے ہیں تو یقین کیجئے اس کے لئے یہ بھی بہت ہے، میں تو اپنی قیمت میں خس و خاشاک کے ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں لیکن اگر اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہے تو باادب عرض ہے کہ چند جلدوں کی قیمت یا چند خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے ایک صداقت پرست ضمیر کو تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی!

Serozi stat (؟) له

Rajputana.

15-2-30.

مکرمی بندہ جناب مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کرمہ (؟)

السلام علیکم۔ میں اپنا تعارف خود ہی عرض کرتا ہوں کہ مجکو قدوۃ العارفین

له اس تحریر میں جہاں جہاں کتابت کی غلطیاں ہیں وہاں علامت استفہامیہ بنا دیا گیا ہے لیکن خط کی نقل بجنسہ کی گئی ہے

زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سید عبد اللہ ابوالفتح المعروف بہ شیخ ابن
بدر چشتی امروہوی قدس سرہ الشامی کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔
نیز کچھ عرصہ سے سید عرس دسکریٹری بھی ہوں۔ میرا نام .... ہے
خانقاہ کے متصل ہی غریب خانہ ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ گذشتہ سال جبکہ ذالحجہ کے مہینہ میں میں امروہہ حاضر
ہوا تھا۔ اس وقت میں نے سُنا تھا کہ آپ نے کسی تاریخ کے لکھنے کا کام
شروع کر دیا ہے اور جس میں قریب قریب امروہہ شریف کے کل خاندانوں
کا حال بالتحقیق اور بالترتیب (؟) لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں صرف
چندرا (؟) روز امروہہ قیام کر سکا اور عرس حضرت بدر چشتی کی مشغولیت کے
سبب سے آپ سے نیاز حاصل نہ کر سکا۔

مجھکو یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب جو آنجناب نے لکھی ہے وغالباً ضخامت پوری رکھتی
ہوگی اسلئے ہر شخص کو اس کی خریداری مشکل ہے۔ لہذا تیار ہونے پر آپ
مجھکو مطلع فرماویں تاکہ متعدد جلدیں میں اُس کی اپنے خاندانی
حضرات کی خدمت میں بھجوا سکوں۔ انشاء اللہ آپ کو مالی فائدہ
کثیر پہونچ جائے گا لیکن ہمارا سلسلہ نسب حکیم ..... یا مولوی
.... سے لیکر درج فرماویں۔ اوسکی تصدیق اور بحث مذکورہ
حضرات سے کرلی جاوے بصورت اختلاف ہم کو اس تاریخ سے
اختلاف ہوگا۔ اور آپ کی محنت وجانفشانی کی داد جیسی کہ چاہیے
نہ مل سکے گی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اوس کی خریداری ہی نہ ہوسکے گی
جس سے آپ کو مبلغی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اور مذکورہ
حضرات ہی مخالفت کریں گے

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے خاندان میں اختلاف نہ ہوا تو دو سو بلکہ تین سو جلدیں یا کم و بیش میں فروخت کرادوں گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ والسّلام فقط

آپ کا نیاز مند

.... [1]

ریاست سروہی ۔ راجپوتانہ

تاریخ نویسی میں صداقت بیانی کو اگر خاص اہمیت نہ دی جائے، واقعات و حالات کے اظہار میں مورخ کے قلم کو خارجی اثرات سے لغزش ہو یا وہ تعصّب یا بیجا طرفداری کا اثر قبول کرے تو نہ وہ تاریخ تاریخ کہلائی جانے کی مستحق ہے اور نہ ایسی تالیفات کچھ مفید کار آمد ہو سکتی ہیں ۔ خاکسار مولف نے ہر قسم کے اثرات سے بالاتر ہو کر تاریخی حالات و واقعات کے راست راست و بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔

اس کتاب کو سہولت کے لحاظ سے تین حصّوں پر منقسم کیا گیا ہے :۔

پہلا حصّہ **تاریخ امروہہ** ہے، جو اس وقت ناظرین کے سامنے ہے۔ اس حصہ میں اس قدیم بستی اور یہاں کے قدیم خاندانوں اور عام باشندگان شہر کے حالات گزیٹیر کے طرز پر مرتّب کئے گئے ہیں ۔ اس میں ہندو مسلمانوں کی بعض قوموں کے نسب پر بھی تاریخ اور علم انساب کی روشنی میں اجمالی بحث کی گئی ہے ۔ اس بحث کا تعلق بھی صرف تاریخی مسائل سے ہے، میں اپنے ذاتی خیالات کے اعتبار سے نسب کو شرافت و رذالت کا معیار نہیں سمجھتا۔ افراد اور اقوام کی عزّت و ذلّت خود ان کی اپنی حالت سے وابستہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان، جو اپنے شاندار ماضی کے ماتم گسار اور ایک غیر قوم کے محکوم و غلام ہیں، عزّت و شرافت

---

[1] فرستندہ خط کے نام کے اظہار کو میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

کا آج کس منہ سے دعویٰ پیش کر سکتے ہیں۔ غلاموں کی کیا عزت اور محکوموں کو کیا دعویٰ شرافت!
شریف وہی ہے جس کی ذات میں شرافت کا جوہر موجود ہو۔ کسی عربی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

اِنَّ الفتیٰ مَن یَّقُولُ ھَا اَنَاذا　　لَیسَ الفتیٰ مَن یَّقولُ کانَ اَبی

بیشک وہی بہادر ہے جو یہ کہہ سکے کہ دیکھو میں ایسا ہوں　　وہ بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا ۔ ۔ ۔ ۔

دوسرا حصّہ **تذکرۃ الکرام** ہے جس میں امروہہ کے مشاہیر اولیاء و علماء و حکماء و امراء و شعراء کے سوانح حیات اور ان کے خاندانوں کے تفصیلی تذکرے ہیں۔ یہ حصّہ زیر طبع ہے۔

تیسرا حصّہ **تحقیق الانساب** ہے۔ اس میں سادات و شرفاء امروہہ کے نسبی حالات پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ حصّہ زیر ترتیب ہے۔

ان تین حصوں میں سے ابھی صرف پہلے حصّہ کو طبع کرانے کا موقع ملا ہے اور اس میں بھی گوناگون موانعات کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، زندگی کی مشکلات اور مصائب کا سلسلہ ہمیشہ غیر منقطع رہا، ناگہانی حوادث کے پیہم حملوں نے کبھی دم لینے کی مہلت نہ دی، علائق کی زنجیریں چند سال سے اور بھاری ہو گئیں تاہم کسی نہ کسی طرح اس کام کو پورا کیا۔ احباب کو انتظار کی زحمت ضرور ہوئی مگر اس تاخیر سے بعض مباحث پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع مل گیا ؎

گر دیر بر آئیم ز گرداب میندیش　　کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

اس حصّہ کی ترتیب اور طباعت میں معقول رقم صرف ہو چکی ہے، دل تو یہ چاہتا تھا کہ امروہہ کی تمام قدیم عمارتوں کے ہاف ٹون بلاکس کی تصویریں شامل کروں لیکن اہل وطن کے ذوق قدردانی کے بھروسہ پر مزید صرف زر کی ہمت نہ ہوئی مجبوراً خاص خاص عمارتوں کے فوٹوؤں پر اکتفا کرنا پڑا، اس میں سے بھی محبّی میر رئیس الدین احمد اور مولانا احمد حسین خان نے اپنے خاندانی بزرگوں کے روضوں کے فوٹو کے مصارف خود برداشت کئے۔ اہل وطن جس قدردانی کا اظہار فرمائیں گے اسی اعتبار سے دوسرے حصّوں کی اشاعت کا موقع ملے گا ؎

ابھی تو دیکھتا ہوں ظرف بادہ خواروں کا　　سبو و خُم کی بھی ٹھہرے گی دور جام کے بعد

اردو کے بعض الفاظ اور بعض محلوں کے ناموں کی کتابت میں روش عام کی پیروی نہیں کی گئی
مثلاً لفظ **قسائی** کو حرف **س** سے لکھا گیا ہے، اس کی تشریح موقع پر کردی گئی ہے یا مثلاً
محلہ **صدّو** کا املا گو روش عام کے خلاف ہے لیکن قدیم تحریات کے مطابق ہے۔ سابق میں
اس محلہ کا نام محلہ "**مسجد جامع**" تھا، اب نہ وہ مسجد جامع رہی اور نہ محلہ کا نام باقی رہا۔
اسی طرح محلہ **شیخ زادگان** کے بجائے محلہ **جھنڈا شہید** مشہور ہو گیا ہے،
محلہ **ملّانہ** کا نام عہد اکبری کی تمام دستاویزات میں محلہ **مولانا** درج ہے، اس کے بعد
عہد عالمگیری تک عام طور سے محلہ **مولانہ** لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس طرز
املا پر معترض ہوں، میں نے اس معاملہ میں متقدمین کی تقلید کی ہے۔

اس کے علاوہ سید العارفین حضرت سید **شرف الدین** شاہ ولایت قدس
سرہٗ العزیز کے اصلی نام کے معلوم کرنے کا بھی اس بندۂ ناچیز کو شرف حاصل ہوا **فیضی**
نے جب تفسیر **سواطع الالہام** لکھنا شروع کی تو زرکثیر خرچ کرکے لغت کی کتابیں خریدیں
کسی نے کہا کہ آپ کو لغات خریدنے کی کیا ضرورت تھی، آپ کی ذات تو خود لغات ہے۔ فیضی نے
جواب دیا کہ مجھے ان کتابوں میں ایک لفظ ایسا ملا ہے جس کے معنی معلوم نہ تھے اور اسی کو میں
اپنی کل محنت اور صرف کا معاوضہ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں بھی صرف اسی ایک انکشاف کو اپنی
چند سالہ تفتیش و تحقیق کی دیوانگی کا نسخہ سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ ولایتؒ کے صحیح اسم مبارک
اور آپ کے خاندانی حالات کے معلوم کرنے کا مجھے شرف بخشا گیا۔

مگر آہ! میں اس بےچین دل کو کیا کہہ کے سمجھاؤں اور کس طرح تسکین دوں کہ
جس بزرگ ہستی کے انکشاف اسم و دریافت حالات کو میں باعث فخر و مباہات سمجھتا ہوں اس
بزرگ کے اخلاف آج کس دورِ تنزل و گرداب بلا میں پھنسے ہوئے ہیں۔

امروہہ! پیارے وطن! اے آغوش ساحات کی ناز پروردہ بستی!
پیچھے ہٹ، اور اتنا پیچھے کہ ہیں وہ سماں برائے العین نظر آجائے جب حضرت شاہ ولایتؒ نے

اس بستی کو اپنی تشریف آوری سے شرف بخشا تھا - ہاں، پیارے وطن! اپنے اوج و عروج کے زمانہ سے حاصل اور ہمیں ایک نظر وہ منظر وہ سماں دکھادے، وہ غازیوں کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، وہ ان کے ٹاپوں کی صدا، وہ نعرۂ تکبیر کی آوازیں، وہ دامن گردچیر کر مجاہدین کے گروہ کا باطل کو پامال کرتے آگے بڑھ آنا، امروہہ میں پڑاؤ ڈالنا، وہ ان کے غازیانہ ولولے وہ ان کا عربی لب و لہجہ، وہ ان کی ہاشمی شجاعت، وہ **حاتم خان** کی بہادر فوج اور مسلم شیردل آزماؤں کی چھاؤنی، وہ شہزادہ **خضر خان** کی قیامگاہ، وہ سلطان **فیروز تغلق** کی مجاہدانہ ترکتاز کا مقام، وہ **ابن بطوطہ** کی سیاحت گاہ، خدا کے لئے یہ سماں ہمیں بھی ایک نظر دکھادے!

سن، او گردش ایام سن! اس دل صد پارہ، اس جگر خستہ کی التجا سن!
تغلقوں کا زمانہ نہ سہی، خلجیوں کا عہد نہ سہی، سیدوں کا نہ سہی، لودیوں کا نہ سہی مغلوں کا اور صرف مغلوں کا زمانہ ہی دکھادے - وہ **عہد اکبری** میں امروہہ کے علما و فضلا **میر سید محمد میر عدل، مولانا سید امیر علی، مولٰنا الہ داد عباسی، مولٰنا ابن عباسی، مولٰنا عبد الملک بخشی وغیرہ** کے علم و فضل اور ان کے علمی کارنامے، وہ حضرت **شاہ ابن** بدرچشتی قدس سرہ اور دوسرے مشائخ کرام کے افادات روحانی کے مناظر، وہ سید **ابو المعالی** و **سید ابو القاسم** اور دوسرے شجاعان زماں کے جنگی فتوحات اور معرکوں کے حالات ہی کا کوئی سماں دکھادے -

یہ نہ سہی تو اب سے چند صدی پیشتر کے بزرگوں کے وہ امیرانہ ٹھاٹھ، وہ ہاشمیانہ مہماں نوازی، وہ **سیدانہ** پاکیزہ خصائل، وہ ان کے **حیدری** دل گردہ کے کارنامے، وہ ان کی **نقوی** خوبو، وہ ان کے **حجازی** خط و خال، خدا کے لئے ایک بار اور صرف ایک بار ہی دکھادے!!

مگر آہ! اے زمانے! اے گردش ایام! ہم جانتے ہیں کہ تو اب نہ تغلیہ عہد

واپس لاسکتا ہے اور نہ دَورِ مغلیہ، اچھا یہ نہیں تو اس دَور مصیبت میں اپنی حالت کا
ہمیں **صحیح احساس** ہی عنایت کر!

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے !
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی سوزش میں اندیشۂ فردا دے !

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

خاکسار

محمودؔ احمد

یکم اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار ‌‌ ‌‌ چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

امروہہ کے تاریخی حالات

امروہہ کب بسا[۱] امروہہ کب سے آباد ہے، کب بسا، کس نے بسایا، ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح جواب محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسلامی عہد سے قبل کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں اور ہوتی کیسے؟ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا۔ کتب تاریخ سے قطع نظر امروہہ یا اسکے نواح میں ہندوؤں کے عہد کے آثار قدیمہ بھی ایسے باقی نہیں جن سے بعض اہم تاریخی حالات وواقعات کا کچھ پتہ نشان ملتا، البتہ اس بستی کے سنسکرت نام سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ نگری کسی ایسے زمانہ میں بسی تھی جب سنسکرت زبان بول چال میں مروج یا کم ازکم شہروں اور بستیوں کے نام رکھنے میں مستعمل تھی۔ ایسے زمانہ کی کم سے کم مدت تقریباً پانسو سال قبل مسیح شمار ہوسکتی ہے، اس اعتبار سے امروہہ کو تقریباً ڈھائی ہزار برس سے آباد سمجھنا چاہئے۔

روایت مختص المقام سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، جس میں اس بستی کا بسانا ہستنا پور کے ایک راجہ امرجودہ سے منسوب کیا جاتا ہے[۱]۔ امروہہ کے مغرب میں پانچ کوس کے

---

[۱] سنہ ۱۴۲۵ قبل مسیح سے سنہ ۱۲۱۲ ق م تک ہستنا پور راجدھانی رہا۔ یہاں کے راجاؤں میں راجہ پانڈو کا بیٹا راجہ یدھشٹر پہلا

قاصلہ پر گجستھل (गजस्थल) ایک موضع اب تک آباد ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں امروہہ کے راجہ کا ہاتھی خانہ تھا۔ اس موضع کا نام سنسکرت زبان کے الفاظ (گج) गज (یعنی ہاتھی) اور **استھل** स्थल (یعنی تھان) سے مرکب ہے جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس نواح میں بستیوں کی آبادی ضرور اُس زمانہ میں ہوئی جب سنسکرت زبان بول چال میں مستعمل تھی۔

وجہ تسمیہ "امروہہ" اصلاً سنسکرت زبان کے ایک مرکب لفظ अम्रोवनम **امروانم** Amrovanam سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں "آموں کی جگہ"۔

ایرین قوم کے زمانہ عروج میں شمالی ہند کی اکثر قدیم بستیوں کے نام مختلف اقسام کے کار آمد درختوں، دریاؤں، اناج کے پودوں، مفید اور کار آمد جانوروں وغیرہ کی مناسبت سے اُس زمانہ کی مروّج زبان سنسکرت میں رکھے جاتے تھے چنانچہ صوبجات متحدہ میں متعدد بستیوں کے نام، جہاں آم اور مہوہ کے درختوں کی روئیدگی بکثرت تھی یا ان درختوں کے خود رو جنگل موجود تھے، اسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً ضلع کانپور و بستی میں امرودہ و آموڑھا وغیرہ۔

بمرور ایام ان ناموں کے شروع و آخر کے حرفوں میں تبدیلی ہوتی رہی، "امروانم" سے "اَمروَہا" ہوا اور "آمروَہا" سے امروہہ[1] رہ گیا۔ اسلامی عہد کے فارسی نویس بھی "انبہ" (آم)

(بقیہ صفحہ ۱) حکمراں تھا، اس نے ۳۶ سال راج کیا۔ کرشن جی مہاراج کی وفات کے بعد راج چھوڑ کر ہماچل پہاڑ میں اس نے اپنے تئیں برف میں ڈالکر گلادیا۔ اس راجہ کے بعد ارجن کا پوتا گدی پر بیٹھا جسکی نسل میں عرصہ دراز تک راج قایم رہا۔ اسکی چھٹی پشت میں راجہ دشٹ دان ہوا، جس نے سنہ ۱۲۱۲ ق م میں ہستناپور کی بجائے کوشکی ندی کے کنارے ایک شہر بسایا، اسکو بھی چھوڑ کر پھر وہ اندرپت (دہلی قدیم) چلا آیا۔ راجہ امرجود سنہ ۱۱۴۴ ق م گدی پر بیٹھا۔ اسکی راجدھانی اندرپت تھی۔ ۱۲ سال سلطنت کی۔

[1] The Gazetter tells us that the local interpretation of the name is from Am, mango, and Rohu, a fish which abounds in the surrounding tanks, a derivation scarcely worth refuting

کی مناسبت سے "انبروہہ" لکھا کرتے تھے۔ عہد اکبر و جہانگیر کے اکثر فرامین اور اُس عہد کی بعض تاریخی یا قلمی کتابوں میں "امروہہ" کا نام "انبروہہ" لکھا ہوا ملتا ہے [1]

امروہہ ہندوں کے عہد حکومت میں

ہندؤں کے زمانہ کے تاریخی حالات مہابھارت وغیرہ کے چند افسانوں، زبانی روایتوں یا اُس عہد کے آثار قدیمہ کی زبان حال کے سوائے تاریخ کی کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ افسوس کہ ایسے آثار قدیمہ بھی اس نواح میں موجود نہیں جنکی زبانِ حال ہی سے ہم یہ افسانہ کہن سنتے۔

پُرانوں سے البتہ یہ بات ثابت ہے کہ مہابھارت کی لڑائی مگدھ کے راجہ نندا کے جلوس سے ایکہزار پچاس برس قبل ہوئی تھی اور معتبر کتب سے یہ بھی ثابت ہے کہ راجہ نندا چار سو برس قبل حضرت مسیح مسند نشین ہوا۔ گویا یہ جنگ عظیم ایکہزار چار سو پچاس برس تخمیناً قبل حضرت

The R in Amroha comes from the Sanskrit form Amrah and the O is presumably due to the Sanskrit rule that Visarga in a compound followed by a sonant letter changes to O. We must therefore look for a Sanskrit compound in which the second element begins with sonant. There is the recognised Amrovanam, forest of mangoes, which might aptly be applied to a place encircled, as Amroha is, with mango groves. The base -vanam has dropped away and the vowel suffix A has been substituted and then an aspirate has been inserted to separate the vowels. Or Amroha may be explained as Amrodha for Amrodhanam (dwelling) or Amrodha (pool).

{Journal of the United Provinces Historical Society vol. III.

[1] امروہہ کے عوام میں امروہہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق آم اور روہو مچھلی کی ایک من گھڑت کہاوت شہرت رکھتی ہے جو محض لغو و بے بنیاد ہے۔ جن بزرگ کا نام اس سلسلہ میں لیا جاتا ہے کہ انہوں نے آم اور روہو کی مناسبت سے اس بستی کا یہ نام رکھا، یعنی شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ، آپکی تشریف آوری ملکہ ولادت سے بھی بہت پہلے سے اس مقام کا یہی نام اسلامی تاریخوں میں جا بجا ملتا ہے۔

مسیح واقع ہوئی تھی، اس حساب سے مہابھارت کو ابتک تین ہزار تین سو اسی برس ہوئے[1]
مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قایم کی، سلطنت کو وسعت دی
اسکے اور اسکے بعد چندربنسی خاندان کے مختلف حکمرانوں نے متعدد شہر بسائے۔ ہستناپور دریائے
جمنا کے کنارے، موجودہ دہلی سے کئی کوس دور، واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہ گیا
تو اسی خاندان کا راجہ دشٹ دان، جو سنہ ۱۲۱۲ قبل مسیح گدی نشین ہوا، ہستناپور چھوڑ کر اندرپت (اندر
پرست) چلا آیا۔ اس راجہ کی ستویں پشت میں راجہ **امر جودہ** ہوا جو سنہ ۴۷۴ قبل مسیح راجگدی
پر بیٹھا، اسی راجہ کو **امروہہ** کا بانی بتایا جاتا ہے[2] ہستناپور کے راجگان کے بعد تومر راجپوت
حکمراں ہوئے۔

راجپوتوں کا راج

تومر یا تنور راجپوت چندربنسی خاندان کی مشہور شاخ ہیں، یہ لوگ اپنی
نسل جنمیجیہ راجہ کے پوتے ستانیک سے قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی حکومت
عرصہ دراز تک اس علاقہ پر رہی، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے انکا راج اوروں نے چھین لیا
تھا لیکن سمت ۸۳۳ مطابق سنہ ۷۷۶ء میں اسی قوم کے ایک شخص انیچپال تومر نے دوبارہ راج قایم کیا
اور مشہور اسلامی سیاح اور مورخ ابوالحسن مسعودی[3] کے ہندوستان آنے کے زمانہ سنہ ۹۱۵ء میں
دہلی سے قنوج تک اسی خاندان کی حکومت تھی، امروہہ پر بھی یہی خاندان حکمران تھا۔ راجہ
انیچپال کی دسویں پشت میں راجہ بہدپال ہوا ہے جسکا بہت کچھ اثر و اقتدار اس نواح میں تھا،
گڈھ مکتیسر کے قرب وجوار کے مواضعات میں اسکی نسل کے لوگ آجتک آباد ہیں۔ اس خاندان
کے آخری راجہ انگپال کا نواسہ پرتھی راج تھا جسنے ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۱۶ دن حکومت کی ہے
اسی نے سنبھل اور امروہہ میں قلعے تعمیر کئے[4] ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ اسی راجہ کی بہن
رانی آمبا نے امروہہ کے قلعہ کو، جو کسی افتاد سے مسمار ہو گیا تھا، ازسرنو تعمیر کیا تھا جس کی
بنیادوں کی اینٹیں بعض بعض مقامات سے ابتک نکلتی ہیں۔

---

[1] آثار الصنادید [2] گزیٹیر مراد آباد [3] علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب قانون مسعودی ان ہی کی تصنیف ہے [4] گزیٹیر مراد آباد صفحہ ۱۹۲

تومر راجپوتوں کا راج سمت ۱۲۲۰ مطابق ۱۱۶۳ء تک یعنی چار سو انیس برس سات مہینے اٹھائیس دن قائم رہا[۱]۔ بالآخر بلدیو چوہان نے انکے ہاتھ سے زمام حکومت چھین لی۔ چوہانوں میں کل سات راجہ ہوئے۔ سمت ۱۲۴۹ مطابق ۱۱۹۲ء تک انکا راج قائم رہا۔

کالیستوں کا راج

چوہانوں کے بعد اس علاقہ پر کچھ عرصہ تک کالیستوں کے ایک خاندان، سورج دھج[۲] کی حکومت رہی۔ راجہ کریا تھا ان میں مشہور راجہ ہوا۔ امروہہ میں بعض کنوئیں اور گجرولہ کے قریب بگد جھیل کا پل اب تک انکی یادگار ہیں[۳]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محلہ کنڈہ والے باغ کے اطراف و جوانب میں جو پرانے زمانہ کے کنوئیں ہیں وہ بھی اسی سورج دھج خاندان کے بنائے ہوئے ہیں۔

تگوں کی حکومت

مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں تگا قوم کا یہاں عروج ہوا، امروہہ اور اسکے نواح میں اس قوم نے اپنی حکومت قائم کی۔ کھجراج نامی ایک تگے[۴] سردار نے

---

۱ اسی تومر خاندان کے ایک شخص بیر سنگھ دیو نے سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسکی اولاد میں متعدد اشخاص گوالیار کے علاقہ میں اپنی ریاست پر قابض رہے۔ بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی سے معرکہائے جنگ ہوتے رہے، ان میں راجہ مان سنگھ بہت طاقتور ہوا، اسکے بیٹے بکرماجیت کو اعظم ہمایوں نے شکست دی اور وہ قید ہو کر آگرہ بھیجدیا گیا۔ لیکن ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کے ساتھ آخری جنگ پانی پت میں مارا گیا۔ اسکے بعد بابر نے گوالیار فتح کر لیا۔ اسکی نسل کے کچھ لوگ اودے پور چلے گئے جہاں اب وہ زمینداری پیشہ ہیں۔ ۲ انہیں سے بعض اپنے کو برہمن بتاتے ہیں لیکن عام طور سے انکا شمار کالیستو میں ہوتا ہے۔ ۳ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۰۰۔ ۴ تگوں کے نسب کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گوڑ برہمنوں سے انکا نکاس ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سارسوت برہمنوں سے نکلے ہیں۔ تگا کا مخرج سنسکرت لفظ تیاگ بتایا جاتا ہے جسکے معنی "ترک کرنے" اور "دان دینے" کے ہیں، چونکہ یہ لوگ بالعموم زراعت کا پیشہ کرتے اور زمین کا دان لیتے تھے اسلئے تیاگا کہلائے۔ تیاگا کثرت استعمال سے تگا ہو گیا۔ اسکے علاوہ اور بھی روایتیں مشہور ہیں جنمیں مفاد یہ ہے کہ برہمن مرد اور کسی نیچ قوم کے میل سے جو اولاد ہوئی وہ تگا کہلائی۔ بہر حال انکے نسب اور قومیت کے متعلق جو روایت بھی صحیح ہو انکے خصائص قومی میں دو مابہ الامتیاز خصوصیتیں ہیں یعنی زراعت اور کاشتکاری میں نہایت درجہ جفاکش اور محنتی اور اسی کے ساتھ جھگڑالو۔ ان میں دو فریق ہیں۔ ایک "دسا" اور دوسرا "بیسا" یعنی اصلی اور دوغلے۔

اپنے نام پر بھرآیوں آباد کیا۔ انہیں راجہ کرن اور راجہ ساسا چندن نامور راجہ ہوئے ہیں مگر یہ لوگ ڈور راجپوت خاندان کے راجہ ہردت کے ماتحت تھے جسکی حکومت قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھی اسمیں امروہہ، سنبھل، میرٹھ، کول (علی گڈھ) برن (بلندشہر) متھرا اور اٹیہ کا علاقہ شامل تھا۔ اسی راجہ نے اپنے نام پر ہرا پور (موجودہ ہاپڑ) آباد کیا تھا۔

قدیم زمانہ میں دریائے گنگا کے دونوں جانب بہت گھنا جنگل تھا جو ضلع بلندشہر کے علاقہ میں "کھانڈو بن" کہلاتا تھا اور گنگا سے اسطرف حسنپور کی تحصیل سے لیکر پہاڑی علاقہ تک چلا گیا تھا۔ اس جنگلی علاقہ میں مختلف جنگلی قومیں بھیل، ناگے، آہیر، ہیرو وغیرہ رہتی تھیں گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے راجپوتوں کے مختلف فرقوں کی آبادی یہاں شروع ہوئی۔ ان میں کٹھیریے راجپوت زیادہ طاقتور اور ذی اثر ہوئے۔ اسی قوم کے نام سے یہ علاقہ بعد میں ملک کٹھیر سے موسوم ہوا۔[۲]

کٹھیریے راجپوتوں کے علاوہ بڑگوجر، جاٹ اور تگے اس علاقہ میں زیادہ با اثر اور باعروج تھے۔ ان راجپوتوں اور بالخصوص تگوں نے مسلمانوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں اور داد مردانگی دی۔ امروہہ میں تگوں کا کوئی خاندان اب موجود نہیں ہے، البتہ ایک مکان "تگے والی حویلی" ابتک مشہور ہے۔ تاجپور اور ہلدور ضلع بجنور کے چودھریوں کے خاندان اس قوم کے عروج کی یادگار ہیں، انہیں سے بہت سے لوگ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ بچھرایوں، ہسپور، ڈھکہ، ڈھبارسی، اجھاری اور چوچیلا کے چودھری صاحبان اسی نسل سے ہیں۔

Historical memoirs of Bullandsheher [۱]

[۲] ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ کٹھیر کے معنی سخت زمین کے ہیں چونکہ روہیلکھنڈ کی زمین کا زیادہ حصہ سخت ہے اسلئے قدیم زمانہ میں اس خطہ ملک کو کٹھیر کہتے تھے۔ راجپوتوں کے جو قبیلے یہاں آکر متوطن ہوئے ان کو "کٹھیریہ" کہنے لگے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

عام خیال ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی پہلا مسلمان ہے جسنے ہندوستان کے غربی حصہ ملک سندھ پر سنہ ۹۳ھ میں اسلامی فتح کا پھریرا لہرایا لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے فاتحانہ حملے اس سے بہت پیشتر سے شروع ہوگئے تھے۔ جناب رسالت مآب علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے صرف پانچ سال بعد ہی یعنی سنہ ۱۵ھ میں فاروق اعظمؓ نے بحرین وعمان کی حکومت پر عثمان بن العاصی ایک صحابی کو مقرر فرمایا تھا جنھوں نے اپنے بھائی حکم بن العاصی کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوجکشی کریں، چنانچہ حکم نے دریائی سفر کے راستہ سخت منزلیں طے کرکے سب سے پہلے تھانہ[1] پر حملہ کیا جو اُس زمانہ میں بہت بارونق بندرگاہ تھا اور آج ضلع کا صدر مقام ہے[2]۔ دوسرا حملہ حکم نے بھروچ[3] پر کیا۔ ان دونوں حملوں میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی لیکن فاروق اعظمؓ کی رائے چونکہ دریائی سفر کے خلاف تھی اسوجہ سے مدت تک مسلمانوں نے پھر اسطرف توجہ نہیں کی ہے[4]

بنو امیہ کے زمانہ میں ہندوستان پر پھر فوجکشی کا خیال ہوا اور سنہ ۹۳ھ میں ملک سندھ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ سنہ ۱۰۷ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق نے جنید بن عبدالرحمن مری کو سندھ کی حکومت تفویض کی۔ جنید نہایت من چلا شخص تھا، اس نے کچھ اور مالوہ پر فوجکشی کرکے فتوحات حاصل کیں[5]۔ خلفائے بنو عباس میں خلیفہ المہدی باللہ

---

[1] عربی تاریخوں میں تھانہ کو طانہ، بھروچ کو بروص یا بروچ اور کچھ کو قصہ لکھا ہے۔ [2] فتوح البلدان بلاذری [3] معجم البلدان حموی [4] فتوح البلدان بلاذری [5] اس فوج کے ساتھ ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی المصری بھی تھے جنکو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث میں کتاب تصنیف کی۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ هُوَ اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِي الْاِسْلَامِ (مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب تصنیف کی) آپنے گجرات میں شہادت پائی اور اسطرح سرزمین ہند کو یہ شرف امتیاز حاصل ہوا کہ اسکے آغوش میں ایسا شخص محو خواب ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے۔ ان کے متعلق صاحب مغنی کا بیان ہے کہ:۔ مَاتَ بِاَرْضِ الْهِنْدِ فِي سَنَةِ سِتِّيْنَ وَمِائَةٍ

العباسی نے سنہ ۱۶۰ھ میں عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو کافی ساز و سامان کے ساتھ ہندوستان میں جہاد کیلئے روانہ کیا۔[1] اس مرتبہ گجرات پر بھی دھاوا کیا گیا، غرضکہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک صرف ملک سندھ پر، جسکی حدود اس زمانہ میں ایک جانب کچھ، گجرات، مالوہ اور راجپوتانہ سے اور دوسری جانب ملتان اور وادی کشمیر سے ملتی تھیں، گماشتگان خلفائے عباسیہ کی حکومت تھی لیکن شمالی ہندوستان ابھی تک مسلمان حملہ آوروں کی ترکتازانہ اور مجاہدانہ جانبازیوں سے محروم تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے حملے

پانچویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان محمود غزنوی نے شمالی ہند پر متواتر حملے شروع کئے۔ سنہ ۱۰۱۷ء میں میرٹھ کا محاصرہ کیا، اسوقت میرٹھ کا راجہ ہردت تھا جسکا راج قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھا۔ اس علاقہ کی حدود ایک جانب برن (بلندشہر) کول (علیگڈھ) متھرا اور اٹاوہ تھیں، اور دوسری جانب امروہہ و سنبھل کے علاقہ تک۔[2] راجہ ہردت اس حملہ کی تاب نہ لاسکا، ایک ارب درہم (مساوی ڈھائی لاکھ روپیہ سکہ حال) خراج ادا کرنے پر معاملہ ٹھیرا۔ پانچ سال بعد پھر سلطان محمود غزنوی نے ملک کٹھیر پر حملہ کیا، علاقہ امروہہ میں رہبندی (یعنی رام گنگا) کے کنارے شدید جنگ ہوئی جس میں ہندوؤں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔[3] سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد یہاں پھر ہندو راجاؤں کی حکومت قایم ہوگئی اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ تک باقی رہی۔

اسلامی سلطنت کی بنیاد

سلاطین غزنویہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں ہندوستان پر بہت سے حملے کئے۔ سلطان محمود نے عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کیں، بے شمار دولت مال غنیمت میں وصول کی لیکن یہاں کبھی مستقل حکومت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ سلطان

---

[1] فتوح البلدان [2] ہسٹاریکل میموائرس آف بلندشہر [3] امپیریل گزیٹیر آف انڈیا جلد دوم۔

محمود کے بعد اسکی اولاد کی حکومت بھی لاہور سے آگے دریائے چناب سے اسطرف نہ بڑھنے پائی۔ البتہ غزنویوں کے ہاتھ سے زمام حکومت جب غوریوں نے چھین لی اور سلطان معز الدین محمد بن سام المشہور بہ سلطان شہاب الدین غوری کچھ عرصہ بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اسنے ہندوستان کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ ۵۸۲ھ ۱۱۸۵ء میں خسرو ملک کو جو غزنوی خاندان کا یہاں آخری حکمراں تھا، لاہور میں شکست دیکر پھر شمالی ہندکو اپنی تیغ آبدار کی ضرب سے فتح کیا۔ ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں تراوڑی (تھانیسر) کے میدان میں رائے پتھورا کو ہزیمت ہوئی اور ہندوؤں کے ہاتھ سے سلطنت نکلکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ اور اسطرح حکومت اسلامی کی بنیاد پڑی۔

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں[1]:-

چنیں گوید خبر دانندۂ حال ⁂ کز اں میموں خبر میمیں شدش فال
کہ از غزنین چو بیروں کرد صمصام ⁂ معز الدین محمد گوہر سام
ازاں سلطان غازی بے مدارا ⁂ بہ ہندوستان شد اسلام آشکارا
سریر دہلی ازوی یافت بنیاد ⁂ کہ بنیاد سریرش تا ابد باد
ہر آنچہ آں شہ غازی کرد بنیاد ⁂ ز قطب الدین سلطاں گشت آباد

---

[1] حضرت امیر خسرو کا نام نامی ابوالحسن ہے۔ انکے والد امیر سیف الدین محمود بلخ کے امیرزادوں میں تھے۔ فتنہ چنگیز خان کے زمانے کے قریب ہندوستان آئے اور امرائے شاہی میں منسلک ہوئے۔ حضرت امیر خسرو ۶۵۲ھ میں ضلع ایٹہ کے ایک قصبہ مومن آباد میں جسکو اب پٹیالی کہتے ہیں، پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاؒ کی بیعت کی اور مدت العمر فیض صحبت پایا۔ حضرت ممدوح انکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اولاً شہزادہ محمد سلطان خان شہید کے مقرب وندیم رہے پھر ملک امیر علی حاتم خان، حاکم امروہہ کے پاس پانچ سال تک رہے۔ جتنے بادشاہ ان کے زمانہ میں دہلی کے تخت پر بیٹھے سب ان کو اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے ان کی قابلیت شعری کا اعتراف کیا۔ تقریباً چار لاکھ شعر ان سے منسوب ہیں۔ ۷۲۵ھ میں انتقال کیا اور اپنے مرشد کے مزار پُر انوار کے قریب مدفون ہوئے۔

شد عدیم المثل یک تاریخ او ⁂ دیگرے شد، طوطیِ شکر مقال
۷۲۵ھ ⁂ ۷۲۵ھ

امروہہ پر مسلمانوں کا تسلط

اسلامی عہد کی کسی معتبر تاریخ میں اس کی تصریح نہیں کہ اسلامی لشکر نے کس سنہ میں امروہہ فتح کیا اور کب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا۔ سلف سے البتہ یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ اس نواح میں سب سے پہلے سالار مسعود غازیؒ نے مجاہدانہ حملے کئے اور امروہہ و سنبھل کے قلعے ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ حضرت سالار غازی مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ بہرائچ میں انکا مزار ہے بقول سید انشاء ؎

دل کی بہرائچ نہیں ہے ترکتازی کا مقام ہے یہاں پر حضرت مسعود غازی کا مقام

کہا جاتا ہے کہ موضع شہباز پور میں، جو سنبھل سے تقریباً چار میل شرق میں واقع ہے، سالار مسعود غازی اور انکے ہمراہیوں نے ہندوں پر فتح حاصل کی تھی جسکی یادگار میں ہر سال وہاں ایک دن میلہ لگتا ہے جو نیزہ کا میلہ کہلاتا ہے اور دوسرے دن یہ میلہ خاص شہر سنبھل میں غالباً فاتحین کے فاتحانہ داخلہ کی یادگار میں لگتا ہے جو باسی نیزہ کا میلہ مشہور ہے۔ پورنپور اور امروہہ کے نیزے کے میلے بھی اسی فتح کی یادگار بتائے جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ امروہہ اور اسکے نواح میں جو شہدا آسودہ ہیں وہ سالار مسعود غازیؒ کے ان جانباز ہمراہیوں میں سے ہیں جنہوں نے معرکہائے جدال و قتال میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ مرآۃ مسعودیؒ میں بیان

---

[۱] مرآۃ مسعودی ایک کتاب سالار مسعود غازیؒ کے حالات میں ہے، جو ایک شخص عبدالرحمٰن چشتی نے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں یعنی سالار مسعودؒ کے زمانہ سے تقریباً پانسو برس بعد تالیف کی ہے۔ اس میں غازی موصوف کے باپ کا نام سالار ساہو، ماں کا نام ستر معلٰی، سال پیدائش سنہ ۴۰۵ھ، مقام پیدائش اجمیر اور سال وفات سنہ ۴۲۴ھ تحریر کیا ہے، مگر یہ کتاب ایک فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اسکے مستند تاریخ ہونے میں بہت کلام ہے۔ علامہ ابوالفضل نے سالار غازیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "خویشاوند سلطان محمود غزنوی است"۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بودہ کہ در عہد اولاد سلطان محمود غزنوی در سنہ [illegible]ھ بدست کفار مقتول گردید"۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ نواب خانجہاں تحریر نے ایک دن حضرت شیخ الہدیہ خیر آبادی سے جو مشائخ کبار اور علمائے متبحرین سے تھے دریافت کیا کہ "سالار مسعود کہ عوام

کہا گیا ہے کہ سالار مسعود غازیؒ نے اول میرٹھ پر حملہ کیا، پھر وہ دریائے گنگا عبور کرکے قنوج کی سمت روانہ ہوئے۔ مرآۃ مسعودی کے بیان کو اگر باور کیا جائے تو یقیناً ہو سکتا ہے کہ غازیان اسلام

(بقیہ صفحہ ۱۰) ہند و رامی پرستند چہ طور کے بود شیخ محمود "افغانے" بود کہ شہید شدہ است"۔

میری رائے میں فرشتہ کا یہ قول درست ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد میں سے کسی کے عہد میں سالار مسعود غازیؒ ہندوستان میں بقصد جہاد آئے۔ لیکن فرشتہ نے انکی آمد کا جو زمانہ متعین کیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ۴۰۵ھ میں سلاطین غزنویہ میں اسقدر طاقت نہیں رہی تھی کہ ہندوستان میں اسقدر دور دراز مقامات پر فوج کشی کیجاتی غالباً یہ زمانہ ۔ شاہ بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کا ہوگا یعنی ۵۱۲ھ لغایت ۵۴۷ھ۔ ایک واقعہ سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے قلعہ بیانہ کا فتح ہونا بھی سالار غازی کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر قندھاری بھی تھے جنکی خانقاہ اب تک وہاں موجود ہے اور ہندی دوہرہ بھی عوام کے زبان زد ہے ؎

اگارہ سو تہتر پھاگن تیجے رتی وار ٭ بجے مندر گڑھ توڑا ابوبکر قندھار

یعنی سمت ۱۱۷۳ پھاگن کے مہینہ میں تیسری تاریخ کو ابوبکر قندھاری نے قلعہ بیانہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۵۱۲ھ مطابق ۱۱۱۸ء کے مطابق ہوتا ہے جو بہرام شاہ بن سلطان مسعود غزنویؒ کے جلوس کا سال تھا۔ سلطان بہرام شاہ بن مسعود غزنوی ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء میں تخت نشین ہوا اور ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء میں انتقال کیا۔ کتاب کلیلہ دمنہ اسی کے عہد میں اور اسی کے نام پر تصنیف ہوئی۔ حکیم سنائیؒ نے حالت قید میں کتاب حدیقۃ الحقیقہ اسی کے نام پر لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

عرش گر بارگاہ را زیبد ٭ شاہ بہرام شاہ را زیبد

مورخین نے لکھا ہے کہ اسنے تخت نشین ہوکر ہندوستان کی طرف لشکر بھیجا اور ایسے مقام جو اسکے بزرگوں سے بھی فتح نہ ہوئے تھے، فتح کئے۔ پس کیا تعجب کہ سالار مسعود غازی بھی اسی لشکر کے ساتھ ہوں اور انہوں نے اس نواح میں مجاہدانہ حملے کرکے امروہہ و سنبھل کے قلعے فتح کئے ہوں۔

مرآۃ مسعودی کے مؤلف نے سالار غازیؒ کو سیدنا امام محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ کی اولاد میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ سالار غازی عبد المنان بن امام محمد حنفیہ کی نسل سے تھے۔ امام موصوف کے اس لئے عبد الفتاح و عبد المنان دو بیٹے لکھے ہیں لیکن

اور تالاب تھے۔ سوت ندی بھی اس زمانہ میں خوب بہتی تھی۔ پرانی بستی اور قلعہ میں جو قصبہ آبادی کا اسوقت شامل تھا آج اس رقبہ میں محلہ لانہ، بچدرہ، نوبت خانہ، شاہی چبوترہ، قلعہ ترولیہ، قاضی زادہ، پار پوتیاں، صندو، جڑودیہ، چاہ شور، نوگیاں، جھنڈا شہید، چاہ ملاان وغیرہ محلے آباد ہیں۔ قدیم قلعہ اور فصیل کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ شاہان مغلیہ کے عہد حکومت کے وسطی زمانہ تک دستاویزات میں البتہ "اندرون حصار" اور "بیرون حصار قدیم" کے الفاظ عام طور سے درج ہوا کرتے تھے۔

امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں

سلطنت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ حکومت کا نظم و نسق کامل طور سے قائم نہیں ہوا تھا، بدایوں، سنبھل اور امروہہ ایک ہی حاکم کے ماتحت رکھے گئے۔ سلطان قطب الدین ایبک[1] نے اپنے زمانہ نیابت میں التمش کو جو بعد میں بادشاہ ہو کر سلطان شمس الدین التمش[2] کے نام سے موسوم ہوا، ۶۰۰ھ ۱۲۰۳ء میں اس علاقہ کا مقطع (حاکم) مقرر کیا۔ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں سلطان التمش نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ممالک مقبوضہ کا از سر نو انتظام کیا۔ مختلف اقطاع ملک کو ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳) اور قدیم حصار سے کوئی تعلق نہیں۔ [1] قطب الدین ایبک بعد وفات اپنے آقا سلطان شہاب الدین غوری ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف چار سال و چند ماہ سریر آرائے سلطنت رہکر لاہور میں چوگان بازی کھیلتے وقت ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ [2] سلطان شمس الدین التمش ترک قبیلہ البری سے تھا۔ اسکا حال بھی حضرت یوسفؑ کا سا ہوا۔ اسکے بھائیوں کو اسکے حسن صورت اور فراست پر حسد ہوا۔ سیر کا بہانہ کرکے وطن سے باہر لیجا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر نے بخارا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پھر حاجی کمال الدین جمال نے خرید لیا ان سے سلطان معز الدین محمد سام نے ایبک اور التمش کو ایک لاکھ جیتل میں خرید کیا۔ اول گوالیار کا حاکم بنایا پھر بدایوں کا ناظم کیا۔ رفتہ رفتہ اپنی لیاقت اور شجاعت سے امیر الامرائی کے درجہ کو پہنچا اور سلطان قطب الدین نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ چھبیس[26] سال سلطنت کی۔ حوض شمسی اور قطب کی لاٹھ اسکی یادگار ہیں۔

انکے لئے حاکم، جنکو اس زمانہ کی اصطلاح میں "مقطع" کہتے تھے، مقرر کئے۔ یہ علاقہ بھی ولایت امروہہ کے نام سے موسوم ہوا اور یہاں بھی علیحدہ حاکم (مقطع) مقرر ہوا اور لشکر اسلامی کا ایک حصہ یہاں متعین کیا گیا[1]

ہندو رعایا کی بغاوتیں

یہ وہ زمانہ تھا کہ اس علاقہ کی ہندو رعایا پورے طور پر مطیع و منقاد نہیں ہوئی تھی، متواتر بلوے اور بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوتوں کے مختلف قبیلے تھے، اہیر، گوجر وغیرہ جنگجو اور سرکش قومیں، جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد تھیں، جب موقع پاتیں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتیں۔ ۶۴۰ھ میں بعہد سلطان علاء الدین مسعود شاہ (۱۲۴۲ء) اس علاقہ میں وہ شورش برپا ہوئی کہ ملک جلال الدین حاکم بداؤں و مقطعان سنبھل و امروہہ انتظام قائم نہ رکھ سکے۔ سلطان ناصر الدین محمود[2] بہت

(بقیہ صفحہ ۱۴) سلطانہ رضیہ اسی کی بیٹی تھی۔ [1] طبقات ناصری۔ [2] سلطان ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا تھا، ۶۴۳ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ شجاع، عابد و زاہد اور متقی تھا۔ شاہی دربار اگرچہ تکلفات سے پُر تھا لیکن اسکی محلسرائے مجلسرا نہ تھی بلکہ ایک نہایت سادہ گھر تھا۔ اسکے ایک ہی زوجہ تھی، وہی اپنے گھر کا سارا کام کرتی؛ اور اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کے لئے روٹی پکاتی۔ ایک دن اس نیک بخت بی بی نے کہا کہ روٹی پکانے سے میرے ہاتھ جلتے ہیں، کوئی لونڈی خرید لو کہ وہ کھانا پکا دیا کرے، اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ بیت المال میں تو بندگان خدا کا حق ہے۔ میرا مال اس میں کچھ نہیں کہ روپیہ سے لونڈی خرید دوں، صبر کرو، خدا اسکا اجر دیگا۔ یہ نیک بخت خاموش ہو گئی۔ الغرض ساری عمر فقیرانہ بسر کی۔ قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی۔ کبھی خزانہ شاہی سے ایک پیسہ اپنے ذاتی خرچ کے لئے نہ لیا۔ اتفاقاً ایک امیر نے اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف زیادہ قیمت کو خرید لیا؛ بادشاہ کو معلوم ہوا تو بہت ناگوار گذرا۔ اسکے بعد سے اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کا ہدیہ معمولی قیمت پر حنیہ کیا کرتا۔ ایک دن ایک محتاج اسکے پاس آیا، اس نے قرآن شریف میں دو فقرہ برابر لکھے ہوئے دیکھکر کہا کہ ایک فقرہ اس میں غلط ہے، سلطان نے قلم دوات منگا کر اس فقرہ پر حلقہ کھینچ دیا اور اس محتاج

کے اس لشکر نے گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریائے گنگا کو عبور کیا ہوگا اور قنوج جاتے ہوئے امروہہ اور سنبھل کے قلعے بھی فتح کئے ہونگے، لیکن خود سالار مسعود غازیؒ کے حالات اور کارنامے جو مراۃ مسعودی وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں، بہت کچھ مشتبہ اور تحقیق طلب ہیں۔ انکی شخصیت، انکا سنہ پیدائش و وفات اور غازیان اسلام کے مجاہدانہ ترکتاز کا جو زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بہرکیف واقعہ اگر یہی ہو کہ سالار مسعود غازیؒ اور ان کے ساتھیوں نے پانچویں صدی کے اوایل میں میرٹھ، امروہہ اور سنبھل اور اس نواح کے دوسرے مقامات فتح کئے تب بھی یہ ثابت نہیں کہ لشکر اسلام کے اس نواح سے بسمت قنوج روانہ ہونے کے بعد ان مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ مسلط باقی رہا کیونکہ تمام معتبر کتب تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۵۸۵ھ (۱۱۸۹ع) سے ۵۹۱ھ (۱۱۹۵ع) تک اس چھ سالہ مدت میں سلطان شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندو راجاؤں سے سخت معرکہ آرائے[۱]

(بقیہ صفحہ ۱۱) ہرگز صحیح نہیں۔ امام محمد حنفیہؓ کے بیٹوں یا پوتوں کے یہ نام کسی قدیم کتاب الانساب میں نہیں ملتے۔ معارف ابن قتیبہ و دیگر مستند کتاب الانساب میں امام موصوف کے بیٹوں کے جو نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ حسن، عبداللہ ابوہاشم، جعفر الاکبر، حمزہ، علی، جعفر الاصغر، عون، القاسم اور ابراہیم الملقب بعشرۃ۔ عمدۃ الطالب و دیگر معتبر کتب انساب میں بیان کیا گیا ہے کہ سوائے عبداللہ بن محمد، جعفر بن محمد اور علی بن محمد حنفیہ کے اور کسی بیٹے کی نسل نہیں چلی۔ مجھے سالار مسعود غازیؒ کی علویت سے انکار نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ علوی ہوں لیکن مراۃ مسعودی میں جو نام امام محمد حنفیہ کے بیٹوں کے لکھے ہیں وہ گھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ [۱] تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ فتح دہلی کے بعد قطب الدین ایبک نے برن (بلند شہر) کو فتح کیا لیکن سلطان شہاب الدین غوری کے ایک فرمان سے، جسکی اصل میرے عزیز دوست سید حسین برنی بی اے۔ ایل ایل بی وکیل بلند شہر کے پاس ہے اور اسی فرمان کی ایک مصدقہ نقل، جو عہد عالمگیری کی ہے، خاکسار مولف کو دستیاب ہوئی ہے، یہ ثابت ہے کہ برن (بلند شہر) کو سلطان شہاب الدین نے بذات خود ۵۸۵ھ میں یعنی فتح دہلی سے تقریباً ۴ سال قبل فتح کیا۔ برن (بلند شہر) کی چودھراہٹ کا عہدہ جے پال الانبیہ کو، جو مشرف باسلام ہو کر ملک محمد قدر دراز کے نام سے

جنگ کے بعد میرٹھ، برن (بلند شہر)، بدایوں، کول (علی گڈھ)، دہلی اور دوسرے مقامات کو فتح کرکے تسلط اور قبضہ حاصل کیا اور اسطرح اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی[1] ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء میں ترائن کے میدان میں جب سلطان شہاب الدین غوری رائے پتھورا کو، جسکے ساتھ ڈیڑھ سو راجپوت راجاؤں کا متحدہ لشکر تھا، شکست فاش دیکر غزنین واپس گیا تو اسکے نائب اور سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اس نواح کے متعدد قلعے فتح کئے۔

"ملک قطب الدین ایبک دریماں سال (۵۸۸ھ)
"لشکر کشیدہ قلعہ میرٹھ و دہلی را از تصرف خویشاں
"پتھورا و کھنڈے رائے برآوردہ در سنہ ۵۸۹
"تسع و ثمانین و خمسمائۃ قلعہ کول را مسخر کردہ و
"دہلی را دار الملک ساختہ آنجا قرار گرفت
"و اطراف و نواحی آں را در ضبط آورد و شعائر
"اسلام ظاہر ساخت۔"[2]

اسی سال (۵۸۸ھ) ملک قطب الدین ایبک نے فوجکشی کرکے قلعہ میرٹھ اور دہلی کو (راجہ) پتھورا اور کھنڈے رائے کے خاندان والوں سے چھین لیا، اور ۵۸۹ھ میں قلعہ کول (علی گڈھ) کو فتح کیا اور دہلی کو دار السلطنت بناکر وہاں قیام کیا اور وہاں کے قرب و جوار اطراف کے ممالک پر قبضہ کرکے شعائر اسلامی کا اجراء کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہہ و سنبھل پر بھی مسلمانوں کا تسلط اور قبضہ ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء یا ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء سے یعنی سلاطین غوریہ کے زمانہ سے شروع ہوا۔

امروہہ کی قدیم آبادی

چھٹی صدی ہجری کے آخر میں جب امروہہ کو مسلمانوں نے فتح کیا ہے اسوقت یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ ایک طرف پختہ قلعہ اور راجہ کے محلات تھے اور دوسری جانب رعایا کے مکانات، بازار، مندر وغیرہ۔ شہر کے چاروں طرف پختہ اور مستحکم فصیل تھی۔[3]

(بقیہ صفحہ ۱۲) موصوف کو عنایت ہوا اور قاضی نور الدین عباسی وہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ [1] طبقات ناصری، فرشتہ وغیرہ

[2] تاریخ فرشتہ۔ [3] مولف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد مطبوعہ ۱۹۱۲ء کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اس فصیل کا کوئی حصہ اور ایک دروازہ ابتک باقی ہے۔ غالباً انکی مراد قلعہ محرم سید عبد الملک کے دروازہ اور فصیل سے ہے جو عہد شاہجہاں کی تعمیر ہے۔ اس کے

اور تالاب تھے۔ سوت ندی بھی اس زمانہ میں خوب بہتی تھی۔ پرانی بستی اور قلعہ میں جو قصبہ آبادی کا سوقت شامل تھا آج اس رقبہ میں محلہ لانہ، بچدرہ، نوبت خانہ، شاہی چبوترہ، قلعہ تروکیہ، قاضی زادہ، پارپوتیاں، صندد، جرودیہ، چاہ شور، نوگیاں، جھنڈا شہید، چاہ ملاّ ان وغیرہ محلے آباد ہیں۔ قدیم قلعہ اور فصیل کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ شاہان مغلیہ کے عہد حکومت کے وسطی زمانہ تک دستاویزات میں البتہ "اندرون حصار" اور "بیرون حصار قدیم" کے الفاظ عام طور سے درج ہوا کرتے تھے۔

امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں

سلطنت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ حکومت کا نظم و نسق کامل طور سے قایم نہیں ہوا تھا، بدایوں، سنبھل اور امروہہ ایک ہی حاکم کے ماتحت رکھے گئے۔ سلطان قطب الدین ایبک[۱] نے اپنے زمانہ نیابت میں التمش کو جو بعد میں بادشاہ ہوکر سلطان شمس الدین التمش[۲] کے نام سے موسوم ہوا، سنہ ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں اس علاقہ کا مقطع (حاکم) مقرر کیا۔ سنہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں سلطان التمش نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ممالک مقبوضہ کا از سر نو انتظام کیا۔ مختلف اقطاع ملک کو ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳) اور قدیم حصار سے کوئی تعلق نہیں۔ سلہ قطب الدین ایبک بعد وفات اپنے آقا سلطان شہاب الدین غوری سنہ ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف چار سال و چند ماہ سریر آرائے سلطنت رہکر لاہور میں پولو یعنی چوگان بازی کھیلتے وقت سنہ ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ سلہ سلطان شمس الدین التمش۔ یا ترک قبیلہ البری سے تھا۔ اسکا حال بھی حضرت یوسفؑ کا سا ہوا۔ اسکے بھائیوں کو اسکے حسن صورت اور فراست پر حسد ہوا۔ سیاں باپ بہانہ کرکے وطن سے باہر لیجا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر نے بخارا میں کسی امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پھر حاجی کمال الدین قباچیت نے خرید لیا ان سے سلطان معز الدین محمد سام نے ایبک اور التمش کو ایک لاکھ جیتل میں خرید کیا۔ اول گوالیار کا حاکم بنایا پھر بدایوں کا ناظم کیا۔ رفتہ رفتہ اپنی لیاقت اور شجاعت سے امیر الامرائی کے درجہ [illegible] اور سلطان قطب الدین نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ چھبیس سال سلطنت کی۔ حوض شمسی اور قطب کی لاٹھ اسکی یادگار ہے۔

اسکے لئے حاکم، جنکو اس زمانہ کی اصطلاح میں "مقطع" کہتے تھے، مقرر کئے۔ یہ علاقہ بھی ولایت امروہہ کے نام سے موسوم ہوا اور یہاں بھی علیحدہ حاکم (مقطع) مقرر ہوا اور لشکر اسلامی کا ایک حصہ یہاں متعین کیا گیا۔[1]

ہندو رعایا کی بغاوتیں یہ وہ زمانہ تھا کہ اس علاقہ کی ہندو رعایا پورے طور پر مطیع و منقاد نہیں ہوئی تھی، متواتر بلوے اور بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوتوں کے مختلف قبیلے تھے، اہیر، گوجر وغیرہ جنگجو اور سرکش قومیں، جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد تھیں، جب موقع پاتیں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیتیں۔ ۶۴۰ھ میں بعہد سلطان علاء الدین مسعود شاہ اس علاقہ میں وہ شورش برپا ہوئی کہ ملک جلال الدین حاکم بداؤں و مقطعان سنبھل و امروہہ انتظام قائم نہ رکھ سکے۔ سلطان ناصر الدین محمود[2] بہت

(بقیہ صفحہ ۱۴) سلطانہ رضیہ اسی کی بیٹی تھی۔ [1] طبقات ناصری۔ [2] سلطان ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا تھا، ۶۴۳ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ شجاع، عابد و زاہد اور متقی تھا۔ شاہی دربار گرچہ تکلفات سے پر تھا لیکن اسکی محلسرائے عمی مکلفانہ تھی بلکہ ایک نہایت سادہ گھر تھا۔ اسکے ایک ہی زوجہ تھی، وہی اپنے گھر کا سارا کام کرتی، اور اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کے لئے روٹی پکاتی۔ ایک دن اس نیک بخت بی بی نے کہا کہ روٹی پکانے سے میرے ہاتھ جلتے ہیں، کوئی لونڈی خریدو کہ وہ کھانا پکادیا کرے، اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ بیت المال میں تو بندگان خدا کا حق ہے۔ میرا مال اس میں کچھ نہیں کہ روپیہ سے لونڈی خریدوں، صبر کرو، خدا اسکا اجر دیگا۔ یہ نیک بخت خاموش ہوگئی۔ الغرض ساری عمر فقیرانہ بسر کی۔ قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی۔ کبھی خزانہ شاہی سے ایک پیسہ اپنے ذاتی خرچ کے لئے نہ لیا۔ اتفاقاً ایک امیر نے اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف زیادہ قیمت کو خرید لیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو بہت ناگوار گذرا۔ اسکے بعد سے اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کا ہدیہ معمولی قیمت پر خفیہ کیا کرتا۔ ایک دن ایک محتاج اسکے پاس آیا، اس نے قرآن شریف میں دو فیہ برابر لکھے ہوئے دیکھکر کہا کہ ایک فیہ اس میں غلط ہے، سلطان نے قلم دوات منگاکر اس فیہ پر حلقہ کھینچ دیا اور اس محتاج

نیک مزاج اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ اسکا عہد اگرچہ عام طور پر امن و امان کا عہد تھا
جسکا تذکرہ امیر خسرو نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

عجب عہدے ہمہ در کامرانی ÷ بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس وادے کمند کینہ را تاب ÷ نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلماں چیرہ دست و ہندواں رام ÷ ندانستے کسے از جنس مغل نام
شہے در دانش از یزداں شکوہے ÷ ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی ÷ با مرش بندگاں در کار شاہی

لیکن سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں بھی اس علاقہ میں فتنہ و فساد کی وارداتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں سلطان کو باغیوں کے مقابلہ کے لئے بذات خود یہاں آنا پڑا۔ تیرہ سال بعد یعنی ۶۶۵ھ ۱۲۶۶ء میں مفسدوں نے پھر سر اٹھایا اور اس مرتبہ فتنہ و فساد اور بغاوت کا وہ زور شور ہوا کہ حکومت کو اپنا آپا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس فتنہ و فساد کے متعلق ضیائے برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی نے بتایا ہے کہ :-

"متواتر خبر می رسید از کٹھیر کہ مفسداں کٹھیر
"بسیار شدند و دہ ہائے رعیت را نہب و
"تاراج می کنند و ولایت بداؤں و امروہہ را مزاحمت
"می نمایند و فساد ہا آشکارا میکنند و خیانت و قوت

متواتر خبریں پہنچیں کہ کٹھیر میں مفسد بہت ہو گئے
ہیں، رعایا کے مواضعات لوٹتے اور خراب کرتے
ہیں، صوبہ بداؤں اور امروہہ کو نقصان
پہونچاتے اور علانیہ کھلا فساد کرتے ہیں اور انکی قوت

(بقیہ صفحہ ۱۵) کی احتیاج رفع کرکے اسے رخصت کیا پھر چاقو لیکر اس حلقہ کو حک کیا۔ کسی نے پوچھا کہ حلقہ بنایا کیوں تھا اور اسکو مٹایا کیوں؟ سلطان نے جواب دیا کہ محتاج آیا تھا اگر اسوقت میں کہتا کہ تو غلط کہتا ہے اسکا دل رنجیدہ ہوتا، اس رنج کا مٹانا اس حلقہ کے مٹانے سے زیادہ ہوتا، صلاح کار نیک اندیش کا دل اس نے خوش کر دیا۔ اسکا ایک ندیم محمد نام تھا۔ اتفاقاً ایک دن بادشاہ نے تاج الدین کہکر اسے پکارا اور کچھ کام کرایا۔ اسنے کام تو کر دیا لیکن بادشاہ سے اصلی نام نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو اس نے

"شدہ اند کہ از مقطع بداؤں و مقطع امروہہ حشم نمی زنند و از بسیاری و غلبۂ ایشان والیان جاگیرداں ایشاں نمی توانند گشت"۔

اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ حاکم بداؤں اور حاکم امروہہ سے نہیں دبتے۔ انکی زیادتی اور غلبہ کی وجہ قرب وجوار کے پرگنوں کے حاکم ان کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔

بغاوت کا خوفناک انتقام

اس فتنہ و فساد کی خبر پاکر سلطان غیاث الدین بلبن[1]، جو اسوقت کپنل و پٹیالی[2] کے نواح میں تھا، فی الفور دہلی واپس آیا اور پانچ ہزار

(بقیہ صفحہ ۱۶) کہا کہ میں باوضو نہ تھا اسلئے حضور سرور کائنات ؐ کا نام لیتے مجھے شرم آتی تھی۔ طبقات ناصری جو مشہور تاریخ ہے، اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ گیارہویں جمادی الاول ۶۶۴ھ میں یہ نیک سیرت بادشاہ فوت ہوا۔

[1] سلطان غیاث الدین بلبن کا اصلی نام الغ خان تھا، نسباً ترک قراخطا و طائفہ البری میں سے تھا۔ اسکا باپ بغداد میں بڑا فوجی عہدہ دار تھا۔ جب مغلوں نے بغداد فتح کیا اوروں کی طرح بلبن بھی انکے ہاتھوں اسیر ہوا۔ ایک سوداگر نے اسے خریدا اور جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ جمال الدین بصری نے اس خیال سے کہ وہ سلطان شمس الدین التمش کا ہم قوم تھا اسکی نذر کیا۔ سلطان نے اسکے چہرہ کے آثار دیکھکر سردار خاصہ کا مقرر کیا اور بتدریج معزز عہدوں پر سرفراز کیا۔ التمش کے جانشینوں کے زمانہ میں وہ اپنی لیاقت کے سبب رفتہ رفتہ امیر الامرائی کے درجہ تک ترقی کر گیا۔ سلطان ناصر الدین محمود بیس برس تک بلبن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہا۔ اسکے انتقال کے بعد ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ بلبن کو اراذل سے یہانتک نفرت تھی کہ کبھی کسی رذیل سے ہمکلام نہوا۔ جبتک زندہ رہا کسی امیر کا مقدور نہ تھا کہ کسی کمینہ کی سفارش کرے۔ اسکے عہد میں یہ دستور العمل ہو گیا تھا کہ اراذل میں سے کسی شخص کو ملکی کام نہ ملے۔ جب کوئی شخص نوکر ہوتا اسکے حسب نسب کی بڑی تحقیقات ہوتی۔ بعد نوکر ہو جانے کے اگر اسکے نسب میں کچھ فرق ہوتا تو برطرف کر دیا جاتا۔ ہندوؤں کو معزز عہدوں کا ملنا موقوف ہو گیا تھا۔ اس بادشاہ کی یہ اقبالمندی اور خوش نصیبی تھی کہ تاتاریوں کا سیلاب اس عہد کی اکثر اسلامی سلطنتیں بہا لیگیا لیکن ہندوستان میں اہل اسلام کی سلطنت بدستور قائم رہی۔ اس بادشاہ کے عہد میں پندرہ بادشاہ اور بادشاہزادے مغلوں کے ڈر سے اپنا اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آگئے تھے۔ بلبن انکی بڑی خاطرداری اور تعظیم و تکریم کرتا۔ یہ سب شاہزادے دربار میں اسکے تخت کے گرد کھڑے ہوتے۔ صرف دو جو خلفائے عباسی

چیدہ اور منتخب سوار ساتھ لیکر یکایک اس ملک پر آپڑا۔ بغاوت کا جو خوفناک انتقام لیا گیا اسکا حال فرشتہ کے الفاظ میں سنئے :-

"سلطان پنجہزار سوار انتخابی ملغار کردہ در شب درمیان از گنگ عبور نمودہ بولایت کھیتہر درآمد بجز از زنان و اطفال حکم قتل عام فرمود کسے را زندہ نگذاشت و نوے آن ولایت را پاک ساخت کہ بدایون و امروہہ و سنبھل از شر آن جماعت تا عہد جلالی در کھیتہر کسے نام مفسد نمی شنید" ۱؎

سلطان بلبن پانچہزار چیدہ سوار اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوا اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اترکر علاقہ کھیتہر میں جا پہنچا۔ عورتوں اور بچوں کے سوائے اور سب کے قتل کرنے کا عام حکم دیا کہ کسیکو زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس خطہ ملک کو اسنے اس طریقہ پر پاک و صاف کردیا کہ بدایوں، امروہہ اور سنبھل اس جماعت کے شر و فساد سے محفوظ ہوگئے اور عہد جلالی تک کیتھیر میں کسی ایک مفسد کا نام بھی کوئی نہیں سنتا تھا۔

شخصی اور قومی حقوق، آزادی اور آزاد خیالی کی جس آب و ہوا میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور حاکم و محکوم کے تعلقات کی جو نوعیت زمانہ حال میں قایم ہوتی ہی اسکے لحاظ سے سات سو برس پہلے کے مخصوص حالات، وقتی ضروریات اور سیاسی مصلحتوں کے متعلق کوئی صحیح اندازہ قایم کرنا مشکل ہی، مادر گیتی نے قتل و غارتگری کے ایسے خوفناک منظر خدا معلوم کتنے دیکھے ہونگے۔

اس نواح کے گھنے جنگل، ناقابل گذر صحرا اور بن مفسدوں اور باغیوں کے لئے جا بجا پناہ اور کمیں گاہ کا کام دیتے تھے۔ کٹھیریوں کے مختلف قبیلے ان میں پناہ گزین تھے۔ اسی زمانہ میں جنگلوں کو کاٹ کر مختلف سڑکیں اور راہیں نکالی گئیں ۲؎ اسلئے آج جن عمدہ اور محفوظ سڑکوں پر ہم اس نواح میں سفر کرتے ہیں انکے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ ابتداً کس ضرورت سے نکالی گئی

(بقیہ صفحہ ۱۷) کی اولاد تھے، تخت پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ان امیروں اور شہزادوں کے نام پر دہلی میں محلے اور بازار آباد ہوگئے تھے۔ محلہ عباسی و سنجری، خوارزمی دلیمی، علوی، اتابکی، غوری، رومی، بلخی، سمرقندی وغیرہ۔ ۶۸۶ھ میں چوبیس سال بڑے دبدبہ سے سلطنت کر کے انتقال کیا۔ ۲؎ تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۹۔

۱؎ تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۷۔ ۲؎ ایلیٹ صفحہ ۲۵۳۔

تھیں یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ملک امیر علی حاتم خان امروہہ کا پہلا جاگیردار

اوائل جلوس بلبنی میں ولایت امروہہ کے انتظام و انصرام کی عمدگی و بہتری کے خیال سے اقطاع امروہہ ملک امیر علی المخاطب بہ حاتم خان سرجاندار کے جاگیر میں دئے گئے[1]۔ ملک موصوف سلطان غیاث الدین بلبن کا مولازادہ، نہایت فیاض، سیر چشم، کریم النفس، قدردان علم، عالی ہمت، فراخ دل تھا، اسکی فیاضی اور بخشش کی بہتات کی وجہ سے اسکا لقب "حاتم خان" پڑ گیا تھا۔ حضرت امیر خسرو اسکے سرکار میں متوسل رہے۔ اسی امیر کے نام پر انہوں نے "اسپ نامہ" تصنیف کیا تھا۔ انکے

---

[1] اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ سلطان بلبن نے اقطاع امروہہ کے انتظام کے لئے اپنے اراکین سلطنت سے فرمائش کی کہ کسی ایسے شخص کو تجویز کریں جو اس خدمت (یعنی **خواجگی امروہہ**) کے لائق ہو نیز "اصیل باشد وہم کاردان" ایسے شخص کو تجویز کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اراکین سلطنت نے ایک شخص کمال مہیار نامی کو منتخب کر کے "بجہت **خواجگی امروہہ** پیش تخت گذرانیدند" سلطان نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ اسکے نام میں مہیار کا جو لفظ شامل ہے اسکے کیا معنی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ مہیار میرے باپ کا نام ہے" وہ ایک ہندو کا غلام تھا۔ یہ سنتے ہی سلطان بلبن غصہ سے بیتاب ہوگیا، ضبط نہ کر سکا تو محل سرا میں چلا گیا۔ اراکین سلطنت سلطان کی برہمی مزاج سے سخت خائف تھے۔ کچھ دیر کے بعد چند خاص اراکین کو سلطان نے باریابی کا موقع دیا اسوقت فرمایا کہ مجھے اس بات سے سخت صدمہ پہونچا کہ تم لوگ بخوبی واقف ہو کہ میں حکومت کے کسی کام پر کسی کم اصل، سفلہ یا رذیل شخص کو ہرگز مقرر نہیں کرتا اسپر بھی تم نے ایسے شخص کو امروہہ کی خواجگی کے لئے تجویز کیا۔ آئندہ اس بارے میں سخت احتیاط اور تاکید جانو۔ اور فرمایا کہ:۔

"من نتوانم کہ لئیم وکم اصل و ناکس زادہ را در صد معولتے کہ از خدا یافتہ ام شریک کنم۔ دخل واقطاع و تصرف دہم اگر بعد ازیں در عرض دادن اشغال واقطاع وخواجگی و شرفی و مدبری بہ لئیمے و بد اصلے و رذیلہ زادہ را اگر ہزار نوع ہنرمند باشد این کار داماں (ودیگر) پیش من ذکر کنند من با ایشاں آنحکم کنم کہ عبرت جہانیاں گردد" (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲)

دیوان میں اس فیاض امیر کی مدح میں متعدد مدایح و قصائد ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

شاہ عہد اختیار دولت و دیں ۔۔۔ آفتاب شرف یگانۂ زمیں

ہم علی نام ہم بہ شیر دلی ۔۔۔ شیر دُلدُل سوار ہمچو علیؑ

عالمی چوں عناں بجنبانی ۔۔۔ لب بر تازیانہ بستانی

صاحب تاریخ فیروز شاہی اس امیر کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:۔

"چہ مولا زادہ کریم و نفیس و غریب و عجیب بود کہ او را شاہ عہد گویند و حاتم خان"

"خوانند و بخشش و اعطاء ملک امیر علی سرجاندار بہ ہزار ہا بودے چنانکہ امیر خسرو"

"در مدح او گفتہ:۔

"بحر گفتم مانی بدست خان زکرم ۔ رواں بلرزہ در آمد کہ ایں محل نہ مراست"

"گہ سخا دُر و یاقوت ما یہ کف او ست ۔ گہ عطا خس و خاشاک ما یہ کف ماست" [1]

ملک عزّ الدین غوری حاکم امروہہ | عہد بلبنی میں کچھ عرصہ تک "خواجگی امروہہ" پر ملک عزّ الدین غوری مامور رہا۔ غالباً "چاہ غوری" جسے عوام "گوری کنواں" کہتے ہیں[2]، اسی نامور حاکم سے منسوب ہے۔ سلطان معزّ الدین کیقباد کے عہد سلطنت میں ملک موصوف بادشاہ کے مقربان خاص اور نامور ارکین میں شامل تھا[3]۔

ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ | سلطان معزّ الدین کیقباد کے عہد میں امروہہ کا حاکم ملک عنبر سلطانی تھا۔ یہ شخص بہت بارسوخ اور منتظم تھا۔ امروہہ کی قدیم جامع مسجد

(بقیہ صفحہ ۱۹) [1] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۳۶] [3] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ صفحہ ...

[2] مؤلف تاریخ اصغری نے "چاہ غوری" کو محلہ شفاعت پوتہ کی ایک سیدانی مسماۃ گوری کا حفرہ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محلہ شفاعت پوتہ کی آبادی سے بہت پہلے سے اس کنویں کا نام "چاہ غوری" کہنہ دستاویزات میں بغرض اظہار حدود

خواجہ مسعود کی مسجد کے نام سے موسوم ہو، اسی نے ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اسی کے ساتھ مدرسہ معزیہ بھی قائم کیا تھا۔ مدرسہ اور دارالاقامہ کی عمارتیں بھی اس مقام پر تھیں جہاں اب مسکونہ مکانات ہیں۔[۱] اسی کے متصل خانقاہ بھی تھی، علوم ظاہری و باطنی کے طالب آتے اور فیض پاتے تھے

مدارس درو بے حد و خانقاہ ٭ برائے مسافر کہ آید ز راہ

ملک چھجو سے نواح امروہہ میں جنگ

ملک چھجو سلطان غیاث الدین بلبن کا برادرزادہ تھا، سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اسے اقطاع کڑہ کا حاکم بنایا تھا۔ ملک چھجو نے سلطان سے بغاوت اختیار کی، امیر علی حاتم خان سے، جو علاقہ امروہہ کا جاگیردار تھا، ملک چھجو کے مراسم اتحاد و یگانگت تھے۔ اسلئے وہ بادشاہی فوج سے مقابلے کے لئے امروہہ آیا۔ ارکلی خان کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ملک چھجو کو شکست ہوئی، وہ دریائے رام گنگا پار اتر کے بھاگا لیکن مواسی مقدم نے گرفتار کرکے ارکلی خان کے حوالے کیا۔ سلطان نے قصور معاف کرکے ملتان کا حاکم بنا دیا۔[۱]

تقریباً چوبیس برس تک اس نواح میں امن و امان رہا، کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہوا۔ ۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء میں باغیوں اور مفسدوں نے پھر سر اٹھایا جسکو حکومت کے زبردست ہاتھ نے پھر اسی سختی سے کچل دیا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی بہت حلیم و کریم انصاف پرور اور نیک نہاد بادشاہ گذرا ہے اسکے عہد سلطنت میں رعایا بہت شاد و آباد رہی۔ سلطان جلال الدین کے بعد سلطان علاء الدین اپنے چچا و خسر اور ولی نعمت کو دھوکے سے قتل کرکے تخت و تاج کا مالک بنا۔ علاء الدین بڑا زبردست لیکن درشت مزاج بادشاہ تھا۔ پدماوت کے قصوں میں آج تک اسکا نام زبان زد خاص و عام ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰) قطعات آراضی ملتا ہے نیز اس کی طرز تعمیر بھی بہ لحاظ قدامت عہد مغلیہ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے [۲] تاریخ مبارک شاہی و فیروز شاہی۔ [۱] منتخب التواریخ و کنز التاریخ۔

علاءالدین خلجی کی سخت گیری کا اثر

اس بادشاہ کے عہد میں ملک کے مختلف حصوں میں متعدد بغاوتیں ہوئیں جن کو بڑی سختی کے ساتھ فرو کیا گیا۔ ان بغاوتوں کے وجوہ و اسباب بادشاہ کے مشیروں نے یہ بتلائی تھے۔

(۱) لوگوں کے معاملات سے بادشاہ کا بے خبر و لاعلم ہونا۔ (۲) شراب خوری کا رواج عام (۳) امراء و ملوک کی آپس میں محبت و قرابتیں۔ (۴) مال و زر کی رعایا میں بہتات۔

لوگوں کے حالات کے تجسس کے لئے جاسوس مقرر کئے، شراب کی فروخت بحکم موقوف کردی، امراء و ملوک کو ایک دوسرے سے میل و ملاقات کی ممانعت کی لیکن اس جابر اور سخت گیر بادشاہ کی سخت گیری کا جو اثر امروہہ و نواح امروہہ کی عام رعایا پر پڑا وہ اخذ اموال اور کشید ذر کی جابرانہ پالیسی کا نتیجہ تھا۔ اس زمانہ کا مصنف ضیا برنی لکھتا ہے کہ ولایت میان دوآب اور امروہہ و افغان پور اور تمام ملک کٹھیر سے طلب خراج کی اس سخت گیری کا یہ نتیجہ ہوا کہ :۔

"وایں کارجہاں مستقیم کرد کہ تمرد و عصیان و اسپ سوار شدن و سلاح بروست گرفتن"

"وجامۂ خوب پوشیدن و تنبول خوردن از چودھریاں و خوطان و مقدمان بکلی برفت"

"و در ستدن خراج ہر یکے را یک حکم شد و کار اطاعت بجائے رسید کہ یک سرہنگ دیوانی"

"قصبات بست خوط و مقدم و چودھری را رشتہ در گردن کردہ از برائے مطالبۂ خراج"

"ازلت و چوب میزد و ہندو را سر بالا کردن ممکن نبودہ و در خانۂ ہندواں نقش زر و نقرہ"

"و تنکہ و جتیل و اسباب زیادتی کہ ربیاندہ و عصیان است نماندہ بود و از بے برگی زنان"

"خوطہ و مقدماں در خانہائے مسلماناں می آمدند و کار می کردند و مزد وری می یافتند[۱]"

غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط

سلطان علاءالدین کے عہد حکومت میں مغلوں نے ہندوستان پر متواتر حملے کئے، بادشاہ کو ان کے مقابلہ میں جنگی ساز و سامان کو

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۸۔

درست اور مستحکم حالت میں رکھنا اور لشکر و سپاہ کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری تھا جسکے متعلق اُسکے وزیروں اور مشیروں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ تاوقتیکہ گھوڑے اور اسلحہ اور سپاہی کی تمام ضروریات اور لشکریوں اور اُن کے اہل و عیال کے اسباب معاش انتہائی ارزانی پر نہ آجاویں اُسوقت تک لشکر کی تعداد اور فوج کی حالت بادشاہ کی آرزو و خواہش کے مطابق نہ درست ہو سکتی ہے اور نہ مستقل رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے پسنے پانچ لاکھ سوار رکھنے کا انتظام کیا اور اس غرض سے گھوڑے، غلّہ اور کپڑے وغیرہ کی ارزانی کے لئے چند ضابطے مقرر ہوئے جن کو موّرخین نے آٹھ حصّوں میں منقسم کیا ہے، از انجملہ غلّہ کی شرح کا بادشاہ کے دربار سے مقرّر ہونا، سرکاری کھتیوں میں غلّہ کا اکٹھا کرنا، ہر منڈی میں شحنہ اور "معتبران" کا مقرّر ہونا، ملک بھر کے تاجروں کی اسم نویسی اور اُنکا شحنہ منڈی کے زیر نگرانی رہنا، اور ہر منڈی کی حالت کی دربار میں اطلاع ہونا وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ سوئی سے لیکر گھوڑے تک کی قیمت کا نرخ بادشاہ نے خود مقرر کیا۔ خالصہ کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا، وہ غلّہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گودام سے اسی نرخ پر بیچتا تھا ان ضوابط میں سے صرف ضابطۂ پنجم کو ذیل میں نقل کرتا ہوں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس ضابطہ کا اس خطہ ملک کے باشندگان پر، جس میں شہر امروہہ واقع ہے، کیا اثر پڑا ہوگا:-

"ضابطۂ پنجم۔ خراج میان دوآب ولایت صدکروہی بہنجے کنند کہ رعایا نتوانند کہ دو من غلہ ذخیرہ کنند و چناں بشدّت بطلبند کہ رعیت غلّہ بر سر کشت بدستگاروانیان نرخ فروشند[1]۔

پانچواں ضابطہ۔ ملک دوآبہ اور دوسرے صوبہ سے مالگذاری اس طریقہ پر وصول کیجائے کہ رعایا میں سے کوئی اپنے یہاں دو من غلّہ اکٹھا نہ کر سکے اور مالگذاری کے وصول کرنے میں اتنی سختی کیجائے کہ رعایا فصل کے وقت غلّہ بنجاروں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو۔

شرح اجناس کا موازنہ

غالباً یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چھ سو برس پہلے جو شرح اجناس سلطان علاءالدین خلجی نے ارزانی غلہ کے لئے مقرر کی تھی وہ کیا تھی؟

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۰۵۔

ذیل میں وہ نرخ نامہ ایک نقشہ کی شکل میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج کیا جاتا ہے۔
اس شرح نرخ کے متعلق اُس زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ امر عجائب روزگار میں سے ہے کہ نرخ
مذکور نزول باراں و امساک باراں دونوں حالتوں میں سلطان علاء الدین کے زمانہ تک بدستور
قایم رہا۔ مزید واقفیت کے لئے نرخ اجناس بعہد اکبری و قیمت سکہ حال بطور موازنہ درج ہے۔
اگرچہ عہد ماضیہ میں سکہ کی کمیابی اور زمانہ حال میں اسکی بہتات و فراوانی کا لحاظ کرتے ہوئے
ان تینوں زمانوں کی مروجہ قیمت کا صحیح موازنہ کرنا دشواری سے خالی نہیں تاہم ایک سرسری
اندازہ اس امر کا ضرور ہو سکتا ہے کہ اب سے چھ سو برس پیشتر انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی و
مایحتاج حاصل کرنے کے لئے آجکل کی سی جد و جہد کی مطلق ضرورت نہ تھی اور نہ موجودہ
کشمکش حیات کا کوئی تلخ اثر اس زمانہ کے لوگوں کی زندگی کو بدمزہ کئے ہوئے تھا:-

موازنہ نرخ اجناس

	شرح اجناس بزمانہ علاء الدین خلجی سنہ ۶۹۵-۱۵ھ			شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ	
نام جنس	وزن	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	مطابق قیمت سکہ حال
حنطہ (گندم)	دو من	½ ۷ جیتل	½ ۱ پیسہ	۱۲ دام	۲ ر ۸ پائی
جو	"	۴ "	⅔ پیسہ	۸ دام	۳ ر ۳ پائی
شالی (چاول)	"	۵ "	۱ پیسہ قدرے کم	۱۰۰ دام	دو روپیہ آٹھ آنہ
ماش	"	۵ "	۱ "	۱۶ دام	۶ ر ۵ پائی
نخود	"	۵ "	۱ پیسہ	۸ دام	۳ ر ۳ پائی
موٹھ	"	۴ "	½ پیسہ	۱۲ دام	۴ ر ۱ پائی
نبات	ایک سیر	دو و نیم جیتل	½ پیسہ قدرے زاید	۶ دام	۲ ر ۵ پائی

سلہ اکبری من زمانہ حال کے ۲۶. سیر کی برابر تھا ——— اور سلطان علاء الدین کے زمانہ میں تقریباً ۱۴ سیر

شرح اجناس بزمانہ علاء الدین خلجی ۶۹۵–۱۵ھ				شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر ۹۶۳–۱۰۱۴ھ	
نام جنس	در	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	قیمت سکہ حال
شکر سرخ	۲ سیر	یک نیم جیتل	½ پیسہ		
شکر تری	یک سیر	یک نیم جیتل	½ پیسہ		
روغن کنجد	۳ سیر	یک جیتل	½ پیسہ	۸۰ دام	ع
مادہ گاؤ گوشتی	یک راس	۲ تنکہ	۱۲ آنہ		
" شیر آور	"	۴ "	۱۲		
گاؤمیش گوشتی	"	۵ "	۱۴		
" شیر آور	"	۱۰ "	۱۸		
(چربی) روغن ستور	½	یک جیتل	½ پیسہ		
نمک	پنجمن دہ دہ	۵ جیتل	از قدر کم پیسہ		

غلہ و اشیاء خوردنی کی طرح ضروریات زندگی کی اور چیزیں بھی یقیناً سستی ہونگی۔ ضیاء برنی نے اپنی کتاب میں کپڑے کی مختلف اقسام کے نرخ جو اُس زمانہ میں رائج تھے درج کئے ہیں۔ اسلحہ و گھوڑے و دیگر ضروریات کی قیمتیں لکھی ہیں۔

ارزانی نرخ کے متعلق اس تمام جدوجہد کا جس میں جبر اور انتہائی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ سلطان کے حشم و خدم اور فوج و لشکر کی تعداد بڑھ گئی اور حالت سدھر گئی جسکی بدولت مغلوں کو پے درپے شکستیں دی جا سکیں:۔

"وبہ ارزانی اسباب و استقامت حشم شہر باب	چیزوں کی ارزانی اور بادشاہ کے لشکر کی عمدگی کی وجہ سے جب کبھی
"کہ مغل قصد دہلی و ولایت دہلی بکرد و منہزم گشت[1]	مغل دہلی اور ممالک دہلی پر حملہ آور ہوئے شکست کھائے

[1] تاریخ فیروز شاہی۔

ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری مغلوں کا ٹڈی دل تمام دنیا کے فتح کرنے کے قصد سے منگولیا کے پہاڑوں سے امڈا۔ ایک طرف تو خوارزم، بخارا، ترکستان، ایران وغیرہ ممالک اسلامی کو روندتا ہوا عراق عرب تک پہونچا اور خلافت و سلطنت اسلامی کا خاتمہ کر دیا۔ دوسری طرف یہ سیلاب ہندوستان کی جانب بڑھا۔ اور ہندوستان کے سرحدی مقامات سے بار بار ٹکرایا۔ اس زمانہ میں مغلوں کی قوم دین اسلام سے ناآشنا اور کفر و شرک کی ضلالت میں گرفتار تھی۔ جس سفاکی اور بربریت کی کارروائیاں ان بے دینوں کے ہاتھوں اسلامی ممالک میں ہوئیں اسکے دردناک حالات سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ طوفان نوحؑ کے بعد جو بلائے عظیم انسانوں پر نازل ہوئی وہ یہ چنگیز خانی طوفان تھا۔ انکا مذہب تو معلوم نہیں مگر ایمان یہ تھا جہاں جائیں وہاں نسل انسانی مٹائیں۔ ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء میں جلال الدین بادشاہ خوارزم اپنی جان بچانے کے لئے خوارزم سے بھاگ کر دریائے سندھ کے اسطرف چلا آیا، اسکے پیچھے مغلوں کی فوج بھی ملتان و سندھ میں داخل ہوئی۔ یہ زمانہ سلطان التمش کا تھا وہ بھی بہت سا لشکر لیکر پہنچا لیکن جلال الدین نے یہاں قیام کا موقع نہ دیکھا کچ و مکران کی جانب چلا گیا اسلئے مغلوں کی فوج بھی الٹی پھر گئی مگر چلتے چلتے دس ہزار ہندیوں کو لونڈی غلام بنا کر لے چلی لیکن رسد کی تنگی کے باعث راستہ ہی میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسکے بعد تقریباً بیس سال تک مغلوں نے ادھر توجہ نہ کی سلطان التمش کے بیٹے معز الدین بہرام شاہ کے وقت میں لاہور پر چنگیز خانی مغلوں نے ۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء میں پھر حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا۔ ابتدائی عہد مغلی میں یہ بلا ہندوستان پر منڈلا رہی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن سے جب وزراء و مشیران سلطنت عرض کرتے کہ شاہان سابق کی طرح ہندوستان کے مختلف اقطاعات پر فوجکشی کیجئے تو وہ ان مغلوں کے ارادوں کا ذکر کرتا اور کہتا :۔

"آنچہ در کار جہانگیری شما می گوئید در دل من بیش ازاں است فاما شما می شنوید کہ تمامے مغل چنگیز خانی برزن و بچہ و گلہ و رمہ در نواگوش مملکت من نشستہ است و در غزنی و ترمذ و ماوراء النہر ساکن شدہ و ہلاکو نبیرۂ چنگیز خان با چندیں تمن مغل عراق را فرو گرفتہ است و در بغداد تمکن گشتہ و آں ملاعین بسیار مال و منال ہندوستان شنیدہ اند و نہب و تاراج ہندوستان در دل دارند۔ لاہور کہ سرحد مملکت ما ست زدہ اند و خراب کردہ و سالے نمی گذارند کہ ایشاں در مملکت ما نمی آیند و تلوندیہا را نہب می کنند۔"[1]

خلاصہ یہ کہ عہد بلبنی میں مغلوں نے ملتان و سندھ کی جانب سے متعدد بار حملے کئے۔ اوّل اوّل تو شیر خان[2] حاکم پنجاب اس سیلاب کو اپنی پامردی سے روکتا رہا۔ اسکے انتقال پر سلطان بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان[3] کو، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، قاآن الملک کا خطاب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۸۰۔

[2] شیر خان سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی تھا شجاعت و جوانمردی میں مشہور آفاق۔ سلطان التمش کے مرنے کے تیس سال بعد تک صرف اسی کی شخصیت تھی کہ سرحد ہند پر مغلوں کے حملوں کی سپر بنکر رہا۔ اسنے جاٹوں، گکھڑوں، بھٹیوں، پنجاب کی اور دوسری سرکش قوموں کو مار دھاڑ کر کے قابو میں رکھا تھا۔ بھٹنیر میں عالیشان گنبد اور بھٹنڈے کا حصار اسی کے تعمیر کرائے ہوئے تھے۔

[3] محمد سلطان خان نام، قاآن الملک لقب۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا فرزند اکبر، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، بذات خود بڑا صاحب کمال تھا۔ اسکے یہاں بہت سے علما و فضلا، جو اس زمانہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، جمع تھے۔ حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن پانچ سال تک اسی شہزادہ کے نوکر رہے، وہ انکی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حضرت امیر خسرو کا قول ہے کہ "بجودت طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت معنی اشعار متقدمین و متاخرین ہمچو محمد سلطان کسے را کم دیدہ ام۔" اسی لیاقت و قابلیت کی بنا پر اسنے بیس ہزار منتخب اشعار کی ایک بیاض مرتب کی تھی، شعرائے زمانہ اسکی نقل حاصل کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اسی شہزادہ نے حضرت شیخ سعدیؒ کو بھی سفر

دیگر پنجاب و ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن مغلوں کی ایک لڑائی میں یہ شہزادہ شہید ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تھے۔

"در شہور اربع و ثمانین و ستمایۃ (۶۸۴) خان ملتان را
کہ پسر بزرگ سلطان بلبن و لیعہد او و پشت پناہ
ملک او بود درمیان لوہور و دیبالپور بتاتر ملعون
کہ سگے سگ از سگان چنگیز خانی بود محاربہ و
مقابلہ افتاد و از قضا و قدر باری تعالیٰ خان ملتان با
با امرا و سران و معتبران لشکر دراں محاربہ شہید شد۔"

۶۸۴ھ (۱۲۸۵ء) میں خان ملتان کو، جو سلطان بلبن کا بڑا بیٹا، ولیعہد اور اسکے ملک و سلطنت کا پشت پناہ تھا، لاہور اور دیبالپور کے درمیان تاتر ملعون سے، جو چنگیز خانی کتوں میں بڑا کتا تھا، معرکہ قتال و جدال پیش آیا۔ خدا تعالیٰ کی مرضی کہ خان ملتان امرا اور لشکر کے سرداروں کے ساتھ اس جنگ میں شہید ہوگیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۷) خرچ بھیجکر بلایا تھا مگر انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کا عذر کیا اور ایک کتاب اپنے اشعار کی تحفتاً بھیجی اور حضرت امیر خسرو کی سفارش کی اور انکے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی۔ خان شہید درویشوں کا بڑا خدمتگذار تھا اور ایسا مہذب و مؤدب کہ عمر بھر کبھی زبان سے کسیکو برا لفظ نہ کہا۔ ارغون خان بن اباق خان بن ہلاکو خان نے تیمور خان حاکم غزنی کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا جب اسنے دیبالپور اور لاہور کے درمیان بیس ہزار سوار لیکر تاخت و تاراج شروع کی اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا تو خان شہید دن چڑھے اسکے مقابلہ کو ملتان سے باہر نکلا اور دوپہر کو دریا کے کنارے ظہر کی نماز کے وقت پہنچا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مغلوں کے کئی نامی سردار قتل ہوئے تیمور بھاگ گیا امرا ہند نے برخلاف حزم و احتیاط اسکا تعاقب کیا۔ خان شہید اجل رسیدہ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی وہ ایک تالاب پر پہونچکر پانسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل سردار نے جو دو ہزار سوار لیکے ساتھ کمین میں بیٹھا تھا یکا یک حملہ کردیا۔ شہزادہ اور اسکے ساتھیوں نے بھی خوب مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی متعدد حملے کرکے مغلوں کو پسپا کیا اور قریب تھا کہ مظفر و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر شہزادہ کے آ کر لگا کہ وہ پیغام اجل تھا۔ شہزادہ کی شہادت اس زمانہ میں ایک ایسا حادثہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ حضرت امیر خسرو نے خان شہید کا بڑا دردناک مرثیہ کہا جسکے چند شعر یہ ہیں ؎

واقعہ ہست یا بلا از آسماں آمد پدید   آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید

۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء میں بعہد سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی مغلوں نے پھر اسی طرف سے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ اس مرتبہ معاملہ صلح پر ختم ہوا اور کچھ مغلوں نے دین اسلام قبول کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی۔

"و الغو نبیرۂ چنگیز خان لعین با چند امیر زادہ و امیر صدو مغل بسلطان پیوست و آں مخلاں ہر ہمہ کلمہ گفتند و مسلمان شدند و سلطان الغو را بہ دامادی مشرف گردانید۔[۱]	اور الغو چنگیز خان کا پوتا مغلوں کے چند ہزاری اور صدی امیروں کے ساتھ سلطان سے آملا۔ ان مغلوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور سلطان نے الغو کو اپنی دامادی کا بھی شرف بخشا۔

اسکے بعد مغلوں کے حملے ہوتے رہے لیکن یہ سب حملے ہندوستان کے شمال و مغربی سرحد کی جانب ہوتے تھے۔ ۷۰۳ھ / ۱۳۰۴ء میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی مغلوں نے بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی لیکن اس مرتبہ بجائے شمال و مغرب کی جانب سے حملہ آور ہونے کے کوہ سوالک کی تلیٹھی میں ہو کر ولایت امروہہ پر حملہ آور ہوئے۔

"علی بیگ و ترتاک کہ سران لشکر مغل بودند و نام گرفتہ و علی بیگ را از فرزندان چنگیز خان ملعون می گفتند با سی و چہل ہزار سوار مغل کنارہ کوہ گرفتہ در ولایت امروہہ در آمدند[۲]	علی بیگ اور ترتاک جو مغلوں کے لشکر کے نامور سردار تھے اور علی بیگ کو لوگ چنگیز خان کی اولاد میں بتاتے تھے وہ تیس یا چالیس ہزار مغل سواروں کے ساتھ پہاڑوں کی تلیٹھی میں ہو کر ولایت امروہہ میں داخل ہو گئے۔

یہ لوگ دامن کوہ سوالک سے ہوتے ہوئے ضلع بجنور کی جنوبی سمت سے امروہہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ امروہہ اور علاقہ امروہہ کو بھی خوب لوٹا کھسوٹا و تباہ و برباد کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۸)

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را	رخنہ کامسال در ہندوستاں آمد پدید
مجلس یاراں پریشاں شد چو برگ گل بباد	برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

[۳] تاریخ فیروز شاہی تا صفحہ ۲۹) [۱] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۱۹۔ [۲] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۰۔

فارسی	اردو
"و در کندن و سوختن و کشتن و بند کردن و فسق و فجور دقیقہ فرد نگذاشتند"۔ [1]	لوٹ کھسوٹ، قتل و غارتگری اور فسق و فجور میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

بادشاہ نے مغلوں کے حملہ کی خبر پاتے ہی ملک کافور یعنی (ملک نائب) اور غازی ملک تغلق کو بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور ہدایت کی کہ نہایت عجلت کے ساتھ امروہہ پہونچیں اور ایک مغل کو بھی زندہ نہ چھوڑیں چنانچہ حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بڑا سخت رن پڑا۔

فارسی	اردو
"سلطان علاء الدین ملک نائب باربک را با لشکر اسلام نامزد لشکر مغل کرد ہم در آں حدود امروہہ ہر دو لشکر را محاربہ رو داد و باریتعالیٰ لشکر اسلام را ظفر بخشید"۔ [2]	سلطان علاء الدین نے ملک نائب باربک کو لشکر اسلام کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ جنگ میں خدا تعالےٰ نے لشکر اسلام کو فتحیاب کیا۔

یہ لڑائی رہب ندی (یعنی دریائے رام گنگا) کے کنارے ہوئی تھی۔ طرفین سے نبرد آزما دل کھول کر لڑے مگر نتیجہ مغلوں کے خلاف ہوا۔ انکے دونوں سردار زندہ گرفتار ہوئے اور ہزاروں اس معرکہ میں کام آئے اور جو گرفتار ہوئے وہ اپنے دونوں سرداروں کے ساتھ دہلی بھیجے گئے۔ اس لڑائی میں بہت کچھ مال غنیمت شاہی لشکر کے ہاتھ آیا صرف گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔

شاہی لشکر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ جب دہلی پہنچا بادشاہ نے شہر سے باہر آکر چبوترۂ سلطانی پر دربار عام کیا اور اس مقام سے اندرپت (دہلی قدیم) تک دو رویہ لشکر کھڑا کیا گیا تھا اور اس روز ازدحام خلق اتنا تھا کہ پانی کا ایک کوزہ بیس جیتل یا نصف تنکہ میں بھی نہیں ملتا تھا۔ دونوں مغل سرداروں کو ہاتھی کے پیروں سے کچلوایا گیا اور قیدی مغل گردن مارے گئے

---

[1] از تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۴ - نول کشور۔

[2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۰۔

اور آٹھ ہزار مغلوں کے سر نیزوں پر آویزاں کر کے شہر میں گشت کرائے گئے بروایت صاحب تاریخ وصاف مقتولین کے سروں کا شمار ساٹھ ہزار تک پہنچا تھا، اس جنگ کے بعد پھر کبھی مغلوں کو امروہہ پر فوجکشی کی جرأت نہیں ہوئی۔

مغلوں کے سر قلعہ کے دروازہ پر عبرت کے لئے لٹکائے گئے تھے۔ ایک شاعر نے اس زمانہ میں ایک کتبہ لکھکر مغلوں کے سروں کے برابر دروازہ قلعہ پر آویزاں کیا تھا وہ رباعی یہ ہے:-

اے حصن کہ تائید خدا یار تو باد　　فتح و ظفر شاہ علمدار تو باد
از تو ملک زمانہ معمار تو باد　　طرغی چو علا بیگ گرفتار تو باد

امروہہ میں شاہی فوج کی چھاؤنی

مغلوں کے حملہ کے خوف سے امروہہ میں فوجی چھاؤنی قایم کیگئی اور کافی تعداد میں لشکر یہاں رکھا گیا۔ سلطان علاء الدین خلجی کے ندیمان اور مقربان خاص میں سے ملک ہزبر الدین ظفر خان، جو شجاعت اور دلاوری میں اپنا ثانی و نظیر نہ رکھتا تھا اور جسکا نام ہی مغلوں کے لئے خوف و ہراس کا باعث تھا اسکی فوج کا بڑا حصہ یہاں متعین تھا۔ خود یہ نامور امیر بھی کچھ مدت تک امروہہ میں مقیم رہا۔ اسکے عمال و کارکن یہاں رہتے تھے۔ سلطان علاء الدین کے عہد میں جب حاجی مولا نے بغاوت کی اور ملک حمید الدین امیر کوہ نے باغیوں کا مقابلہ کیا تو ظفر خان کے آدمیوں نے جو امروہہ سے اس زمانہ میں (۶۹۹ھ ۱۳۰۰ع) دہلی گئے ہوئے تھے بغاوت فرو کرنے میں ملک موصوف کی امداد و اعانت کی[1]

"وچندے یاران ظفر خان کہ بجہت عرض گذاشتن از امروہہ در شہر دہلی آمدہ بودند با ملک امیر کوہ و پسران او یار شدند"	اور ظفر خان کے کچھ آدمی جو عرضداشت پیش کرنے کی غرض سے امروہہ سے دار الخلافہ دہلی میں آئے ہوئے تھے ملک امیر کوہ اور اس کے بیٹوں کی مدد پر مستعد ہو گئے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۱۔

اس زمانہ میں امروہہ کا علاقہ نیز قرب و جوار کے علاقہ جات تمام تر خالصہ[1] تھے اور شاہی لشکر کے مصارف میں اسکی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

"کول و برن و میرٹھ و امروہہ و افغانپور و کابیر و تمامی ولایات میان دوآب در طاعت حکم یکدہ گرفت و در خالصہ در آوردند و در وجہ حشم نہادند"[2]

کول (علیگڈھ)، برن (بلند شہر) میرٹھ، امروہہ، افغانپور و کابیر دوآبہ کے ان تمام علاقوں کو ایک حیثیت میں لاکر خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور انکی آمدنی فوج کے اخراجات کیلئے مخصوص کردی گئی"

شہزادہ خضر خان کا امروہہ میں قیام

سلطان علاء الدین خلجی کا بڑا بیٹا شہزادہ خضر خان[3] جو ولیعہد سلطنت بھی تھا کچھ عرصہ بحکم شاہی امروہہ میں مقیم رہا۔

---

[1] خالصہ کے لغوی معنی خالص اور ایسی چیز کے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہو۔ اصطلاح میں ایسی زمین اور ملک کو کہتے ہیں جو شاہی مصارف کیلئے مخصوص ہو اور کسی دوسرے کی جاگیر میں شامل نہ ہو۔ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۴۔ [3] شہزادہ خضر خان پسر سلطان علاء الدین خلجی ملکہ جہان کے بطن سے تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اس شاہزادہ اور راجہ کرن والی گجرات کی بیٹی دیولدی کے عشق و محبت کی تاریخی داستان اپنی مشہور مثنوی "دولرانی خضر خان" میں، جسکا دوسرا نام عشقیہ بھی ہے، بیان کی ہے۔ خضر خان کی پہلی شادی اپنے ماموں الپ خان کی لڑکی سے ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح دولرانی کے ساتھ ۷۱۳ھ/۱۳۱۳ء میں ہوا۔ راجکماری دیولدی کے حرم سرائے شاہی میں آنے کی داستان دلچسپ ہے جو مختصراً یہاں درج کیجاتی ہے۔ ۶۹۷ھ/۱۲۹۷ء کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ ملقب بہ "الغ خان"، جو سلطان علاء الدین خلجی کا بھائی تھا، اور نصرت خان جالیسری، جو منصب وزارت پر ممتاز تھا، مہم گجرات پر مامور ہوئے اور ایک لشکر جرار لیکر راجہ کرن والی گجرات پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ شاہی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ فرار ہوگیا۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے ساتھ راجہ کرن کی رانی کنولادیوی اور دوسری عورتیں بھی اسیر ہوکر دہلی آئیں۔ کنولادیوی حرم شاہی میں داخل کیگئی اور بوجہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان علاء الدین کے دل میں بہت جلد اسنے قدر و منزلت پیدا کرلی۔ ایک دن سلطان کو خوش پاکر اسنے یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو گجرات میں چھوٹ گئی تھیں ان میں سے ایک تو خدام شاہی پر تصدق ہوچکی ہے مگر دوسری زندہ ہے، خون کے تعلق سے دل

مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین بیمار پڑا، خضر خان اور اسکی والدہ ملکہ جہاں اور بیچے ماہجل الپ خان کی جانب سے ملک کافور نے جو عرصے سے حصول سلطنت کا خیال دماغ میں پکا رہا تھا، جھوٹے سچے قصے ملاکر بادشاہ کو بدظن کردیا سالپ خان تو فوراً قتل کردیا گیا لیکن خضر خان کو نسبتاً کم سزا دیگئی۔ چتر و دورباش، جو ولیعہدی کی علامتیں تھیں، اس سے واپس لے لی گئیں، اور اسے امروہہ رہنے کا حکم ہوا، نیز یہ کہ بلا طلب دہلی نہ آئے۔ خضر خان جب میرٹھ کے علاقہ سے آگے بڑھا تو یہ شاہی عتاب نامہ ملک حسام الدین کے ذریعہ اسکو پہنچا، جسکی فوراً تعمیل کیگئی، اور چتر و دورباش، ملک حسام الدین کو سپرد کرکے خود امروہہ چلا گیا۔ امروہہ پہنچکر اپنی بیگناہی اور شاہی عتاب پر سخت رنج والم میں مبتلا رہا۔ کچھ دن تو سیر و شکار میں دل بہلاتا رہا

(بقیہ صفحہ ۳۲) بے اختیار سینہ میں تڑپ رہا ہے اگر حضور کی توجہ ہوجائے تو میرا مطلب حاصل ہوسکتا ہے۔ چونکہ سلطان خضر خان کے لئے پہلے ہی سے کسی عمدہ موقع کا متلاشی تھا اسلئے رانی کنولا دیوی کی یہ درخواست اسکو پسند آئی۔ رائے کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا، اسنے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز فراہم کرکے دیولدی کو دہلی روانہ کردے لیکن ادہر سلطان کی رائے تبدیل ہوگئی اور گجرات کو ممالک محروسہ میں شامل کرلینے کا فیصلہ قرار پایا۔ الف خان اور دیگر سرداران لشکر اس مہم پر مامور ہوئے۔ جب یہ لشکر گجرات پہنچا تو رائے کو سوائے گریز کے کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی فوراً دیوگیر کیطرف گھوڑے کی باگ پھیردی۔ جب سنکھن دیو کو معلوم ہوا کہ رائے کرن اس علاقہ میں آیا ہے اور مدد کا خواستگار ہے تو اسنے اپنے بھائی بھیلم دیو کو دیولدی کیلئے پیغام دیکر بھیجا جو مجبوراً منظور کرنا پڑا اور تمام شرائط طے پاکر دیولدی رخصت کردیگئی۔ دیولدی چند آدمیوں کی حفاظت میں دیوگیر کیطرف جارہی تھی ابھی چند میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اچانک شاہی فوج کے ہراول سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ طرفین سے تیراندازی ہونے لگی۔ اتفاقاً ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے لگا جو فوراً گر پڑا۔ چنانچہ دیولدی اسطرح اسیر ہوکر ایک جرار فوج کے ساتھ دہلی کو روانہ کیگئی اور محلسرا میں داخل ہوئی۔ یہ واقعہ ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء کا ہے۔ محلسرا میں خضر خان اور دیولدی کے ایک جگہ رہنے سہنے سے حضرت عشق کو اپنی نادک فگنی کا موقع ملا۔ بالآخر ۷۱۱ھ میں عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچے لیکن نتیجہ جو دردناک انجام ہوا اسکے ذکر سے قلم کا سینہ چاک ہے۔

پھر یہ سوچا کہ میں بالکل بقصور ہوں مجھے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو جانا چاہئے، یہ سوچکر امروہہ سے بلا طلب دہلی کو روانہ ہوگیا۔ حضرت امیر خسرو نے مثنوی دولرانی میں خضر خان کے امروہہ آنے کا حال تحریر کیا ہے۔ بادشاہ نے جو عتاب نامہ بصورت فرمان بھیجا تھا اس میں خضر خان کے ماموں اور خسر الپ خان کے قتل سے جو صدمہ اسے پہنچا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :- [1]

دلت دائم کہ بشکست از پے خال	شکار و گشت بہ باشد دریں حال
ز آب گنگ تا دامان کہسار	نہ بینی خاستہ یک سوزن خار
بر آنگونہ است صحراہائے نخچیر	کہ دہ آہو تواں کشتن بیک تیر
باقطاع تو کردیم آں زمیں خاص	کہ باشد رہ بر خنگ تو رقاص
بامروہہ نشیں با لشکر خویش	کہ بر کوہ آزمائی خنجر خویش
رواں کن سوئے حضرت بے کم و کاست	علامتہائے سلطانی کہ آنجاست
ز چتر و دور باش و پیل و رایت	کہ حکم ما براں داوت ولایت
علامتہائے شاہی دادہ شاہ	حسام الدین ملک را کرد ہمراہ
ز آں سو خود بفرمان بادل تنگ	سوئے امروہہ کرد از میرٹھ آہنگ
گذشت از گنگ با خاصاں تنے چند	کلہ را سایہ بر امروہہ افگند
بامروہہ درون غمناک بنشست	چو گل با سینۂ صد چاک بنشست

اس زمانہ میں امروہہ سے جانب شمال کا علاقہ جو اب ضلع بجنور میں شامل ہے لق و دق جنگل و بیابان ہونے کی باعث عمدہ شکارگاہ تھا اس شکارگاہ میں شہزادہ ایام جلاوطنی میں شکار و چوگان بازی سے دل بہلاتا تھا۔ شہزادہ خضر خان حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء [2] کا مرید با اخلاص تھا

---

[1] مثنوی دولرانی صفحہ ۲۳۹۔ [2] سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ساتویں صدی ہجری کے مشہور

بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اسنے یہ منت مانی تھی کہ بادشاہ کو، جو اسوقت بستر علالت پر پڑا تھا، صحت ہوگئی تو زیارت مشائخ کے لئے پا پیادہ دہلی جاؤنگا۔ چنانچہ باپ کی صحت کی خبر پاتے ہی اسنے بلا اجازت معہ لشکر کوچ کردیا اور امروہہ سے دہلی تک پا برہنہ اور پیادہ پا سفر کیا تھا۔ لغنکو اب اسکی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ مظلوم شہزادہ کو اسکے برادر حقیقی شادی خان کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں قید کردیا گیا اور بعد انتقال سلطان علاء الدین ملک نائب نے ان دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور سلطان مرحوم کے تیسرے بیٹے، شہاب الدین نامی کو، جو محض چھ سالہ بچہ تھا، برائے نام تخت پر بٹھا کر آپ حکومت کرنے لگا۔ چندہی روز بعد ملک نائب بھی مارا گیا اور مبارک خان خلجی تخت و تاج کا مالک بنا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نام سے سنہ ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ اپنے پیشرو سے بھی زیادہ عیاش اور بدچلن تھا۔ برواروں کی قوم کے ایک گجراتی نوجوان کو، جسکے حسن و کرشمہ پر یہ بدچلن بادشاہ فریفتہ تھا، خسرو خان خطاب دیکر وکیل مطلق بنادیا، آخرکار سنہ ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء میں خسرو خان نے بڑے مکر و فریب سے بادشاہ کو قتل کردیا اور آپ تخت پر قابض ہوگیا لیکن چند

(بقیہ صفحہ ۳۴) فقیہہ اور صوفی تھے۔ آپکے والد احمد بن دانیال غزنی سے آکر بدایوں میں متوطن ہوئے۔ سنہ ۶۳۴ھ / ۱۲۳۵ء میں آپکی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ پچیس سال کی عمر میں مع والدہ کے دہلی آگئے۔ یہاں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی کی اور شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ شیخ موصوف حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے بھائی تھے۔ انسے باباصاحب کے اوصاف و کمالات سنکر اجودھن پہنچے اور عرصہ تک خدمت میں رہکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو آپ سے سوء ظنی تھی۔ وہ بنگالہ میں تھا جبکہ یہ پیغام بھیجا کہ "یا شیخ آنجا باشد یا من"۔ سلطان جی نے فرمایا۔ "ہنوز دلی دور است"۔ چنانچہ سنہ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے حضرت کا وصال ہوگیا اور بادشاہ بھی افغانپور کے محل میں دبکر مرگیا۔ جو مقبرہ مزار متبرک پر موجود ہے اسے سنہ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء میں سید فرید خان نے تعمیر کرایا تھا۔ (صفحہ ۶۵ تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۴۳)۔

ہی دن بعد وہ بھی ملک غازی کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہونچا۔ غازی ملک نے سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے اسی سنہ میں تخت شاہی پر جلوس کیا اور اب سلطنت خاندان خلجی سے نکل کر تغلقیہ خاندان میں پہنچی۔ اس بادشاہ نے ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء تک سلطنت کی۔ سلطان علاءالدین کی وفات کے بعد سے سلطان غیاث الدین کے زمانہ تک آٹھ نو برس کی مدت میں مختلف بادشاہوں کے عزل و نصب سے جو ابتری ملک میں پھیل گئی اسکا اثر اس حصۂ ملک پر بھی پڑا۔ خاص امروہہ میں لشکر شاہی کی موجودگی سے قرب و جوار میں امن و امان قائم رہا۔

حضرت شاہ ولایت کی تشریف آوری

سید العارفین سید حسن[1] المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفا و اعزا کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ و حقانی وغیرہ بعہد سلطان محمد تغلق امروہہ کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپکی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل، انکے اخلاف اور برادرزادگان نے سلطنت کی شاندار فوجی و ملکی خدمات انجام دیں، شہرت و ناموری حاصل کی، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

اس زمانہ میں علاقہ کٹھیر کے اور حصوں میں کٹھیریہ راجپوتوں نے پھر کافی قوت اور جمعیت پیدا کرلی، سلطان محمد بن تغلق شاہ کے زمانۂ سلطنت (۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء لغایۃ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء) میں بادشاہ کی دور دراز ملکوں کے مہموں میں مصروفیت اور دارالسلطنت کے تغیر و تبدل سے کٹھیریہ راجپوتوں کو اپنی قوت بڑھانے کا اور بھی زیادہ موقع ملگیا مگر شاہی لشکر کے مقابل آنے کی اسوقت ہمت نہ تھی۔ اس زمانہ میں کافی لشکر اور فوج امروہہ میں رہتی تھی جہاں

[1] آپکا اسم گرامی اصل میں سید حسن ہے، شرف الدین سلسلہ سببیٔ نام ہو۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ دوم کتاب ہذا۔

کی جنگی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دور دراز کی بغاوتیں فرو کرنے کیلئے امروہہ کے لشکر کو بھی طلب کیا جاتا تھا۔ سنہ ۷۴۱ھ میں عین الملک نے اودھ میں جب بغاوت اختیار کی اور شاہی ہاتھیوں اور گھوڑوں کو تحویل میں کر لیا تو باغیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے سلطان محمد تغلق نے امروہہ سے بھی شاہی فوج طلب کی تھی۔

"عین الملک شبے از سرگدواری برآمدہ بہ برادران خود پیوست و در اں زودی برادرانش علم جسارت برافراشتہ با چہار ہزار سوار بحوالی سرگدواری آمدند و تمام فیلان و اسپاں سلطان را کہ در صحرا می چریدند پیش انداختہ بلشکرگاہ خود بردند۔ بادشاہ سراسیمہ گشتہ لشکر امروہہ و ساماں و کول و برن را طلب داشتہ" ۱؎	رات کے وقت عین الملک سرگدواری (اودھ کا ایک مقام جہاں اسوقت شاہی کیمپ پڑا تھا) سے نکلکر اپنے بھائیوں سے جا ملا۔ ایسے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کر کے اور چار ہزار سواروں کو ساتھ لے سرگدواری کے نواح میں چھاپا مارا اور بادشاہ کے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کو جو جنگل میں چرنے کیلئے چھوڑ دئے گئے تھے ہانک کر اپنے لشکر میں لے گئے۔ بادشاہ نے سراسیمہ ہوکر امروہہ، سامانہ وکول (علی گڈھ) و برن (بلند شہر) سے فوج شاہی طلب کی"

مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ کی آمد

اسی بادشاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ ۲؎ سنہ ۷۴۱ھ ۱۳۴۰ع میں امروہہ آیا۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ کے حکم پر وزیر نے مجھے دو ہزار

۱؎ تاریخ فرشتہ۔ ۲؎ ابن بطوطہ سنہ ۷۰۳ھ میں طنجہ (مراکش) میں پیدا ہوا، سنہ ۷۲۵ھ میں وہاں سے حج کی نیت سے چلا۔ افریقہ کے تمام ساحلی شہروں کی سیر کرتا ہوا مصر پہنچا، وہاں سے مکہ معظمہ۔ سنہ ۷۲۶ھ وہ ملک شام چلا گیا، دمشق میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ دوسرے سال پھر مدینہ منورہ و مکہ معظمہ گیا۔ وہاں سے عراق، بغداد و واسط اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا ایران آیا۔ سنہ ۷۳۰ھ میں پھر حج کو گیا۔ وہاں سے افریقہ کے بعض مقامات کی سیر کرتا ہوا یمن آیا، پھر اناطولیہ، سمرقند، بلخ، مشہد شریف، نیشاپور، غزنی ہوتا ہوا سنہ ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا۔ نو برس تک ہندوستان میں رہا۔ سنہ ۷۴۳ھ میں چین کے سفر پر روانہ ہوا اور وہاں سے بہت سے ممالک کی سیر کرتا ہوا سنہ ۷۵۰ھ میں عرب

من غلہ تو دیدیا باقی کی بابت لکھدیا کہ ہزار من امروہہ کے علاقہ سے دیا جائے۔ چنانچہ اس غلہ کے وصول کرنے نیز یہاں کے والی اور امیر کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کیلئے ابن بطوطہ نے امروہہ کا سفر اختیار کیا۔ یہاں وہ دو مہینہ تک مقیم رہا۔ امروہہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:۔

"ثم وصلنا الی امروھا وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ فخرج الیّ عمالھا وجاء قاضیھا الشریف امیر علی وشیخ زاویتھا واضافانی ضیافۃ حسنۃ۔ الخ"

پھر ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ اسکے اہلکار استقبال کیلئے باہر آئے۔ شہر کا قاضی سید امیر علی[1] اور خانقاہ کا شیخ دونوں آئے اور دونوں نے ملکر میری ضیافت بہت اچھی طرح کی۔ الخ۔

عزیز خمارؒ حاکم امروہہ

اس زمانہ میں یہاں کا حاکم عزیز خمار تھا، یہ بہت منتظم و بیدار مغز حاکم تھا۔ ابن بطوطہ نے عزیز خمار کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ظالم مشہور تھا۔ ڈیڑھ ہزار گاؤں اسکے ماتحت تھے جنکا محاصل ساٹھ لاکھ سالانہ تھا اسکا بیسواں حصہ اسکو ملتا تھا۔ غرضکہ اس حاکم کے تدبر اور عمدہ انتظام سے متمرد اور مفسد لوگوں کو سرکشی کا کوئی موقع نہ ملا۔ قصبہ عزیز پور بھی اسی کا آباد کیا ہوا تھا۔ اسکا بھائی نجیب خمار اور اسکے دوسرے عزیز بھی حکومت کے عہدوں پر مامور اور صاحب اثر و نفوذ تھے۔ اسکے بعد بھی یہ خاندان پرگنہ امروہہ میں توطن پذیر رہا۔ یہ لوگ ابتدائے عہد مغلیہ تک اپنے ناموں کے ساتھ "خمار" کا لفظ برابر لکھتے رہے۔ ابن بطوطہ کی آمد کے زمانہ میں اس علاقہ کا امیر شمس الدین بدخشانی تھا جس سے عزیز خمار کی مخالفت تھی۔ ان دونوں کے

(بقیہ صفحہ ۳۷) پہنچا۔ ۷۵۴ھ میں تیس برس کی طویل مدت سیر و سیاحت میں بسر کرکے اپنے وطن کو واپس گیا۔ ۷۷۹ھ میں انتقال کیا۔] (صفحہ ۳۸) [1] یعنی فرزند اکبر شید العارفین سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ جو اس زمانہ میں یہاں کے قاضی تھے۔ شاہ ولایتؒ کا ابن بطوطہ کی آمد سے پہلے وصال ہو چکا تھا، آپکا سنہ وفات [illegible]ھ نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ خانقاہ کے شیخ سے مراد غالباً شیخ معین الدین قدس سرہٗ ہیں جو حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشد زادہ اور خلیفہ تھے (ملاحظہ ہو حصہ دوم جسمیں ان تمام امور پر مفصل بحث کی گئی ہے) [2] کتاب جلد ۲ ابن بطوطہ مطبوعہ جرمنی۔ [3] بعض لوگ اس موضع کو حضرت شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ کے صاحبزادہ سید

تنازع کے تصفیہ کیلئے وزیر نے ابن بطوطہ، ملک شاہ امیر الممالک اور شہاب الدین ولی کو متعین کیا تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۴۴ھ (۱۳۴۳ء) میں مرہٹہ کے اس مشہور حاکم عزیز خمار کو ولایت مالوہ کی حکومت پر مامور کیا تاکہ وہاں کے مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے۔[1] عزیز خمار نے امیران صدہ کی تنبیہ کے لئے گجرات سے بڑودہ اور دبوہی کی طرف لشکر کشی کی۔

تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام

تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان محمد تغلق کا ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں انتقال ہوگیا، ملک میں کچھ عرصہ بدنظمی رہی جسکی وجہ سے کٹھیرے راجپوتوں کو کھرک سنگھ و ہر سنگھ اپنے دونوں سرداروں کی قیادت میں قوت کے بڑھانے کا خاطر خواہ موقع حاصل ہوگیا، انھوں نے کھلم کھلا بغاوتیں کرنا شروع کیں، جب کبھی اسلامی لشکر سے شکست کھاتے مجبوراً خراج ادا کرتے ورنہ جنگلوں اور بنوں میں پناہ گزین رہتے۔ آخر ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں کھرک سنگھ نے، جو کہرگو کے نام سے مشہور ہے سید محمد حاکم بداؤں کو اپنے یہاں مہمان بلا کر نیز انکے بھائی سید علاء الدین و سید محمود کو دھوکہ اور فریب سے قتل کردیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اسے اسقدر طیش آیا کہ ان تین جانوں کے بدلے میں تمام ملک کٹھیر کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیدیا۔

" بادشاہ غضبناک شدہ اسعد لو سفر قعر | بادشاہ کو یہ سنکر اسقدر طیش آیا کہ سامان سفر درست کرکے

(بقیہ صفحہ ۳۸) عزیز الدین کا آباد کردہ سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ملاحظہ ہو حصہ دوم۔] (صفحہ ۳۹) [1] معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی کو ملک عزیز خمار سے خاص عداوت ہے۔ وہ اسکا ذکر برے الفاظ میں کرتا ہے اور بار بار اسکے نسب کا خاکہ اڑاتا ہے، کہیں اسے بداصل و سفلہ لکھتا ہے اور کہیں "ناکس و ناکس زادہ"۔ جس باب میں ملک موصوف کے حالات لکھے ہیں اسکی پیشانی پر یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں:- " ذکر یافتن ملک عزیز خمار بداصل خلاء دھار و مالوہ و رفتن آں سفلہ لئیم دراں دیار و باز شدن دربائے فتنی و شطط عام از معاملات آں خبیث ناکس و ناکس زادہ "

"ہمو درابتدائے سنہ ۷۸۲ھ از دارالملک کوچ کردہ چوں نواحی کتھیر محل نزول لشکر فیروزی اثر شد حسب فرمان آتش سبیت و غارت منازل و متوطناں آں دیار زدند و در قتل کفار تشدد آں مقدار کوشیدند کہ ارواح سادات شہید بہ شفاعت درآمدند" [۱]

سنہ ۷۸۲ھ میں دارالملک دہلی سے کوچ کیا۔ جب ملک کتھیر کے قریب لشکر پہنچا بادشاہ کے حکم سے اس ملک کے باشندوں اور انکے مکانات کو تباہ و غارت کیا گیا اور مفسدوں کے قتل کرنے میں اتنی شدت کی گئی کہ سادات شہید کی روحوں نے بھی اس خونریزی کے بند کرنے کی سفارش کی۔"

بادشاہ نے صرف اسی قدر خونریزی پر بس نہیں کی، ملک داؤد حاکم سنبھل کو حکم دیا کہ ہر سال ملک کتھیر پر فوجکشی کیجائے [۲] چنانچہ متواتر چھ سال تک اس خطہ ملک کو شاہی لشکر برباد و تباہ کرتا رہا، جو باشندے اس قتل عام سے بچے وہ قصبات و دیہات چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں و پہاڑی علاقوں میں پناہگزین ہو گئے۔

ملک محمود ملک شیر خان حاکم امروہہ

سنہ ۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء میں بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق ملک محمود ملک المخاطب بہ شیر خان امروہہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس بیدار مغز اور زبردست حاکم نے نواح امروہہ کو مفسدین کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ جب زیادہ فساد مچا تو ملک بہروز کو بادشاہ نے ہزار سوار دیکر امروہہ بھیجا لیکن سنہ ۷۹۰ھ میں شیر خان کے یہاں سے تبدیل ہو جانے کے بعد مفسدین نے پھر قوت حاصل کرلی۔ سید فخر الدین، جد القبیلہ سادات محلہ نوگیاں و نوگانواں، کو اس نواح میں بہت سے مواضعات بطور مدد معاش ملے تھے۔ اس زمانہ میں یہ خاندان سادات کے دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت زیادہ با رسوخ و با اقتدار تھا۔ مفسدین نے جب انکے مواضعات کو لوٹا کھسوٹا اور چند مسلمانوں کو بھی قتل کیا تو ابنائے سید فخر الدین نے بادشاہ کے آگے عرضداشتیں بھیجیں جن میں بیان کیا گیا تھا کہ

۱۔ تاریخ فرشتہ۔ ۲۔ تاریخ مبارک شاہی۔

"پیش ازین وقت شیر خان شورہا کہ خاستہ بود، ہر دو جا گوباں...... و ملک بہروز با ہزار سوار نامزد شدہ، خلق را امن حاصل آمدہ التماس کہ لشکر شاہی تعین شود کہ شورہا فرو نشیند و خلق خطہ و ولایت آباداں ماند۔"[1]

اس سے پہلے بھی شیر خان کے وقت میں مفسدین نے سر اٹھایا تھا...... ملک بہروز کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا اور خلق خدا کو امن نصیب ہوا تھا اب التماس ہے کہ لشکر شاہی کو یہاں بھیجا جائے تاکہ مفسدین کا فتنہ رفع ہو اور اس ملک و ولایت کی مخلوق کو نجات ملے۔

چنانچہ شاہی لشکر نے پھر ان اطراف میں یلغار کی اور امن و امان کی صورت قایم ہوئی۔

ملکی بدنظمی اور فتنہ و فساد

سنہ ۷۹۱ھ ۱۳۹۴ء میں فیروز شاہ کا انتقال ہوگیا، اس بادشاہ کی انتقال کے بعد سے ملک میں ہر چہار طرف طوائف الملوکی پھیل گئی، امروہہ اور سنبھل کے عامل خود سر ہو بیٹھے اور تیمور لنگ کے حملہ ہندوستان سنہ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء تک طوائف الملوکی کی حالت قایم رہی۔ اس بارہ سال کی مدت میں یہاں کے کٹھیریے راجپوتوں کو اپنی قوت و اقتدار از سر نو قائم کرنے اور بڑھانے کا خوب موقع ہاتھ آیا رائے ہرسنگھ نے ملک کٹھیر کے کافی حصہ پر اپنا تسلط جما کر اتنی قوت بہم پہونچالی تھی کہ عرصہ تک شاہی لشکر کے مقابل آتا رہا۔ تیمور کے چلے جانے کے بعد بھی باہمی خانہ جنگی سے شاہ دہلی کی قوت کو زوال رہا لیکن سلطان محمود مبارک شاہ مفسدین کی سرکوبی کے لئے اس خطہ ملک میں بذات خود آتا رہا۔ سنہ ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ء میں سلطان موصوف نے کٹھیر میں چند روز قیام کیا اور واپسی پر اثناء راہ میں اسکا انتقال ہوگیا۔ سنہ ۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء میں شاہی سردار تاج الملک ثانی نے اور دوسرے سال سنہ ۸۲۲ھ ۱۴۱۹ء میں خود سید خضر خان بادشاہ نے مفسدان کٹھیر کی تنبیہ و گوشمالی کے لئے فوج کشی کی اور سنبھل و امروہہ کے نواح کے تمام جنگلات کو مفسدین سے پاک کیا اسکے بعد سنہ ۸۲۶ھ ۱۴۲۲ء میں سلطان معز الدین مبارک شاہ دو مرتبہ بذات خود یہاں آیا۔ اس مرتبہ رائے ہرسنگھ کو ایسی شکست نصیب ہوئی کہ

---

[1] عرضداشت و نقل فرمان عہد تغلق شاہ سنہ ۷۵۸ھ نزد مؤلف [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۹۶۔

اس نے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر عفو و درگذر کی درخواست کی اور محصول و نذر گرانقدر پیش کی۔ اسکے بعد پھر کبھی مفسدین کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور یہ خطہ ملک آئے دن کی جدال و قتال اور غارتگری سے محفوظ ہو گیا۔

امروہہ کے ابتدائی جاگیردار

آٹھویں صدی ہجری کا آخر اور نویں صدی ہجری کا آغاز اس خطۂ ملک کے لئے سخت بدنظمی اور ابتری کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں امروہہ معہ دیگر اقطاع کے سید السادات سید سالم نامی ایک امیر کی جاگیر میں عرصہ تک رہا۔ سید سالم کے حالات میں فرشتہ کا بیان ہے کہ:۔

"گویند سید السادات سید سالم مدت سی سال در حضور خضر خان از زمرۂ امرائے عمدہ بود و اقطاع لایق داشت و در تبرہندہ (یعنی بھٹنڈہ) خزانہ و ذخیرہ و اسباب قلعداری جمع ساختہ بود و غیر از اقطاع تبرہندہ امروہہ و سرسی و میان دوآب نیز ولایات بسیار داشت و در جمع نمودن مال حریص بود"

"کہتے ہیں کہ سید السادات سید سالم تیس سال تک خضر خاں بادشاہ کے ہاں امرائے عظام کے زمرہ میں شامل تھا۔ اسکی جاگیر میں عمدہ پرگنے بھی تھے۔ بھٹنڈہ میں اس نے خزانہ اور قلعہ داری کے سامان کا ذخیرہ بھی فراہم کر لیا تھا۔ علاوہ بھٹنڈہ کے امروہہ سرسی اور ملک دوآبہ اور بہت سے پرگنہ جاگیر میں تھے۔ اسے مال جمع کرنے کی بہت حرص تھی۔"

سید سالم کی وفات کے بعد اسکے دونوں بیٹوں سید سعید خاں و شجاع الملک کی جاگیر میں بھی پرگنہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا لیکن ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء) میں مبارک شاہ بادشاہ کے قتل اور محمد شاہ بن فرید خاں کے تخت نشین ہونے پر ملک یوسف سرور الملک وزیر کو خوب اقتدار حاصل ہو گیا تھا اس نے امروہہ کو پرانے امرا کی جاگیر سے نکالکر اپنے معاونین کی جاگیر میں شامل کر دیا:۔

"ملک سرور الملک وزیر نخست سدپال و سدارن کھتری"
"وا قربائے ایشان را بجائزۂ قتل مبارک شاہ"
"مملکت بیانہ و امروہہ و نارنول و کہرام و چند"

ملک سرور الملک نے اولاً سدپال و سدارن کھتری اور اسکے عزیزوں کو مبارک شاہ کے قتل کے صلہ میں بیانہ و امروہہ و نارنول و کہرام اور ملک دوآبہ کے چند اور پرگنے جاگیر

پرگنہ میان دوآب داد"[1] ______ میں دے ۔

لیکن یہ حالت چند روز ہی رہی ۔ ۸ محرم ۸۳۸ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو سرور الملک اور اسکے ہندو معاونین ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہو گئے اور امروہہ ملک چمن المخاطب بہ غازی الملک کی جاگیر میں دیدیا گیا ۔ اسکے کچھ عرصہ بعد اس پر دریا خان لودھی متصرف ہو گیا ۔

سلطان علاء الدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں

اسی زمانہ یعنی ۸۵۱ھ / ۱۴۴۷ء میں سلطان علاء الدین عالم شاہ کو دہلی سے بداؤں جانے کا اتفاق ہوا جہاں کی آب و ہوا اسے کچھ ایسی پسند آئی کہ ۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء میں دہلی چھوڑ بداؤں کو مستقر قرار دیا ۔ بداؤں کے زمانہ قیام میں بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے امروہہ کو بھی درجہ امتیاز بخشا[2] اور کچھ عرصہ مع اپنے تمام افغان امراء کے امروہہ میں قیام کیا، سیر و تفریح میں مشغول رہا ۔ اور چند دن بعد ہی سلطنت سے دست بردار ہو کر بداؤں میں مستقل طور سے مقیم ہو گیا اور تا زمانہ حیات ۸۸۳ھ / ۱۴۷۸ء اس علاقہ پر جس میں امروہہ شامل تھا، سلطان موصوف ہی حکومت کرتا رہا ۔ اس کے بعد سلطنت لودہی خاندان میں منتقل ہو گئی ۔ اس خاندان نے ستتر سال تک حکومت کی، اس عرصہ میں بالخصوص سلطان بہلول لودہی و سکندر لودہی کے زمانہ میں بہت کچھ امن و سکون رہا ۔

امروہہ اور سنبھل علم و فضل کے مرکز

سلطان سکندر لودہی چار پانچ سال تک خاص سنبھل میں مقیم رہا ۔

"در سنہ خمس و تسعمائۃ جانب سنبھل رفتہ چہار سال دراں حدود بسیر و شکار و چوگان بازی در گذرانید"[3]

۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل گیا اور اس نواح میں چار سال سیر و شکار و چوگان بازی میں صرف کیے ۔

یہ بادشاہ نہ صرف علم دوست تھا بلکہ خود بھی علم سے بہرۂ وافر رکھتا تھا، اس زمانہ میں سنبھل اور امروہہ علماء و فضلاء عصر کی موجودگی سے علم و ہنر کے مرکز بنگئے تھے ۔ بادشاہ کی قدردانی کی بنا پر علماء و فضلاء

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۹ ۔ [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۷۲ و ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۴۶ ۔ [3] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۲ ۔

مختلف دیار و امصار سے جوق در جوق یہاں آئے۔ ان میں سے بعض خاندان سنبھل اور امروہہ میں متوطن ہو گئے۔ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث بھی جو اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے، اسی زمانہ میں یہاں آئے۔ ۹۰۰ھ میں بادشاہ نے ایک مسئلہ شرعی کے تصفیہ کے لئے سنبھل میں مجلس مذاکرہ علمیہ منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی شرکت کے لئے مختلف مقامات سے علماء بلائے گئے تھے۔

"بادشاہ را باستماع مذاکرہ علمی رغبتے تمام بود علمائے نامی را از اطراف طلبیدہ مجلس بحث ترتیب داد و تفصیل اسامی آنہا این ست کہ میاں قادر بن شیخ خواجگیاں عبداللہ بن الہ داد از طلنبہ و سید محمد بن سعید خان از دہلی و ملا قطب الدین و ملا الہ داد صالح از سرہند و سید امان و سید برہان و سید حسن از قنوج آمدند[۱]۔	بادشاہ کو مذاکرہ علمی کے سننے کی بہت خواہش تھی۔ مختلف مقامات سے نامی علماء کو طلب کر کے مباحثہ کا جلسہ منعقد کیا۔ جو علماء باہر سے آکر شریک ہوئے ان میں میاں قادر بن شیخ خواجو و میاں عبداللہ بن الہ داد طلنبہ سے اور سید محمد بن سعید خان دہلی سے اور ملا قطب الدین ملا الہ داد صالح سرہند سے اور سید امان و سید برہان و سید احسن قنوج سے آئے تھے۔"

امروہہ عہد مغلیہ میں

۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ نے خاندان تیموریہ کی حکومت ہندوستان میں قائم کی۔ بابر نے کچھ عرصہ سنبھل میں بذات خود قیام کیا اور امروہہ کا علاقہ شیخ زادہ محمد موسیٰ فرملی عرف کالا پہاڑ ایک نامور امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"۹۳۵ھ موسیٰ معروف فرملی کو جو دریائے سرو کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا قبس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اسکی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص مع گھوڑا اسکو بخشا امروہہ جانے کی رخصت عطا کی۔"[۲]

ہمایوں بھی ایام شہزادگی میں عرصہ تک اس نواح میں مقیم رہا۔ ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء میں وہ سنبھل ہی میں تھا کہ بابر کا انتقال ہو گیا۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں بعہد شیر شاہ یہ علاقہ خان اعظم عیسیٰ خان کاکا پوری

---

[۱] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۲ [۲] ترجمہ تزک بابری صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی۔

کے حکومت وایالت میں تھا۔ خان اعظم شجاعت اور بہادری میں لاثانی تھا۔ اس نے اس علاقہ کے اکثر جنگلوں اور بنوں کو جو مفسدین کے امن اور جائے پناہ تھے صاف کرادیا اور سرکشوں کو زیر کرکے مفسدین کو بے دست و پا کردیا۔ صاحب تاریخ شیر شاہی کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے مسند اعلی عیسیٰ خان پسر مسند اعلی ہیبت خان کالکا پوری سشروانی کو خان اعظم کا خطاب دیکر سنبھل بھیجا اور ان الفاظ کے ساتھ اسکو رخصت کیا کہ سنبھل کا علاقہ مفسد اور شریر لوگوں سے پر ہے اور وہاں کے کاشتکار اور رعایا زیادہ تر متمرد اور سرکش ہیں اور ہمیشہ حاکموں کے برسر مقابلہ آتے رہے ہیں اسلئے تم کو چاہئے کہ پانچ ہزار جدید سپاہ بھرتی کرو[1]۔ چنانچہ اسنے فوجی قوت میں اضافہ کرکے مفسدین کا قلع قمع کیا۔

خواجہ قطب الدین قناق خاں حاکم امروہہ

خواجہ قطب الدین قناق خان عہد ہمایوں اور ابتدائی عہد اکبری میں امروہہ کا حاکم تھا۔ اسکے عہد کی امروہہ میں کئی یادگاریں ہیں۔ جامع کیقبادی جب شکستہ ہوگئی تو اسی حاکم نے ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ء) میں اسے اپنے زمانہ حکومت وریاست میں پھر تعمیر کرایا تھا۔ کسی صدمہ سے یہ حصہ تھوڑے عرصہ کے بعد منہدم ہوگیا جسے سید محمد میر عدل امروہوی نے ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں دوبارہ تعمیر کرایا۔

عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار[2]

اکبر بادشاہ کے ابتدائی عہد میں مرزا ابراہیم حسین نے، جسکو پرگنہ اعظم پور باسٹہ وغیرہ جاگیر میں ملے تھے، امروہہ پر حملہ کیا اور خوب لوٹا کھسوٹا۔ ۹۷۶ھ (۱۵۶۸ء) میں میر محمد خان مشہور بہ خان کلاں (برادر بزرگ محمد خان آتکہ) کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ شامل رہا۔

"سرکار سنبھل کہ بہترین ممالک ہندوستان است بجاگیر میر محمد خان اختصاص گرفت"۔[3]	سرکار سنبھل (جس میں وہ علاقہ بھی شامل تھا جس میں پرگنہ امروہہ شامل تھا) جو ہندوستان کے بہترین علاقوں میں سے ہے میر محمد خان کی جاگیر میں دیا گیا۔

---

[1] الیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۴۔ [2] یہاں جاگیردار سے مراد وہ امرائے سلطنت ہیں جنکی جاگیر میں یہ کل علاقہ دیا جاتا تھا ورنہ اس زمانہ میں خود امروہہ میں بالخصوص اولاد شاہ ولایت میں قبلی جاگیردار متعدد تھے جنکو چند مواضعات بطور سیورغال و

سنہ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں پھر مرزا مظفر حسین صفوی برادر زادہ شاہ طہماسپ والی ایران کو یہ جاگیر عطا ہوئی۔

"در سنہ ۱۰۰۳ھ عرش آشیانی مرزا را بہ منصب پنجہزاری و اقطاع سنبھل کہ افزوں از قندھار است سرفراز ساخت" [۱]	سنہ ۱۰۰۳ھ میں عرش آشیانی (یعنی شہنشاہ اکبر) نے مرزا مظفر حسین صفوی کو پنجہزاری منصب پر فراز کر سنبھل کا علاقہ جو قندھار کے علاقہ سے بڑا ہو عطا کیا۔

جہانگیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر یعنی سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں یہ علاقہ میرزا علی نامی ایک امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"مرزا علی اکبر شاہی را کہ از جوانان قرار دادۂ الوس دہلی است بہ منصب چہار ہزاری ممتاز ساختہ سرکار سنبھل را بجاگیر او مقرر داشتم" [۲]	مرزا علی اکبر شاہی کو جو دہلی کے خاندان متوسلین شاہی میں سے ہیں چہار ہزاری منصب دیکر سرکار سنبھل کا علاقہ ان کی جاگیر میں عنایت کیا۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت

اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لیکر نواب علی محمد خان روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن وامان رہا۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی، لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرائع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفاء علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ نے حکومت وقت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں جسکے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں۔

سلطنت مغلیہ کے زمانۂ عروج یعنی شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین نیز شاہ عبد المجید علوی، انکے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم اور سید الہ یار نقشبندی، سید محمود رضوی (دانشمند)

(بقیہ صفحہ ۴۵) ۳؎ مآثر الامراء جلد سوم۔ ۳۱ (صفحہ ۴۶) ۱؎ مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۳۰۔ ۲؎ تزک جہانگیری

اوران کے فرزند سید عصمت اللہ قدس اللہ اسرارہم مشائخ میں، مولانا سید محمد میر عدل، مولانا سید میر علی، مولانا الہ داد عباسی، مولانا بابن عباسی، مولانا عبد الملک بخشی، سید العلا سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان، ملا امان اللہ ترکمان، ملا فیضی عباسی، ملا صدر الدین عباسی علماء و فضلاء میں، سید ابو الفضل، سید ابو القاسم، سید ابو المعالی پسران سید محمد میر عدل اور سید عبد الہادی بن سید مبارک فوجی افسروں و جنرلوں میں، سید عبد الوارث نبیرہ سید مبارک، میران سید عبد الماجد اور ان کے فرزند دیوان سید محمود (از اولاد سید محمد میر عدل) سید سعید خان نبیرہ دیوان سید محمود مورث سادات محلہ لکڑہ، اعلیٰ عہدہ داران سلطنت میں امروہہ کی شہرت و ناموری کے باعث تھے۔

امروہہ کا ضلع مرادآباد سے تعلق

جہانگیر بادشاہ کے عہد تک پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل سے متعلق رہا لیکن شاہجہاں بادشاہ کے ابتدائے عہد سلطنت میں کٹھیریوں کے سردار راجہ رام سکھ نے فساد برپا کیا جس کی سرکوبی کے لئے رستم خان دکھنی صوبہ دار سرکار سنبھل کو سنہ ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰ء میں متعین کیا گیا۔ رستم خان[1] نے راجہ کو شکست دی، راجہ قتل ہوا اور

---

[1] رستم خان کا نام مقرب خان دکھنی تھا۔ ابتداءً نظام الملک والی دکن کے عمال میں سے تھے۔ سنہ ۱۰۳۷ھ میں شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پہنچے۔ پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے۔ رستم خان خطاب پایا اور سرکار سنبھل میں تعینات ہوئے۔ دکن اور قندھار کی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے، فیروز جنگ بہادر کا دوسرا خطاب ملا جسکا اشارہ اس سجع میں ہے

بفتح لشکر ایراں ز لطف شاہجہاں   شدہ بہادر فیروز جنگ رستم خان

تقریباً ۲۵ سال تک سرکار سنبھل ان کی جاگیر میں رہا۔ سنہ ۱۰۵۰ھ کے بعد سے دور دراز کی مہموں پر مامور رہے۔ شجاعت و بہادری میں لاثانی، نہایت علم دوست اور مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ سید کمال صاحب ہمراہ ۱۲ برس ان کی فوج میں ملازم رہے۔ دارا شکوہ کے طرف دار تھے اورنگ زیب انار اللہ برہانہ سے جو معرکہ جنگ سنہ ۱۰۶۹ھ میں اکبرآباد (آگرہ)

اور اُس کا قلعہ فاتح کے ہاتھ آیا، یہ مقام چوپلہ کہلاتا تھا۔ رستم خان نے پرانے قلعہ کو مسمار کرکے نیا قلعہ اور مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کی رعایت سے اسکا نام رستم نگر رکھا۔ رستم خان نے شاہی ہدایات سے تجاوز کیا تھا اسلئے جوابدہی کے لئے دربار کی حاضری کا حکم ہوا اور جب رستم خان سے نو آباد مقام کے نام کی بابت سوال ہوا تو اس نے فی البدیہہ کہا کہ میں نے شہزادہ کے نام پر اسکا نام **مراد آباد** رکھا ہے چنانچہ اس وقت سے نہ صرف یہ مقام مراد آباد کے نام سے موسوم ہوا بلکہ ضلع کا صدر مقام قرار پایا۔ سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) میں دارا شکوہ کی لڑائی میں رستم خان مارا گیا تو محمد قاسم خان سرآتش مقرر ہوا، جو سنہ ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۱ء) تک رہا، اس کے بعد راجہ مکرامادرائے کو یہ عہدہ تفویض ہوا، پھر سنہ ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۵ء) میں امین الدولہ کا تقرر کیا گیا لیکن بہادر شاہ کی وفات کے بعد ایسی ابتری رہی کہ سنہ ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۴ء) تک اس ضلع کے متعلق حالات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ سنہ ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۴ء) میں محمد امین خان اعتماد الدولہ مراد آباد کے گورنر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اپنے فرزند انتظام الدولہ کے سپرد یہاں کا انتظام کرکے حسب الحکم فرخ سیر بادشاہ سکھوں کے مقابلہ کے لئے متعین کئے گئے۔ سنہ ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) میں ہمارے ضلع کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اعلیٰحضرت **نظام دکن** خلد اللہ ملکہ کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے ۔ موصوف نے بذات خاص مراد آباد میں قیام کرکے انتظامات کی حالت درست کی مگر وہ صرف دو[۲] سال یہاں رہے دوسرے ضروری کام پر انکو واپس بلا لیا گیا اور یہ ضلع محمد مراد نامی ایک کشمیری

بقیہ صفحہ ۴۷ میں ہوا رستم خان مع اپنے فرزند رفعت علی خان و برادرزادہ عظمت خان اور چند دیگر اعزہ کے مقتول ہوئے ۔ قطعہ تاریخ :-

چوں بہادر رستم فیروز جنگ	عالمی در مدحت او لب کشود
در شجاعت رستم دستان عصر	در سخاوت حاتم آفاق بود
ترکتازی کرد در میدان ہند	سرخرو گشت و بجنت رفت زود
سال تاریخ وفاتش عقل گفت	بود رستم ثانی ہندوستان ہود

النّسل کو سپرد ہوا جس نے فرخ سیر بادشاہ کی نظر میں پایۂ اعتبار حاصل کر کے رکن الدّولہ اعتماد خان کا خطاب پایا اور اپنے خطاب کی رعایت سے مراد آباد کا نام بھی رکن آباد رکھا اور ضلع کو صوبہ قرار دیا۔

"سرکار مراد آباد را صوبہ قرار دادہ موسوم بہ رکن آباد فرمودہ در جاگیرش بطریق آل تمغا عنایت شد" [1]	سرکار مراد آباد کو صوبہ قرار دے کر اس کا نام رکن آباد رکھا۔ یہ علاقہ اس کی جاگیر میں نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوا تھا۔

لیکن یہ انتظام بہت تھوڑے عرصہ تک رہا کیونکہ رفیع الدّرجات بادشاہ کی تخت نشینی پر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں رکن الدّولہ کو عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور اُنکی بجائے سید عبداللہ خان بارہہ کے چھوٹے بھائی سیف الدین خان کو مقرر کیا گیا لیکن سادات بارہہ کے زوال اقتدار پر حیدر قلی خان کو تفویض ہوا اور اُس کے بعد عرصہ دراز تک یہ ضلع قمر الدین خان کی جاگیر میں رہا۔ قمر الدین خان کی جانب سے شیخ عظمت اللہ[2] یہاں کے منتظم رہے۔

روہیلوں کا تسلط[3]

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مختلف قبیلوں کے افغان تلاش معاش ہندوستان میں آئے اور ان ایام میں جبکہ بدنظمی کا دور دورہ تھا ملک کٹھیر میں سکونت پذیر ہونے لگے اُن ہی لوگوں کی وجہ سے بالآخر ملک کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے موسوم ہوا۔ نواب[4] علی محمد خان روہیلہ (مورث نوابان رامپور) نے ہزاروں آوارہ گرد روہیلہ

۱؎ مآثر الامراء، جلد اوّل ۲؎ شیخ عظمت اللہ بن مولوی عصمت اللہ نبیرۂ شیخ عبدالقادر فاروقی شیخ زادگانِ لکھنؤ میں سے تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں سادات بارہہ کے وطن جانسٹھ کے حملہ میں شریک تھے۔ ۳؎ روہیلہ کے لغوی معنی ہیں علاقہ روہ کا رہنے والا۔ روہ افغانستان کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ ۴؎ نواب علی محمد خان داؤد خان بن شاہ عالم خان روہیلہ کے متبنّیٰ تھے۔ موضع بانکولی پرگنہ کانہر تابع سرکار سنبھل کو ان کا مولد اور موضع بولی تابع سرکار بدایوں کو ان کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ ان کے نسب کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، بعض مورخین نے انکو نو مسلم لکھا ہے۔

افغانوں کو اپنے زیر اثر کرکے کافی جمعیت اور قوت حاصل کرلی تھی۔ نادر شاہ کے حملہ کی وجہ سے بڑی تعداد افغانوں کی اس طرف چلی آئی اس سے اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہوگیا۔ روہیلوں کی بڑھتی طاقت دیکھ کر سنہ ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) میں محمد شاہ بادشاہ نے مراد آباد کے گورنر راجہ ہرنند کو جو قوم سے کھتری تھے، حکم دیا کہ روہیلوں کو علاقہ کٹھیر سے نکال دیا جائے۔ راجہ موصوف پچاس ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر روہیلہ سردار بارہ ہزار روہیلہ جانبازوں کو ساتھ لے رات کو شاہی فوج پر جا پڑا، اور کشتوں کے پشتے لگا دئے، شاہی لشکر کو سخت ہزیمت ہوئی، راجہ ہرنند مارا گیا اور نواب علی محمد خاں نے سنہ ۱۷۴۴ء میں مراد آباد، امروہہ اور سنبھل پر تسلط حاصل کرلیا مگر دو برس بعد خود بادشاہ نے بہ نفس نفیس اس طرف فوج کشی کی، گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور سنبھل کے علاقہ میں سے گذر کرکے نواب علی محمد خاں کی گڑھی بان گڈھ پر، جو بدایوں کے متصل واقع تھی، دھاوا کردیا۔ بالآخر نواب قمر الدین خان چین بہادر وزیر اعظم کی سفارش پر علی محمد خاں کا قصور معاف ہوا لیکن بادشاہ انہیں اپنے ساتھ ہی دہلی لے گئے جہاں کچھ عرصہ نظر بند رکھے گئے۔ مراد آباد پر پھر شاہی تسلط قایم ہوا اور شیخ فرید الدین بن شیخ عظمت اللہ کو حکومت پر تعینات کیا گیا لیکن روہیلوں نے دوبارہ اپنی جمعیت اکٹھی کرکے مراد آباد پر حملہ کیا، شیخ فرید الدین حاکم مراد آباد مارا گیا جس کی جگہ پر راجہ چتر بھوج کا تقرر عمل میں آیا، مگر ان ہی دنوں میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی وجہ سے ایسی بدنظمی واقع ہوئی کہ نواب علی محمد خاں سرہند سے، جہاں ان کو بحیثیت حاکم تعینات کیا گیا تھا بعجلت تمام مراد آباد آگئے۔ راجہ چتر بھوج کو بآسانی نکال باہر کیا اور اس تمام حصۂ ملک پر اپنا

(بقیہ صفحہ ۴۹)
"علی محمد خان روہیلہ در اصل قوم جاٹ بود، چوں صاحب شعور و رشید و طالع مند بود، شخصے روہیلہ (داؤد خان) وے را متبنیٰ نمودہ بود، کارہائے عمدہ از دست او سر براہ شدند و رفتہ رفتہ بہ انواع سعی و تلاش و جنگ و جدل و بخشش خدائے عز و جل متمول و مرفع الحال شدہ" الخ (بیان واقع قلمی)
مگر نواب کلب علی خان کے وقت سے جو نواب علی محمد خان سے چھٹی پشت میں تھے ان کا نسب سید فاطمی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم مستفید جلال

تسلط پھر جمالیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد ۱۴ ستمبر ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء میں نواب علی محمد خان کا انتقال ہوگیا۔ ابتدا حکومت ایک کونسل کے ہاتھ میں رہی جس کے صدر حافظ رحمت خان تھے لیکن سعد اللہ و اللہ یار پسران نواب علی محمد خان کی واپسی پر جو دہلی میں نظر بند تھے ضلع مرادآباد کا علاقہ اللہ یار کے نامزد ہوا مگر عملی اقتدار اور حکومت نواب دوندے خان سپہ سالار افواج کو حاصل رہی۔ اسی سال اللہ یار خان کا انتقال ہوگیا۔ ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء سے نواب دوندے خان ہی مالک و مختار رہا۔ ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں نواب دوندی خان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اسی زمانہ میں شاہ عالم[۱] بادشاہ دہلی کا الہ آباد سے جاتے ہوئے امروہہ سے گذر ہوا۔

---

[۱] شاہ عالم بادشاہ کا اصلی نام عالی گہر تھا۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے فرزند تھے۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء کو پٹنہ عظیم آباد میں، جہاں باپ کی وفات کے وقت موجود تھے، تخت نشیں ہوئے۔ انکے والد عالمگیر ثانی عماد الملک وزیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ ان سے باپ کی یہ بے بسی کی زندگی دیکھی نہ گئی، کسی بہانہ سے دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور نواب محمد قلی صوبہ دار الہ آباد کی مدد سے فوج فراہم کرکے راجہ رام نرائن ناظم بنگالہ پر چڑھائی کی۔ عرصہ تک صوبہ بہار میں قیام رہا۔ شجاع الدولہ نے ان کے نام پر انگریزوں سے جنگ کی۔ بکسر کے مقام پر لڑائی ہوئی مگر نتیجہ خلاف نکلا۔ شجاع الدولہ تو بھاگ کر روہیلکھنڈ چلے آئے مگر انگریزوں نے بادشاہ سے تینوں صوبوں کی دیوانی کی سند حاصل کرلی جسکے معاوضہ میں چھبیس ۲۶ لاکھ روپیہ نقد اور صوبہ الہ آباد و چکلہ کوڑہ بادشاہ کے حوالہ کیا۔ شاہ عالم بارہ برس تک الہ آباد میں مقیم رہے۔ ۱۱۸۵ھ میں دہلی گئے، وہاں پہونچکر مرہٹوں کی مدد سے نواب ضابطہ خان ولد نجیب الدولہ پر فوج کشی کی، مرہٹوں نے اسکا سارا ملک دبالیا، ضابطہ خان بھاگ کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا، پھر تکوجی راؤ ہلکر کی سفارش سے دربار شاہی میں پہنچا۔ غلام قادر خان جو ضابطہ خان کا بیٹا تھا بادشاہ سے دلی عناد رکھتا تھا۔ اس ظالم نے ۱۲۰۲ھ میں بادشاہ کو تخت سے کھینچ کر نیچے ڈالدیا اور پیش قبض سے دونوں آنکھیں نکال لیں۔ اور بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا لیکن مہاراجہ سندھیا نے اپنی فوج بھیجی۔ غلام قادر کو شکست ہوئی، وہ بڑے عذاب دے دیکر مارا گیا اور شاہ عالم، جو نور بصارت سے محروم ہوچکے تھے، دوبارہ تخت پر بیٹھے۔ شاہ عالم فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ اس واقعہ کو ایک قطعہ میں نظم کیا ہے جو بہت دردانگیز ہے۔ یہاں چند شعر لکھتا ہوں :۔

کوئی تاریخی شہادت تو اس کی موجود نہیں تاہم یہ روایت مشہور ہے کہ سادات امروہہ کی کسی بے عنوانی میں اہل امروہہ مورد عتاب ہوئے۔ نواب آصف الدولہ کو حکم ہوا کہ ایک رقم کثیر جاگیرداران امروہہ سے تاوتیاً وصول کریں۔ نواب دوندے خاں کے انتقال کے بعد سے روہیلوں کی طاقت کو زوال شروع ہوا۔ اس کے مختلف اسباب تھے، اولاً دوندے خاں کے پسران محب اللہ اور فتح اللہ میں حکومت کی اہلیت ہی نہ تھی، دوسرے مرہٹوں نے اسی زمانہ میں ملک پر فوج کشی کی۔ ۱۵ ار جون ۱۱۸۶ھ کے معاہدہ کی رو سے نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک اودھ نے مرہٹوں کو ملک بدر کرنے کا اس شرط سے وعدہ کیا تھا کہ تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ روہیلہ سردار ان کو ادا کریں۔ نواب شجاع الدولہ نے تو اپنا وعدہ پورا کیا مگر حافظ رحمت خاں نے ادائیگی رقم سے گریز کیا۔ نوبت بہ جنگ پہنچی۔ روہیلوں کو شکست نصیب ہوئی اور ۷ راکتوبر ۱۱۸۸ھ کے عہد نامہ کی رو سے نواب فیض اللہ خاں پسر نواب دوندے خاں کو رام پور کی جاگیر دی گئی اور بقیہ ملک روہیلکھنڈ نواب وزیر الممالک اودھ کے علاقہ میں شامل ہو گیا۔

مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام

مرہٹہ گردی میں بد نظمی اور ابتری کی وجہ سے امروہہ پر جاٹوں کے حملے ہوتے تھے، باشندگان شہر کو خود ہی اپنی حفاظت کا آپ انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اس زمانہ کی حالت کا تھوڑا بہت اندازہ ذیل کی تحریر سے ہو سکتا ہے جو نواب بہروز خاں بہادر کی جانب سے میر یادگار علی و میر قرب علی و میر قنبر علی کو

(بقیہ صفحہ ۵۱)

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما | داد برباد سرو برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم | بردر قسام زوال آمد سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک تیرہ شد | تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغاں بچہ شوکت شاہی برباد | کیست جز ذات شہ ار اکہ کند یاری ما

سنہ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

میر یٰسین علی ساکنان امروہہ (محلہ دربار کلاں) کو بتاریخ بست و پنجم شہر ذی قعدہ سنہ ۱۳ جلوس عالم بھیجی گئی تھی۔

الٰہی

"سیادت دعوالی پناہان میر یادگار علی و میر قنبر علی خان و میر یٰسین علی ہموارہ در حفظ باشند

خط مرسلہ رسید۔ حقیقت مندرجہ بوضوح انجامید۔ بموجب نوشتہ آں سیادت دعوالی پناہان

بست و پنج[1] سوار مرہٹہ ہائے ملازم تپل ہمراہ غلام نقی پسر محمد باقر خان فرستادہ شد باید کہ محافظت

قصبہ امروہہ بوجہ احسن نمایند و حفاظت سواران مذکور نیز ذمۂ خود شناسند و تنبیہ سرکش پیشکش

سرکار والا قرار واقعی نمودہ اطلاع دہند و چہاردہ توپخانہ کہ درانجا موجود اند باحتیاط تمام نگہدارند

نشود کہ ازاں جملہ یک ضرب بیجا گردد درین باب تاکید مزید دانند دیگر کیفیت زبانی علی تقی مذکور

معلوم خواہد شد زیادہ چہ نگارش رود۔" نص

نوابانِ اودھ کی حکومت

سنہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء لغایت سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء اٹھائیس برس تک روہیلکھنڈ پر نوابان اودھ کی حکومت رہی۔ بریلی بدایوں اور مراد آباد تین ضلعوں پر ملک کی تقسیم کی گئی۔ مراد آباد میں اولاً اصالت خان حاکم مقرر ہوا اور اس کے بعد چودھری مہتاب سنگھ شبنوی کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ نوابان اودھ کے زمانہ حکومت میں مالگذاری اور نذرانہ وصول کرنے کے لئے رعایا پر بہت کچھ جبر و تشدد کیا گیا۔ سنہ ۱۱۹۳ھ میں امروہہ کے عامل نے، جو من جانب نواب وزیر الممالک یہاں متعین تھا، اتنی سختی برتی اور خلاف معمول قدیم چند ایسے جدید مطالبات قایم کئے کہ امروہہ کے معافیداروں کی کثیر تعداد نے ایک جلسہ میں مجتمع ہوکر باہم عہد و پیمان کئے کہ نذرانہ مقررۂ قدیم کے سوائے جدید مطالبات ہرگز ادا نہیں کریں گے اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کے معاون مددگار رہ کر متفقہ قوت سے کام کریں گے چنانچہ

---

[1] غالباً یہ تعداد (۲۵۰) سواروں کی تھی۔

اس مضمون کی ایک دستاویز، ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو مرتب کی گئی ننھے خانی کے حادثہ کا ایک سبب بعض معافیداروں کا یہ طرز عمل بھی تھا۔

ننھے خانی کا حادثہ

۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں ایک حادثہ امروہہ میں ننھے خانی کا پیش آیا۔ ننھو خان نجانب وزیر الممالک آصف الدولہ حاکم سنبھل تھے۔ حیات خان بن روشن خان، جو ننھے خان کے خسر تھے امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کے پاس املاک و جاگیر معافی کے بہت سے مواضعات تھے۔ حیات خان والا باغ، جو شہر سے متصل ہے اور جس میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنی ہوئی ہے، ان ہی سے منسوب ہے۔ محلہ گذری کے بعض سیدوں سے کسی معاملہ پر ان سے ان بن ہوگئی، معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ ننھے خان اپنے خسر کی حمایت میں اپنی فوج لیکر مخالفوں کے مقابلہ کو چڑھ آئے۔ میر اسد اللہ خان سے مخالفت تھی ان ہی کے مکانات کو حملہ آوروں نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ متعدد لوگ مارے گئے۔ سید گلزار علی بن سید وزیر علی (از اولاد سید مبارک) جو بہ رسالہ بخشی الملک مظہر علی خان پانصدی ذات پچاس سوار کے منصب دار تھے، اسی ننھے خانی میں قتل ہوئے۔ "تباہی سادات شدہ" اس حادثہ کی تاریخ ہے۔

انگریزوں کا تسلط

۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں نواب وزیر الممالک نے بعوض اخراجات فوج انگریزی روہیلکھنڈ کا وسیع علاقہ بشمول ضلع مراد آباد ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کردیا، مراد آباد ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا، اور مسٹر ڈبلیو لیسسٹر Mr W Leycester پہلے کلکٹر مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا، مرہٹوں کے متواتر حملے اس علاقہ میں ہوتے تھے، ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء میں مہاراجہ ہولکر نے اپنے ایک سردار کو یہاں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے متعین کیا، قرعہ فال امیر خان کے نام آیا، جو بعد کو نواب ٹونک ہوئے، نواب امیر خان کا وطن سرائے ترین سنبھل تھا، نسباً سالارزئی پٹھان تھے۔ ان کے باپ محمد حیات خان کچھ عرصہ دوندی خان کے یہاں ملازم رہے۔ دادا کا نام طالع خان تھا وہ نواب علی محمد خان کی فوج میں ملازم رہے۔ امیر خان کے ساتھ پنڈارہ قوم کے سواروں کا بڑا دستہ تھا۔ جن کی تعداد دس ہزار بیان کی گئی ہے۔[1]

---

[1] [illegible] گزٹیر مراد آباد مطبوعہ [illegible] ۔

یہ لوگ نہایت سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے اور لوٹ مار سے آفت برپا کرتے تھے۔ جنرل اسمتھ GENERAL SMITH کیپٹن سکنر CAPTAIN SKINNER اور کیپٹن مرّے CAPTAIN MURRAY بھی اپنی فوج کے ساتھ ہر جگہہ ان کے تعاقب میں لگے رہتے۔ امیر خان ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۵ء میں امروہہ پہنچے یہاں امروہہ کے قریب موضع ابراہیم پور میں انکا مقابلہ کیپٹن مرّے کے سپاہیوں سے ہوا، دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو کرنل برن COLONEL BURN نے پنڈارہ سردار کو شکست دیکر چاندپور کی طرف بھگا دیا۔

۱۲۱۹ھ ۱۸۰۵ء لغایت ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء تک کوئی خاص واقعہ امروہہ میں پیش نہیں آیا بعض اوقات ڈاکہ زنی کی وارداتیں البتہ ہوتی رہیں۔ جاٹ، اہیر اور میواتی ڈاکوؤں کے گروہ اس زمانہ میں ضلع کے ہر چہار طرف لوٹ مار کرتے رہتے تھے جن کی سرکوبی کے لئے اس زمانہ کے کلکٹر مسٹر اوس والڈ MR. OSWALD اور مسٹر سیٹن MR. SETON نے مؤثر تدابیر اختیار کی تھیں۔

امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاونی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلّط کے ابتدائی دور میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بھی امروہہ میں قایم کی گئی تھی کچھ عرصہ تک شہر کے قریب فوج کا پڑاؤ رہا، چند عارضی بنگلہ اور عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں لیکن بعد میں فوجی افسروں کی رائے تبدیل ہوگئی اور یہاں کی فوج میرٹھ بھیج دی گئی۔ محمد سید حسن خاں (دانشمند) سے "صاحبان عالی شان چھاونی" کے مراسم اتحاد تھے۔ مسٹر اڈیورڈ روزلی براڈفورڈ جو فیض آباد میں اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ میر صاحب موصوف سے مراسم دوستی تھے، وہ اپنی چٹھی مرقومہ ۱۸۲۵ء میں اس چھاونی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تحریر اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ کے بعض انگریز بھی اردو کی مقفّیٰ و مسجع عبارت پسند کرتے تھے دلچسپ ہے اسلئے ذیل میں نقل کی جاتی ہے

عالی مرتبت معالی منزلت رفیع الشان منیع المکان سلّمہ الرحمان

"اس وقت میں کہ شاہد مدعا در بر و رحیق مارب در ساغر ہے و مشوق حصول مطالب دلی"

بمنّت حلگی عنایت لم یزلی آراستہ پیراستہ تھا کہ گلدستہ بند گلہائے اتحاد و چمن آرائے چمنستان وداد یعنی محبّت شامہ شانہ کش کا کل وصول ہو کر نسیم نسیم اُس کی از ابتدا تا منزل کا تبسم ہوا اور ایمائے کہ باستکشاف تحقیقات راقم کی تھا حال یہ ہو راقم بہ عہدۂ اسسٹنٹ کمشنر ضلع فیض آباد سرکار دولت مدار سے عزّت و مامور ہو کر مقیم فیض آباد خاص ہوں، امتحان سے فراغ ہوا، ترقّی کا ذریعہ ہوا حسب التحریر جو رقیمہ بلا مہر ہوگا اُسپر لحاظ نہ ہوگا و لازم اتحاد کا یہ ہو کہ ہمیشہ ابواب رسل رسائل کے مفتوح رکھتے کہ ہر آئینہ موجب استحکام مبادی اتحاد کا متصوّر ہے و حال خیریت اشتمال صاحبزادہ محمد حسین خان و صاحبان عالی شان چھاؤنی سے مطلع کرتے رہئے۔ فقط۔

مکرر آنکہ امید بلیغ ایں جانب رامی شود کہ آں دوست صمیم بہر نوع در حالت بہبودی و خوش مزاجی است۔ برادرم از مرادآباد کوچ کردہ است بطرف بمبئی کہ در احاطہ بمبئی (بمبئی) می ماند۔

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات

میرٹھ میں فوج کے باغی ہوجانے کی خبریں سب سے اوّل ۱۲ ر مئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ اور مرادآباد پہنچیں۔ اس زمانہ میں مسٹر سی۔ بی۔ سانڈرس[1] مجسٹریٹ مرادآباد، مسٹر جے۔ جے کیمبل[2] جائنٹ مجسٹریٹ اور مسٹر جے کراکرافٹ ولسن[3] جج تھے۔

آخر الذکر چونکہ اس ضلع میں سترہ برس سے تعینات تھے وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اسلئے جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہوگئی تو تمام ضلع کا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ۱۵ ر مئی کو جب یہ اطلاع ملی کہ گوجروں نے میرٹھ کا راستہ روک رکھا ہے تو یہ تجویز ہوئی کہ مسٹر سانڈرس کے ساتھ کچھ جمعیت گوجروں کی سرکوبی کے لئے بھیجی جائے۔ امروہہ کے کوتوال سیّد افضل علی بھی مسٹر سانڈرس کی ہمراہی

---

[1] Mr. C.B. Saunders. [2] Mr. J.J Campbell.
[3] Mr. J. Cracroft Wilson.

میں متعین ہوئے۔ امروہہ کے انتظام کے لئے یہاں کے رؤسا اور با اثر اشخاص کو مسٹر سانڈرس نے خطوط لکھے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے خط موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کی نقل درج کی جاتی ہے:۔

خان صاحب بسیار مہربان سید محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام و شوق ملاقات واضح باد حسب روبکار امروزہ آپ کو لکھا جاتا ہے کہ سید افضل علی کوتوال امروہہ ہمارے سات (ساتھ) میرٹھ کو جاوے گا اور مدد علی باپ اسکا بطور منصرم امروہہ میں رہے گا۔ آپ کو مناسب ہے کہ کومک (کمک) اور مدد ہر طرح سے مدد علی کی کرتے رہو۔ عین مہربانی ہوگی فقط۔ تاریخ ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء۔

اور واضح ہو کہ تم شریک مشورہ ہر امر کے مدد علی کے رہو اور مدد علی کو بھی لکھا گیا کہ باتفاق اور مشورہ تمھارے کے انجام کار کرے۔ فقط تحریر صدر سنہ صدر۔

Char B. Saunders,

Magistrate.

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء

امروہہ میں میرٹھ اور دہلی کے غدر کی خبریں پہنچنے کے پانچ چھ دن بعد غالباً ۱۷ مئی کو خاندان دیوان سید محمود (دربار کلاں) اور خاندان درویش علی خان (قوم کلاں) کے سربرآوردہ افراد نے سب سے پہلی مجلس مشاورت درگاہ شاہ شرف الدین شاہ ولایتؒ میں منعقد کی۔ اس میں شہر کے مختلف خاندانوں کے عمائد و اکابر کو طلب کیا گیا تھا۔ تقریباً تیس اشخاص احاطہ درگاہ کے اندر اس مجلس میں شریک ہوئے، بیرون درگاہ رؤسا و اکابر شہر کے ملازمین اور عوام کا ہجوم تھا۔ جلسہ کے بانیوں میں سید محمد حسین خان، سید یوسف علی خان، مولوی سید تراب علی، سید محمد باقر، سید محمد عرف محمد چمک، سید مبارک، سید محمد زمان، سید ذوالفقار علی، سید فرحت علی، سید شرف علی، سید تحسین علی، سید علی محمد، سید

سلطان علی، سید محمد اسمٰعیل، سید بنیاد علی عرف عقرب، سید بشارت حسین، سید شبیر علی خان
سید غلام سجاد وغیرہ (میرگان دیوان سید محمود) سید یاد علی و سید سجاد علی (ساکنان محلہ بگلا)
سید رمضان علی (کٹرہ غلام علی والے) اور خاندان درویش علی خان میں ولایت علی خان
مولوی بشارت علی خان، بہرام علی خان وغیرہ اور مجاپوتوں میں سے سید محمد حسین اور
چبوترہ والوں میں سے سید نذیر حسین داماد امیر حسین وغیرہ موجود تھے۔ دیگر عمائد و اکابر شہر میں سے
سید علی مظفر خان (گھڑیال والے)، میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی اور
سید محمد حسن خان (دانشمند) بھی شرکت کے لئے بلائے گئے تھے۔ بانیان جلسہ کی غرض یہ تھی کہ
اگر ایسا غدر ضلع مراد آباد میں بھی ہو گیا جیسا کہ دہلی اور میرٹھ میں ہوا ہے تو ہم انگریزی عملداری
کو امروہہ میں درہم و برہم کر دینگے اور اپنی حکومت قائم کر لیں گے۔ خاندان دیوان سید محمود
اور خاندان درویش علی خان کے افراد تعداد اور رسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ
کے دوسرے خاندانوں کی نسبت شان امتیاز رکھتے اور اپنے کو موروثی منصب دار سمجھتے تھے
اور اسلئے شہر کی حکومت اور انتظام کے دعویدار تھے۔ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) سید
محمد حسن خان (دانشمند) اور شہر کے دیگر اکابر نے انکی اس تجویز سے اختلاف کیا لیکن بانیان
جلسہ نے آپس میں مشورہ پختہ کر لیا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

امروہہ میں یہ حالات پیش تھے ادھر مسٹر سانڈرس میرٹھ جانے کے قصد سے ۱۸ مئی کو
مراد آباد سے روانہ ہو کر رجب پور پہنچے تھے کہ ۱۹ مئی کو باغیوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ کے
قیدیوں کو آزاد کر دیا، اور فوج باغی ہو گئی۔ رجب پور کے مقام پر اس واقعہ کی اطلاع پاتے
ہی انہوں نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور سید افضل علی تھانہ دار امروہہ و سید محمد حسن خان
(دانشمند) کے ساتھ جو امروہہ سے رجب پور بھیجے گئے تھے، مسٹر سانڈرس مراد آباد واپس آگئے
۱۹ مئی کو جب جیل خانہ توڑ کر قیدی آزاد ہو گئے۔ سید گلزار علی بن سید اکبر علی (ساکن
دربار کلاں)، جو مراد آباد میں مختاری کرتے تھے، قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ راتوں رات

مرادآباد سے امروہہ آپہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے لوگ آمادہ فساد تھے۔ درگاہ شاہ ولایتؒ کی مجلس مشورۃ کے بعد سید رمضان علی (کٹرہ والے) کے مکان پر پنچایت ہوئی، پھر سید گلزار علی کے امروہہ پہنچنے پر محلہ دربار کلاں میں شیخ رمضان علی کے مکان پر تمام رات بڑے شوروغل کے ساتھ پنچایت ہوتی رہی۔ اس پنچایت میں سید ظہور حسن و سید محبوب الدین (دوست علی والے) اور چند اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ تمام بحث درپیش ہوجانے پر ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو علی الصباح تھانہ پر حملہ کیا گیا جس میں کئی ہزار اشخاص شریک بیان کئے جاتے ہیں۔ باغیوں نے میر مددعلی تھانہ دار اور شجاعت خان جمعدار کو قتل کر کے تھانہ کے مکان کو جلا دیا، وہاں سے فارغ ہوکر باغی تحصیل پر چڑھ دوڑے سترہ ہزار روپیہ خزانہ تحصیل کا لوٹ لیا اور تمام دفتر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا منصف سعداللہ خان کو مع دفتر کے سید علی مظفر خان اپنے مکان پر لے آئے تھے اسلئے وہ محفوظ رہے۔

یہ واقعات جب امروہہ میں رونما ہو رہے تھے مسٹر سانڈرس نے اُسی دن صبح کے وقت سید محمد حسن خان (دانشمند) کو امروہہ کے انتظام کے لئے مقرر کیا اور پروانہ دیکر مرادآباد سے امروہہ بھیجا، وہ قریب ایک بجے دن کے جب امروہہ پہنچے یہاں تھانہ و تحصیل لٹ چکی تھی۔ باغیوں نے اپنا تسلّط اور انتظام قایم کر لیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حکّام ضلع کو ہوئی مسٹر سانڈرس نے ناظر گور سہائے ولد ہیرت سنگھ کو، جو قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے، یہ کہکر امروہہ بھیجا کہ امروہہ کا جانا کوئی قبول نہیں کرتا تم امروہہ جاکر انتظام درست کرو۔ چنانچہ ناظر مذکور ۲۴ رمئی کو امروہہ آئے۔ سید علی مظفر خان، میر نیاز علی (پیرزادہ) اور شہر کے اور امن پسند لوگ شہر سے باہر جاکر انکو اپنے ساتھ لائے۔ انکے ہم قوم جاٹوں کی کثیر تعداد بھی انکے ساتھ جمع ہوگئی۔ دوسرے دن ۲۵ رمئی کو مسٹر ولسن بھی تلنگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امروہہ آئے۔ سید گلزار علی اور ان کے ساتھی مسٹر ولسن کی آمد کی خبر سُنکر امروہہ سے چلے گئے۔ مسٹر ولسن نے مفسدہ

پردازوں کی تنبیہ اور حکومت کے رعب و اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے سید گلزار علی وغیرہ باغیوں کے مکانات منہدم و مسمار کرا دئے۔ ۲۶ مئی کو مسٹر ڈسن مراد آباد واپس آ گئے۔ ناظر گور سہائے، جنکو بصلۂ خدمات ایّام غدر بعد میں راجہ کا خطاب اور گیارہ گاؤں انعام میں دئے گئے، امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ لیکن وہ صرف دس دن امروہہ رہے تھے کہ مسٹر جے۔ کیمبل جائنٹ مجسٹریٹ نے حسن پور کے مقام پہ دو سو آدمیوں کے ساتھ انہیں طلب کیا۔ وہاں سے ساتویں دن یعنی ۱۰ جون کو جب یہ امروہہ واپس آئے حالات بہت کچھ تبدیل ہو چکے تھے۔ مراد آباد سے انگریز حکام میرٹھ و نینی تال جا چکے تھے اور انگریزی عملداری ضلع میں باقی نہیں رہی تھی۔ باغی ناظر گور سہائے کے مار ڈالنے کی فکر میں تھے کہ یہ اسی دن امروہہ سے مراد آباد چلے گئے۔ اور وہاں سے اپنے ہم قوم جاٹوں کی امداد سے گجرولہ گئے جہاں ساکنان امروہہ میں سے میر محمد علی جان وغیرہ تا اختتام غدر ان کے ساتھ رہے۔ مراد آباد میں نواب مجو خان نبیرہ شیخ عظمت اللہ سابق صوبہ دار مراد آباد نے شہر پر اپنا قبضہ و تسلط قایم کر لیا تھا لیکن نواب رام پور کے عم بزرگوار نواب عبدالعلی خان کی آمد پر انہیں علیحدہ ہونا پڑا۔

امروہہ پر جاٹوں کا حملہ

مراد آباد میں جب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے اسی زمانہ میں امروہہ پر جاٹوں کا حملہ ہوا جس کے چشم دید حالات صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھے ہیں:-

" صاحب سنگھ ساکن موضع للکھوری نے دیپا سرائے سنبھل کو لوٹ کر بہمراہی لبتا جاٹ ساکن موضع جوگی کھیڑہ دکھن کی طرف سے امروہہ پر چڑھائی شروع کی۔ پہلے حملہ میں جو تھوڑے عوام الناس یہاں کے مقابل ہوئے تو جاٹوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ناواقف آدمی جنگ نادیدہ موزہ بیروں کشیدہ تعاقب کئے چلے گئے۔ جب شہر سے دور ہو گئے تو موضع پپسرہ میں گنواروں نے گھیر لیا۔ سترہ آدمی جان سے

مارے گئے باقی بھاگ آئے۔ پھر جاٹوں نے دو روز کے بعد دوسرا حملہ کیا اور چونکہ پہلے حملہ میں وہ روباہ طینت چند آدمیوں کو مار کے اور بھی شیر ہو گئے تھے لہذا باشندگان شہر کو لکھا پیغام دیا کہ مہاجنوں کو ہمارے حوالہ کر دو یا دس ہزار روپیہ دو ورنہ ہم اس شہر کو لوٹ لینگے۔ اُس حالت غدر میں روپیہ کہاں تھا بجز اسکے کہ مہاجنوں کا اور ہمارا ایک حال ہے اور کچھ جواب نہ بن پڑا آخر کار مقابلہ کی نوبت پہنچی، اور جاٹ ہٹ گئے۔ شہر والے دھوکا پا چکے تھے، آگے نہ بڑھے، اس سے دوسرے روز بے شمار جاٹوں نے متفق ہوکر پھر حملہ کیا اور ٹڈی کے بادل کی طرح اُمنڈ آئے۔ تب تو اعلیٰ اور ادنیٰ شہر کے لاچار ہوکر اور بموجب دمرگ انبوہ جشنے دارد اپنی جانوں سے ہاتھ دھوکر سب کے سب مقابل ہوئے۔ شہر میں شمار یہ آدمی رہے اور سب طرف شہر کی حفاظت کو اچھے اچھے مدبر اور کارواں آدمی مقرر ہوئے کس واسطے کہ تمام صوا گنواروں سے بھرا ہوا تھا اور اس روز کسی طرح اُن پر غالب ہونے کا گمان نہ تھا لیکن من جانب اللہ تائید غیبی اور امداد لاریبی ایسی شامل حال ہوئی کہ شہر والوں کے باہر نکلتے ہی جو جاٹوں نے حملہ کیا اور بندوقیں فیر کیں تو گولیاں باد ہوائی گئیں اور شہر والے تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑ پڑے .... جب بدخواہوں نے یہ حال دیکھا تو ناچار فرار کو قرار پر اختیار کیا .... بعد اس کے پھر کبھی جاٹوں کو امروہہ پر حوصلہ چڑھائی کا نہ ہوا۔" [1]

اسلامی سلطنت دوبارہ قایم کرنے کا خیال

تمام ضلع اور بالخصوص امروہہ میں غدر اور بلوہ کی شدت چار پانچ ماہ تک جاری رہی، ڈسٹرکٹ گزٹیر میں [2] بیان کیا گیا ہے کہ :-

" مسلمانوں۔ نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور صریح طریق پر ظاہر کیا، روہیلکھنڈ کے تمام اضلاع کی طرح مراد آباد کے ضلع میں

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۔ [2] صفحہ ۱۶۶ ڈسٹرکٹ گزٹیر۔

بھی تعصب مذہبی اور انگریزوں کی ہربات سے انتہائی تنفّر کے جذبات نے مسلمانوں
کو عام بغاوت پر مشتعل کیا تھا "

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر کی اس رائے سے خواہ کیسا ہی اختلاف کیا جائے لیکن کاغذات دیرینہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء سے لیکر آخری ہفتہ ستمبر ۱۸۵۷ء تک ان چار مہینوں میں امروہہ کے بعض مسلمان روساء اور سربرآوردہ لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت اسلامی کے ازسرنو قایم کرنے اور حصول منفعت ذاتی کا ذریعہ پیدا کرنے کے خیالات کا ہجوم اور تسلّط ضرور رہا چنانچہ بعض موقع شناس اور سربرآوردہ مسلمانوں نے شاہ معزول دہلی کی خدمت میں عرضداشتیں ارسال کیں جن میں اظہار عقیدت و جاں نثاری کے علاوہ انگریزی سلطنت کے مٹانے اور اسلامی سلطنت ازسرنو قایم ہونے کی آرزو ظاہر کرکے قصبہ امروہہ بلکہ ملک کھٹیر (روہیلکھنڈ) کا اہتمام و انتظام سپرد کئے جانے کی استدعا کی گئی تھی۔

اہل امروہہ کی شاہ معزول کو عرضداشتیں

فتح دہلی کے بعد جب شاہی دفتر کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی تو اہل امروہہ کی یہ عرضیاں بھی برآمد ہوئیں، انکے فرزندگان کے نام و پتے دیرینہ کاغذات میں اس طرح ثبت ہیں :-

(۱) عرضی ذرّہ بے مقدار خاک ازنمک خوار کمترین نیاں محمد شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان از سادات امروہہ معروضہ دوم ماہ ذالحجہ الحرام ۱۲۷۳ھ۔

(۲) عرضی فدویان شیخ بشارت علی خان و شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عبّاس علی خان و شیخ عشرت علی خان و شیخ احسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان پنجہزاری خانہ زاد موروثی ساکنان قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل معروضہ ۱۶ شوال ۱۲۷۳ھ

(۳) عرضی مہری و لیداد خان معروضہ ۷ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ۔

(۴) عرضی فدویان سید گلزار علی و سید نثار علی و سید محمد حسین و سید محمد و سید فضل حسن و شیخ الٰہی بخش وغیرہم ساکنان امروہہ۔ ۶ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ

(۵) عرضی کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی متوطن معافی دار امروہہ معروضہ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۳ھ۔

(۶) عرضی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان معروضہ ۹ ذالحجہ سنہ احدیٰ جلوس والا دربارہ یاددہانی عرضی مرسلہ بتاریخ ۱۶ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان میں سے بعض عرضداشتوں کی نقول تمام و کمال ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

عرضداشتوں کی نقول

نقل عرضداشت سید شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ساکن محلہ دربار کلاں موسومہ شاہ معزول دہلی

بعد عرض: بندگان قدس آشیان ملائک پاسبان بارگاہ فلک اشتباہ ظل الٰہی خلافت پناہی ادام اللہ اجلالہ و اقبالہ اعلیٰ می رساند

عرضداشت ذرہ بے مقدار جان نثار نمک خوار کمترین بیان محمد شبیر علی خان کہ ہموارہ در تمنائے استماع مژدہ فتح و ظفر رایات نصرت آیات بندگان سکندر شان و دارا دربان بودہ مترصد بشارت فتوحات تازہ و تفرحات بے اندازہ می ماند قبل ازیں بعہد عدالت مہد سلطنت شاہی آبا و اجداد ایں جان نثار بمرحمت مناصب جلیلہ و عطاہائے نبیلہ از قبل خطاب و منصب و جاگیرات معزز و سرفراز بودہ مورد اصناف مراحم شاہانہ و گوناگون عطیات و عنایات خسروانہ ماندہ اند چنانچہ ببرکت ہماں عنایت و امداد شاہی ذریعہ اوقات گذاری و وسیلہ سپاسداری است و ہموارہ بہ استدعائے اعلائے رایات ظفر آیات و ارتقائے اعلام نصرت انجام موظف و شاغل۔ دریں آوان میمنت اقتران کہ رشحات دولت و اقبال از سحاب افضال حضرت ذوالجلال رسیدہ و بامراد عنایت خالق العباد بر پرچم اعانت و امداد و زین

ناصیۂ فدویت بدرگاه معبودی سائیدم وسجدات شکرگزاری مجاب ایزد باری بتقدیم رسانیدم تمنائے این جان نثار آن بود که بدرگاه ملائک پناه ظل اللهی حاضر شده بتجربۂ جان نثاری به ادائے سپاسداری کوشم مگر انا بجا که بالفعل بسبب درهمی و برهمی حکومت کفرهٔ ظلمه واختلال احوال عامه رعایا و یورش وافساد و باغین بدنهاد و تعدی و تغلب قوم جاٹان بے بنیاد صورت بے سرانجامی اطراف و بے انتظامی این اکناف واقع است از احصال سعادت عتبه بوسی آستان ملائک پاسبان محرومی دارد و معهذا هنوز بوجه شورش و یورش مفسدان امنیت طریق کما ینبغی صورت نه بسته اند که ازین طرف دغدغه باقی ست چون الکنون به اقبال خسروی وامداد شاهنشاهی هرگونه امن و هر نوع رفاهیت و اطمینان زمرهٔ جان نثاران ظل اللهی می مانم فروغ آفتاب عالمتاب سلطنت جهان بانی بر سر بندگان دائماً پرتو افگن باد بالنون والصاد۔

عرضی

ذرهٔ بے مقدار خاکسار نمکخوار کمترین کمترینان محمد شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان از سادات امروهه تحریر دوم ذی الحجه ۱۲۷۳ھ

(۲) نقل عرضداشت نبیرگان درویش علی خان چهیزاری مرقومه شانزدهم شوال ۱۲۷۳ھ

بعز عرض بندگان حضور لامع النور معدلت منشور حضرت ظل سبحانی خلیفة الرحمانی شاهنشاه گیتی پناه خلد الله ملکه و سلطنته می رساند

بعد تقدیم مراسم عبودیت وجان نثاری وتجیم لوازم فدویت وانکساری که سرمایه تفاخر سرمدی هست درین ایام فرخنده فرجام به استماع مژدهٔ جان بخش روح افزائے زیب بخشی افسر و دیهیم خلافت الهی و زیب افزائے اورنگ شاهنشاهی این غلامان قدیمی و خانه زادان موروثی نبیرگان درویش علی خان منصب دار چهیزاری به اقبال والا جانبازی بکار برده و مبارزت و دلیری کرده باستیصال بندوبست انگریزان از سرکار سنبهل و کل قصبات متعلقه سرکار موصوفه ساخته واز قصبۂ امروهه خاص کوتوالش ودیگر متعلقان و خیرخواهان انگریزان را به جهنم رسانیده وانهدام مکان تهانه و تحصیل گردانیده شیخ بشارت علی خان برادر کلان

خود را کہ از سبق نظم اند معہ پانصد کس مبارز و مستعد برائے انتظام آنجا گذاشتہ فدویان
بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان المبارک سنہ چہل من برائے جان نثاری تحت عنو فیض گنجور
و قدم بوسی بندگان درگاہ ملائک پناہ کہ ملجائے جہان و ماوائے بندگان قدیمی خانہ زادان
موروثی است از قصبہ امروہہ دوان دوان تا غازی الدین نگر رسیدہ راہ دہلی پیش
گرفتیم کہ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب محمد علی داد خان بہادر بتاریخ دوم ماہ شوال از
پل دریائے ہنڈن واپس گردانیدہ ہمراہ خود بمقام مالاگڈھ آوردند و بسیار الطاف فرمودند
اکنون ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم ہستیم
مستحق منصب موروثی لہٰذا امید کہ بتفضلات حضرت ظل سبحانی و سایۂ یزدانی
بمراحم شاہنشاہی و بمناصب موروثی سرفرازی یافتہ بہ انتظام ملک کٹھیر مامور
شویم کہ انجام آں باقبال بندگان والا بخوبی خواہد شد۔ الٰہی آفتاب جہانگیر کشور کشای
از مطلع جاہ و جلال طالع باد بحرمت النون و الصاد۔ فقط۔

عرضی

فدوی شیخ بشارت علی خان و فدویان شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ
اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ عزت علی خان و شیخ حسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ
منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان چبہرادی خانہ زاد موروثی ساکنان قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل
معروضہ شانزدہم شوال سنہ ۱۲۷۳ ہجری۔

(۳۳) عرضداشت مولوی سبحان علی (پیرزادہ) مرقومہ ۲۵ ذیقعد سنہ ۱۲۷۳ھ

بموقف عرض بارگاہ مکان آسمان فیض نشان خورشید ضیاء مریخ حشم حضرت خداوند گیہان سلطان زمین و زمان مجاہد دین و ایمان ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی خلد اللہ ملکہ می رساند
پس از بجا آوری مراسم تسلیمات و کورنش و بجا آوردن فدویت کہ غلامان عقیدت کیشان را ذریعہ بہبودی کونین است
الحمد للہ علیٰ افضالہ کہ دعاہائے سحری و ادعیہ التجائے نیم شبی دعاگویان موروثی و نمک خواران
ازلی بدرگاہ اجابت رسیدہ یعنی بہ یاوری اقبال عدو مال حضرت قضا جریان فرقہ معاندین

بدنہاد جا بجا مقتول و ہلاک گردیدہ و نیر اقبال والا طالع گشت و تسلط غلامان دولت قاہرہ بہر طرف ملک گردیدہ و می گردد چنانچہ بیمن اقبال والا ازیں ملک و ضلع ہم اخراج فرقہ نصارائے و خلوہ ملک از حاکمان حکمران گردیدہ بس از چند سالہا تمنائے دلی و آرزوئے قلبی غلامان عقیدت کیش و دعاگویاں برآمد کہ سایہ حضرت ظل سبحانی بر مفارق خلق اللہ کہ عقیدت سرایاں بود مگر بہ عالم ظہور ہم منبسط گردیدہ ؎

بحمد اللہ ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

دل فدویت منزل بے اختیار می خواست کہ قدم از سر و چشم ساختہ مشرف دربار فلک اقتدار و مستفیض بارگاہ عرش اشتباہ گردد و مراتب جان نثاری و مراسم دولت خواہی بدل و جان ادا سازد الا چوں از چند ماہ بیمار و صاحب فراش بود طاقت طے منازل و مراحل نداشت ازیں سبب مجبور ماندہ و حقوق نمک خواری و جان نثاری موروثی ہست...

ازانجا کہ خانہ زاد رسوخ موروثی و فدویت ذاتی بحضور بندگان عالی دارد مورد مراحم خسروانی بودہ است مستحق تفضلات خسروانہ.... متوقع کہ اصدار فرمان قضا جریان مشعر خوشنودی مزاج بارگاہ فلک پناہ بنام ایں عقیدت کیش گردد تا موجب مفاخرت گردد و مطابق (آں) خود را مشرف دربار والا ساختہ حقیقت حال گذارش سازد۔

آفتاب ترقیات سلطنت و جہانبانی تاباں و درخشاں باد

عرضـــــــــــــــــی

نبیرۂ حضرت سید محمود مالا مال کرمانی قدس سرہ العزیز کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی[1] متوطن حامید امروہہ

مورخہ ۲۵ ر ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

---

[1] مولوی سبحان علی بن مولوی امداد علی، جنہوں نے یہ عرضداشت شاہ معزول دہلی کو ارسال کی تھی، اپنے زمانہ میں خاندان پیرزادگان کے معتدر رکن اور امروہہ کے مشاہیر اکابر و عمائد میں سے تھے۔ یہ امر البتہ حیرت انگیز ہے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں شاہ معزول (دہلی) کو درخواست بھیجنے اور انگریزی حکومت کے خلاف صاف اور صریح الفاظ

(۴) عرضداشت دیگر من جانب شیخ بشارت علی خان (قوم کلال)

باریابانِ درگاہِ ملائک پناہ خداوندِ خدایگان کیخسرو حشمت پژدہ حضرت ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمانی حضرت شاہ عالم پناہ خلد اللہ ملکہ

بموقف عرض ——— می رساند

بعد بجا آوری مراسم عبودیت و انکساری ولوازم فدویت و جان سپاری کہ موجب فخار

دارین ہست قبل ازیں بتاریخ شانزدہم ماہ شوال سنہ ۱۲۷۴ھ عرضداشت محتوی حال فدویت

(بقیہ صفحہ ٦٦)

میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے باوجود مولوی سبحان علی سنہ ۱۸۵۷ء کی دار وگیر سے نہ صرف قطعاً آزاد و محفوظ رہے بلکہ حکام انگریزی کے یہاں بھی غدر کے پُر آشوب زمانہ کے بعد ہی انہوں نے کافی رسوخ اور وقعت بھی حاصل کرلی تھی۔ اگرچہ یہ بہت ممکن ہے کہ بعد میں اُن کے سیاسی خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہو تاہم اس عرضداشت کا مضمون اور اس کا لب و لہجہ ایسا ہرگز نہ تھا کہ ان سے مطلق باز پرس نہ ہوتی۔ ان کی یہ عرضی بھی اہل امروہہ کی دوسری عرضیوں کی طرح شاہ معزول کے دفتر سے برآمد ہوئی تھی، دوسرے عرضی گذاروں پر تو جرم بغاوت میں سنگین مقدمات قایم ہوئے اور تحقیقات کے بعد سخت سزائیں بھی دی گئیں لیکن مولوی سبحان علی کلیتاً آزاد و محفوظ رہے۔ ظاہر ہے کہ اسکی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ بعض سن رسیدہ حضرات سے خاکسار مؤلف کو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مولوی سبحان علی کے ہم نام ایک اور شخص سادات امروہہ میں محلہ دربار کلاں کے ساکن بھی تھے جو جُرم بغاوت کی علت میں مفرور ہو گئے تھے۔ سرکاری کاغذات کی نقول میں "سید سبحان علی مفرور" کے الفاظ خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں۔ غالب قیاس یہی ہے کہ یہ عرضی بھی بجائے مولوی محمد سبحان علی پیرزادہ کے ان ہی "سید سبحان علی مفرور" کی جانب منسوب کی گئی اور چونکہ اس زمانہ تک پیرزادہ صاحبان کی سیادتِ نسبی اور فاطمیت کا اظہار بھی عام طور سے نہیں ہوا تھا، اس خاندان کے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ پیر لکھا جاتا تھا اور خود یہ حضرات بھی اپنے ناموں کے ساتھ یہی لفظ لکھا کرتے تھے۔ ناموں کے ساتھ سید کے لفظ کا استعمال اسوقت تک شروع نہیں ہوا تھا اور "نبیرہ سید محمود مالامال کرمانی" کے بجائے اہل شہر اور حکام اس خاندان کے افراد کو نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ جانتے اور سمجھتے تھے۔ اسلئے حکام کو مولوی سبحان علی مرحوم سے سوءِ ظنی کی کوئی وجہ

مثال یعنی از تاریخ بست و پنج ماہ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ مستعد و سرگرم بودن ما فدویان در کار سرکار دولت مدار دعی استیصال بندوبست انگریزاں از سرکار سنبھل و قصبات متعلقہ آں و روانہ نمودن برادران مہربان علی وغیرہ معہ اعتماد الدین خان وغیرہ غلام فاد علی و برادر زادہائے غلام فیاض علی خان وغیرہ معہ رفقائے دیگر چہل تن بحضور معدلت نشور و اپس آوردن نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک محمد دلی داد خان بہادر نصرت جنگ اوشاں را از پل دریائے ہنڈن متصل غازی الدین نگر بتاریخ دوم ماہ شوال سنہ صدر برفاقت خود بمقام مالاگڑھ برائے انصرام کار بندگان سرکار فیض آثار طلب عرضداشت نواب صاحب موصوف ترسیل خدمت ایستادگان پایہ تخت عرش منزلت نمودہ بود کہ بیاسخ آں زمان قضا جریان بنام نواب صاحب ممدوح نزول اجلال فرمودہ مفتخر دارین ساخت اگرچہ کمترین بسبب بودن بمقام امروہہ بنا بر اعانت زمینداران و ممانعت اجرائے تحصیل خیر سگالان نصاریٰ از شرف استیعاب دید ار فائض الانوار بس ممتاز نہ گردید لیکن بعد تعین داشتن برادر عزیز ولایت علی خان را برائے انجام کار معروضہ بالا بہ امروہہ وحاضر گردیدن فدوی بمقام مالاگڑھ حسب الطلب نواب صاحب بہادر بہ استماع حکم مندرجہ اش از زبان فصیح البیان نواب صاحب موصوف بدیں منوال کہ ایشاں یعنی فدوی برفاقت نواب صاحب ممدوح حاضر بودہ و انتظام صوبہ ملک دوآبہ پرداختہ بعد انتظام آں مع جماعت حاضر آستان عرش نشان گردد کہ بمراد دلی بخدمت و مناصب موروثی سرفرازی خواہد یافت بنا بر آں خانہ زاد موروثی بہ شرف استماع حکم جہان مطاع آفتاب شعاع انصرام کار سرکار فلک استدار

(بقیہ صفحہ ۶۷)

نہ تھی۔ ان کی نظروں میں نہ وہ بغاوت کے مجرم تھے اور نہ ان سے کوئی بازپُرس کی گئی۔ الغرض ان کے نام کے ساتھ اس طرح اس عرضی میں لفظ "سیّد" کے شمول کی برکت نے انہیں آفات زمانہ سے کلیتاً معفوٗ ن و مامون رکھا۔ ع

رسیدہ بود بلائے و لے بہ خیر گذشت

دریں نوع جواد احد دانستہ بہ خلافت نواب صاحب بہادر مع برادر و برادر زادہائے و غلام زادگان بکار سرکار فیض آثار عرضداشت نواب صاحب ممدوح منکشف رائے جہان آرائے خواہد بود آئندہ اندریں باب بحوی کہ حکم قضا شیم شرف نفاذ یابد حسب آں عمل آرد۔ الٰہی آفتاب دولت واقبال از مطلع جاہ و جلال طالع باد بالنون و الصاد۔

عرضی

کمترین خانہ زاد فدوی بشارت علی خاں نبیرہ درویش علی خان مرو صنہ ۱۰ ذی الحجہ

عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقعہ

ان عرضداشتوں میں سے سید شبیر علی خان کی عرضداشت کے جواب میں شاہ معزول دہلی کی جانب سے ایک شقّہ سید مذکور کو وصول ہوا۔ اسکی نقل، جو کاغذات دیرینہ کے تجسس میں ستیاب ہو گئی ذیل میں شایع کیجاتی ہے۔ ایام غدر میں نواب صاحب رامپور کی جانب سے امروہہ کا انتظام مندرجہ ذیل عہدہ داروں کے سپرد تھا:۔

(۱) اولاً سید ظہور حسن[1] عارضی طور پر پھر صاحبزادہ اصغر علی خان مستقلاً (ناظم)

(۲) مولوی محب علی خان عباسی (تحصیلدار) (۳) سید یعسوب الدین[2] (تھانہ دار)۔ (۴) منشی کریم بخش عباسی۔ (کوٹ گشت یعنی انسپکٹر)

شقہ شاہی متذکرۂ صدر کے متعلق جو رپورٹیں عہدہ داران مذکورہ بالا نے حکام بالا دست کو ارسال کیں ان کی نقول بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

نقل روزنامچہ واقعہ ۲۴ اگست مطابق ۲ محرم ۱۲۷۳ھ ہجری۔

"خبر منتشر موجب ورود سید یعسوب الدین تھانہ دار آسی محرر و مددگار اس مضمون سے

---

[1] سید ظہور حسن نبیرہ سید دوست علی بن سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین بن سید کبیر بن دیوان سید محمود۔ [2] سید یعسوب الدین بن سید شرف علی نبیرہ سید دوست علی مذکور۔

پہونچی کہ شقہ شاہی دہلی سے واسطے بندوبست پرگنہ امروہہ بنام سید محمد شبیر علی خان پسر نذیر علی خان مرحوم کے صادر ہوا ہے سو بر طبق ورود شقہ موصوف کے ارادہ افغ خان صاحب موصوف کا ہے کہ بندوبست امروہہ کا طرف بادشاہ دہلی سے کریں اور تھانہ و تحصیل سب اپنی تجویز سے مقرر کریں۔ یہ خبر مندرجہ روزنامچہ کی جائے۔ چنانچہ حسب تحریر تھانہ دار کے خبر اطلاعاً درج روزنامچہ کی گئی۔"

نقل عرضی کریم بخش کوٹ گشت

"عرصہ پانچ روز کا ہوا کمترین واسطے گرفتار کرنے مجرمان لمقدمہ غارت گری بخش اللہ خان صوبہ دار اور ڈھونڈھے خوشحال وغیرہ مدعیان کے موضع ڈکبہ اور مونڈھا وغیرہ دیہات کے گیا تو کل کے روز مال مدعیان قسم نقدی و پارچہ برآمد کر کے لایا جب امروہہ میں آیا معلوم ہوا کہ ایک شقہ شاہی شاہجہاں آباد سے بنام محمد شبیر علی خان[1] پسر سید محمد نذیر علی خان برادرزادہ سید محمد حسین خان کے آیا ہے چنانچہ اُس کی نقل ارسال حضور کی جاتی ہے۔ عرضی محررہ ۲۶ اگست ۱۸۵۷ء"

نقل شقہ معطوفہ عرضی کوٹ گشت

"سیادت پناہ شجاعت دستگاہ محمد شبیر علی خان مورد تفضلات بدہ بدیں عرضی آں سیادت پناہ مشعر بر رسوخ ارادت و خصوص عقیدت در بارگاہ فلک اشتباہ خسروی بہ امید احراز سعادت حضوری و باز ماندن بسبب فتنہ و فساد جاہلان ناہنجار ضیاء اندوز انظار قدسی گردید و تجلی کیفیت معروضہ بوضوح رسید۔ لہٰذا زیب ارقام

---

[1] یعنی سید شبیر علی خان بن سید نذیر علی خان بن سید انور علی خان بن سید ارشد علی خان بن سید باقر علی خان بن سید رحم علی خان بن سید عبد العزیز بن دیوان سید محمود بن سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن سید شاہ ابو الحسن بن سید محمد میر عدل۔

می رود کہ آں فدوی خاص تا انتظام کلی آنجا قصد احضار در دولت نہ نماید و ہرگاہ امنیت
کامل و بند و بست بہ ظہور رسد کاغذ جمع خرچ از تحصیل بعد مجرائے مصارف ضروری حاضر
حضور شود دریں صورت موید الطاف بادشاہی خواہد گردید - زیادہ تفضلات شناسند -

المرقوم ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ ہجری -"

نقل عرضداشت مولوی محب علی خان سابق تحصیلدار امروہہ

"فدوی بہ اتفاق سید موسیٰ رضا کوتوال مراد آباد اور ہمراہیان کے واسطے انتظام
سرکاری اندفاع فساد اور شورش جاٹان کے موضع رجب پور میں گیا اور اول انتظام راستہ
کا واسطے امنیت مسافران کے کرکے کشن سنگھ وغیرہ جاٹان کو طلب کیا چنانچہ وہ حاضر
آن کر مطیع فرمان ہوئے اور مچلکے انتظام راستہ کے لکھ دیئے اور عند الطلب باقی ذرگی
اپنے کے کہ بہت قلیل ہے وعدہ پانچ چار روز کا کیا بعد اسکے فدوی بہ طلب پیشکار محال امروہہ،
میں آیا تو اکثر شہر میں تذکرہ شقہ بادشاہی موسومہ شبیر علی خان اور مطالبہ انکا زر کثیر مہاجنان
شہر سے واسطے نگاہداشت سپاہیان کے پایا اگرچہ اس قدر عرصہ میں گونہ صورت انتظام
کی ہوتی آتی تھی کہ اس شقہ سے صورت بدنظمی کی ہوگئی، ساکنان شہر نے اب تک زر قسط فصل
داخل نہیں کیا تھا بعض مالگذاران دیہات کا وعدہ ادائے قسط کا تھا کہ اس وجہ سے وہ بھی
وصول ممکن نہیں - دریں صورت اگر جناب حکیم سعادت علی خان صاحب بہادر معہ دو ضرب
توپ کے یہاں تشریف لاویں تو بخوبی انتظام متصور ہے اور صبح فدوی بہ معیت کوتوال
موصوف انتظام راستہ طرف نوگانوہ وغیرہ کے جاوے گا اور وہاں بھی مفسدوں سے
مچلکہ لکھوا کر بتاریخ نہم محرم واسطے عرض حال مفصل کے حاضر حضور ہوویگا - اطلاعاً
عرض ہے - معروضہ ۲ر اگست سنہ ۱۸۵۷ء "

عرض:

ی

فدوی محمد محب علی - تحصیلدار امروہہ -

باغیوں کی چند روزہ حکومت

تعینہ شاہی کے پہنچنے پر سید شبر علی خان اور اُن کے ساتھیوں نے امروہہ میں اپنی حکومت قایم کرنی چاہی۔ مسٹر (بعد کو جان) اسٹریچی مجسٹریٹ مرادآباد نے ماہ فروری ۱۸۵۸ء میں مقام امروہہ مقدمۂ بغاوت کی جو تحقیقات فرمائی اور اس سلسلہ میں سید محمد حسن خان دانشمند، ناظر (بعد کو راجہ) گور سہائے، میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی، جوہر مل ساہوکار، ہر پرشاد قانون گو وغیرہ کے جو اظہارات ہوئے ان سے بخوبی ثابت ہے کہ ابتدائے ایام غدر میں سادات محلہ دربار کلاں اولاد دیوان سید محمود اور شیوخ کلال نیز گلزار علی درویش علی خان منصب دار چھزاری محمد فرخ سیری نے امروہہ پر اپنی حکومت قایم کی، رعایا سے پندرہ پندرہ بیس بیس برس کا زمیندارہ وصول کیا، ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا، مہاجنوں اور ساہوکاروں سے بھی روپیہ طلب کیا حتیٰ کہ ایک فقیر حسین شاہ تکیہ دار کو مار باندھکر اس سے روپیہ حاصل کیا، لیکن یہ حالت چند ہی روز رہی۔ بعد کو نواب صاحب رام پور نے سید گلزار علی کو شکست دیکر امروہہ پر پورا تسلط قایم کیا۔ ناظر گور سہائے نے اپنے اظہار میں بیان کیا تھا کہ:-

> "سیدوں امروہہ نے امروہہ پر اپنا تسلط کیا، اپنی منادی پٹوائی اور گشت اپنی رکھی اور حق زمینداری قصبہ امروہہ کا باشندگان امروہہ سے ۲۲ برس پہلے کا وصول کیا.....
> دو اہیروں کو مار ڈالا اور روپیہ ان کے چھین لئے، ایک سنار کو اور ایک کھتری کو ان کے گھر پر چڑھ کر مار ڈالا، جو کچھ جھگڑا آتا اس کو فیصل کرتے،.....اور حویلی میری ان ہی ایام میں اُڑوادی، دو ہزار روپیہ کی لاگت کی تھی۔ اب میں نے وہ حویلی بنوائی ہے۔"[۱]

مولوی کریم بخش عباسی نے جو ایام غدر میں من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ کے کوٹ گشت

---

[۱] بیان ناظر گور سہائے بہ اجلاس مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی۔ ۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء۔

تھا اپنے اظہار میں جو فروری ۱۸۵۸ء صاحب مجسٹریٹ کے سامنے دیا بیان کیا کہ :۔

" ناظر گور سہائے کے چلے جانے کے بعد سادات نے اپنے آدمی مقرر کئے اور ہر ایک رعایا کو
پکڑوا منگوایا اور تحصیل زمینداری کی کری۔ بڑے دربار والوں نے بڑے دربار کی طرف کی
تحصیل کری (کی) اور اسی تحصیل زمینداری میں سُنار نے عذر کیا تھا کہ اس کو مار ڈالا
اور اس کا گھر پھونک دیا۔ اور مقدمہ سرکار میں دائر ہوا تھا کہ بہ سبب نہ بہم پہنچے ثبوت کے
رہائی ہوئی اور طرف محلہ غلام علی والوں کے رمضان علی نے تحصیل کری (کی) اور کلالو
نے اپنی طرف سے اپنی تحصیل کری (کی)، اور مگلوں والوں (سید یاد علی سجاد علی) نے اپنی
جگہ پر رعایا سے تحصیل کری (کی)[1] اور دس دس بیس بیس برس پہلے کی زمینداری تحصیل
کری (کی) بعد کو سرکار کی طرف سے جب نواب صاحب (رام پور) نے عمل دخل یہاں کیا تب سب
متفق ہو کر وہاں گئے۔ اوّل یہ درخواست کری (کی) کہ جو حاکم مقرر ہوں ہمارے اختیار سے
ہوں۔ دوم نذرانہ معاف کر دیا جائے اور باقی جو ہے وہ اگلے سالوں پر ڈال دیا جاوے
اور اور بات اسی قسم کی درخواستیں کریں (کیں) ...... بعد کو نواب صاحب (رام پور)
نے مجھے یہاں کا تھانہ دار کیا اور (مولوی) محبّ علی (خان عبّاسی) کو تحصیلدار کیا۔ برائے
نام تھانہ دار تحصیلدار تھے مگر سب زور سیّدوں کا رہا اور برائے نام دخل نواب صاحب
کا ہوا اور جیسا دخل چاہئے قرار واقعی نہ ہونے دیا اور اپنا ناظم اور تھانہ دار اوروں کو
کرایا۔ جب نواب صاحب نے گلزار علی کی لڑائی ماری اور علی اصغر خان کو ناظم کیا اور
ابن علی کو تھانہ دار کیا اور چھوٹے لال کو تحصیلدار کیا تب پورا دخل ہوا۔ نہیں تو برائے
نام دخل تھا اور اس عرصہ میں جب تک بے دخلی نواب صاحب کی رکھی بادشاہ (معزول
دہلی) کے ساتھ رسل رسائل رکھے۔ ایک فرمان شبیر علی خان کے نام واسطے کرنے انتظام

---

[1] سیّد محمد نے چھوڑہ میں اپنے محلّے کے چماروں اور رعایا سے زمیندارہ تحصیل کیا (بیان میر بنیاد علی)

کے آیا۔ اس کی نقل میں نے نواب صاحب (رام پور) کے پاس بھیج دی ہے مگر سنا ہے کہ سوائے اس کے اور بھی فرمان بنام شیخ محمد افضل اور شیخ بشارت علی خان اور اور کسی کے آیا مگر یہ فرمان ظاہر نہ ہوئے ....

اور شرفت علی وغیرہ اقوام سادات اپنے آپ کو نواسہ اور منصب دار بادشاہی کہتے تھے۔ .. جب حکیم سعادت علی خان جانب سرکار سے واسطے مقابلہ گلزار علی کے آئے اور فرحت علی و یوسف علی خان، محمد حسین خان، مولوی تراب علی نے جو توپ مانگی تو بپاس خاطر گلزار علی نہ دی ...... اور ولایت علی خان، مہربان خان اور بشارت علی خان گلال ..... اپنے باپ دادوں کو منصب دار بادشاہی بتاتے تھے اور یہ امر میرے روبرو کہتے تھے کہ دادا ہمارے درویش علی خان وزیر تھے ...... اور نجیب خان باغی بھی ان کے کہنے سننے سے آیا اور نور آہن پور اور رجب پور میں ان کے اشارہ سے رسد دی گئی۔" [1]

نواب صاحب رام پور کا انتظام

اس کے بعد نواب صاحب رام پور نے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور امروہہ کی نظامت پر ناظر گور سہائے کو مامور فرمایا۔ یہ امر روسا، سادات اولاد دیوان سید محمود کے خلاف منشا ہوا، ناظر گور سہائے کا بیان ہے کہ:-

" سارے رئیس امروہہ کے مرادآباد میں گئے اور انہوں نے جا کر نواب صاحب کو عرضیاں دیں کہ ہم ناظم ہونا گور سہائے کا نہیں چاہتے اور تھانہ داری افضل علی سے راضی نہیں ہیں۔ ہمارا ہی ناظم ہوئے اور ہمارا ہی تحصیلدار ہوئے اور ہمارا ہی تھانہ دار اور ان ہی ایام میں واسطے معافی نذرانہ کے اور اور بات کی عرضی دی تب نواب صاحب (رام پور) نے مصلحتاً ان ہی لوگوں میں سے (سید) شرف علی کا بیٹا یعنی سید

---

[1] بیان مولوی کریم بخش عباسی ۱۹ فروری ۱۸۵۸ء بہ اجلاس مسٹر اشرکی مجسٹریٹ۔

یعسوب الدین (دہست علی والے)، تھانہ دار کر دیا (امروہوی) محب علی (خان عباسی) ساکن
امروہہ کو تحصیلدار کر دیا مگر ناظم اپنا ہدایت علی خان اپنے سالہ کو کیا[1] لیکن سادات نے
ان کو دخل نہ دیا اور نہ تحصیل ہونے دی اور سید ظہور حسن کو اپنا ناظم مقرر کرایا اور اس وقت
میں سیدوں کا دور دورہ رہا۔ طرح طرح کی زیادتی سیدوں نے کی اور گلزار علی بھی یہاں رہا
اور خفیہ بھرتی فوج کی سب کے اشارے سے گلزار علی نے کرنی شروع کی ہر طرف ہزاروں
(آدمی) لے آیا۔ جب میں نے عرضی مقام حسن پور سے صاحب کمشنر اور نواب صاحب (رامپور)
کے پاس بھیجی اور لکھا کہ دو تین ہزار آدمی گلزار علی نے بھرتی کرلئے ہیں اگر زیادہ زور پکڑ گیا تو فساد
ہوگا تب نواب صاحب فوج لائے اور گلزار علی کو شکست دی اور اپنا بندوبست بخوبی کیا
اور پھر نظامت (سید) ظہور حسن کی نہ رکھی اور تھانہ داری بھی سیدوں کی نہ رکھی۔ ابن علی
چندوسی سے آیا، تھانہ دار ہوا اور نواب علی اصغر خان ناظم رہے۔"[2]

سید گلزار علی کے فوج بھرتی کرنے کی تائید عبد العلی خان کے مندرجہ ذیل خط موسومہ
سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۵۷ء سے بھی ہوتی ہے:۔

"خان صاحب مشفق مہربان دوستان سید علی مظفر خان صاحب رئیس امروہہ سلمہ اللہ تعالیٰ
پروانہ حضور پرنور نواب صاحب بہادر بہ جواب عرضی سید ظہور حسن ناظم امروہہ جو مشعر
پہنچے سید گلزار علی مع خواجہ حسن سابق تھانہ دار رڑکی اور بھرتی کرنے سوار اور پیدل اور
تیار کرنے باروت اور اظہار اس بات کے کہ ماڑے خان[3] آ پہنچ سامان استظہار کر در رامپور

---

[1] اور (سید) ظہور حسن ناظم ہوئے اور (سید) رمضان علی (کٹرہ والے) اور (سید) غلام سجاد اور فرحت علی رسالدار ہوئے
پانچ چھ سو آدمی کا گروہ انکا ہے۔ سب ایک سے تھے اور پندرہ سو روپیہ مہینہ نواب صاحب سے کئی مہینے تک لیا اور سید محمود والوں
میں محمد علی مختار اور سلطان علی بھی انکے ساتھ رہے (بیان میر ضیاء علی ۱۲ فروری ۱۸۵۸ء) [2] مختصر بیان ناظر گورسہائے
بمقدمہ بغاوت باجلاس مسٹر (عبد کو سرجان) اسسٹنٹ مجسٹریٹ مراد آباد واقع ۱۴ فروری ۱۸۵۹ء بمقام امروہہ [3] ماڑے خان باغی

بھیجی گئی تھی، اس ارشاد سے ورود ہوا کہ غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کو مع
ایک ہزار پیادہ اور دو سو سوار موجودہ مراد آباد اور در صورت موجود نہ ہونے دو سو سواروں
کے مراد آباد بھیجنے ایک سو سوار اور دو ضرب توپ امروہہ کو اس واسطے کہ خان مذکور
سید گلزار علی کو فہمائش کرکے ان حرکات سے باز رکھیں اور کہہ دیں کہ امروہہ میں فساد
نہ کریں اور جو موی الیہ فہمائش خان موصوف سے باز نہ آوے تو تدارک مشار الیہ
کا کریں اور تم سب صاحبوں کو لکھا جاوے کہ تم بھی ممد و معاون خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ
کے رہو ورنہ بعید خیر خواہی تمھارے سے متصوّر ہوگا اس واسطے غلام ناصر خان صاحب
ڈپٹی مجسٹریٹ امروہہ کو بھیجے گئے آپ کی خدمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ آپ
اس امر میں شریک اور ممد اور معاون غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے
رہیں اور در صورت عدم اشتراک بعید خیر خواہی تمھاری سے متصوّر ہوگا فقط

المرقوم ۱۳ نومبر ۱۸۵۷ء

مُہر عبد العلی خان

انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط

موسم سرما میں کوئی خاص واقعہ قابل تذکرہ پیش نہیں آیا۔ امروہہ اور حسن پور کی تحصیلوں میں البتّہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات ہوتے رہے۔ ۲۱ اپریل ۱۸۵۸ء میں شہزادگان دہلی میں سے فیروز شاہ دہلی کا ایک شہزادہ معہ کچھ فوج کے، جو خان بہادر خان بریلی کے برائے نام حکمراں نے مہیا کی تھی، مراد آباد میں آ داخل ہوا۔ تمام فوج متعینہ امروہہ باغیان نجیب آباد کے ہمراہ معہ اپنی توپوں کے شہزادہ مذکور سے مراد آباد جا ملی[1] اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوگیا، یہ خبر سنکر جنرل جونس، کرنل کک نے دستہ فوج انگریزی کے ساتھ مراد آباد کو کوچ

(بقیہ صفحہ ۵۷) نواب محمود خان نجیب آبادی کے ساتھیوں میں بہت شورہ پشت شخص تھا۔

[1] تحریر نواب یوسف علی خان بہادر موسومہ نواب کاظم علی خان بہادر۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مسٹر ولسن نے ابتدائے ایّام غدر میں ناظر گور سہائے کو امروہہ کا ناظم مقرّر کیا تھا لیکن چند ہی ہفتہ بعد جب غدر کی شورش نے زیادہ زور پکڑا اور انگریزی عملداری شہر سے جاتی رہی تو ناظر گور سہائے بھی امروہہ سے گجرولہ چلے گئے وہاں وہ مع دیگر خیر خواہان حکومت انگریزی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ جاٹوں کی کچھ جمعیّت بھی ان کے ساتھ تھی۔ امروہہ میں جو لوگ خیر خواہان حکومت تھے وہ برابر حالات سے انہیں مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس زمرہ میں سیّد محمد حسن خان (دانشمند)، پیر امین الدین اور اس خاندان کے دوسرے اشخاص خاص طور سے قابل تذکرہ ہیں۔ یہ حضرات اور بالخصوص سیّد محمد حسن خان باغیوں کے نقل و حرکت کی ناظر گور سہائے کو برابر اطلاع دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ناظر موصوف کی حسب ذیل تحریر موسومہ سیّد محمد حسن خان (دانشمند) کا اس موقع پر نقل کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا:۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے بیکران سیّد محمد حسن خان صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ

بعد ما وجب و شوق ملاقات واضح باد۔ خط تمہارا آیا اور حال مندرجہ اُس کا معلوم ہوا۔ جو تم نے لکھا ہے کہ خبر جانے فیروز شاہ کی مع جمعیّت چار ہزار آدمیان کے طرف دارانگر کے ہے۔ یہ خبر جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر جمعیّت اُس کے ساتھ نہیں، فقط آٹھ سو سات سو آدمی ہمراہ اُس کے سنے جاتے ہیں اور باغی لوگ حقیقت میں ادہر اُدہر کو بھاگتے ہیں اور جو در بارۂ علالت طبیعت عارضہ زکام وغیرہ لکھا ہے آپ کو چاہئے کہ معالجہ اُس کا کرا کے صحت حاصل کیجئے، اور آئندہ کو جو خبر راست اور درست آپ کو معلوم ہو لکھتے رہوگے فقط المرقوم ۲۱ اپریل ۱۸۵۸ء۔

الراقم گور سہائے

و از طرف خادم علی تھانہ دار بچھرایوں و علی جان صاحب[1] دارچوکی گجرولہ سلام نیاز قبول باد۔

---

[1] یعنی پیر محمد علی جان بن پیر امین الدین جو اپنے زمانہ میں رؤسا و عمائد شہر میں سے تھے۔ موصوف ایام غدر میں ناظر

امروہہ میں بہت سے لوگ جرم بغاوت میں گرفتار ہوتے اور مرادآباد میں* باغیوں کی گرفتاری کے لئے کرنیل کک[1] کو متعین کیا گیا جنہوں نے شہر کی ناکہ بندی کرکے خانہ تلاشی شروع کی۔ نواب مجو خان گرفتار ہوکر گولی مار دیئے گئے اور ان کی بہت بڑی جاگیر اور وسیع مکانات ضبط کرلئے گئے۔ اسی طرح اور بھی متعدد سرغنہ لوگوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان کو سزائے موت دی گئی۔ ۱۲۔ رمضان ۱۲۷۴ھ کو انگریزی فوج حدود ضلع مرادآباد میں داخل ہوئی اور ۳۰ر اپریل ۱۸۵۸ء کو مسٹر آر الیگزنڈر شکسپیر[2] کمشنر بریلی مرادآباد میں تشریف لائے۔ حکومت انگریزی کے دوبارہ تسلط پر چراغان کیا گیا اور ضلع کا چارج ۲ر مئی ۱۸۵۸ء سے ولایت حسین خان سابق ڈپٹی کلکٹر کو دیا گیا۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک زمانہ تھا۔ اکثر انگریزی حکام کی نظروں میں ہر مسلمان باغی تھا، ذرا سے شبہ پر مسلمان گرفتار ہوتے اور معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد سخت سے سخت سزائیں پاتے تھے ایسے نازک زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے جہاں اور اسباب کارفرما تھے وہاں شیعہ و سنی کے اندوہناک جھگڑے بھی تھے۔

(بقیہ صفحہ ۷۷)

(بعد میں راجہ) گور سہائے کے ساتھ گجرولہ میں مقیم تھے۔ وہ منصفی کے ڈپلومہ یافتہ تھے۔ غدر سے پہلے بریلی میں وکالت شروع کی تھی۔ بغاوت شروع ہونے پر وطن آئے اور اس نازک زمانہ میں اپنی خدمات انگریزی حکومت کی تائید و خیرخواہی میں ناظر موصوف کو پیش کیں، اور تا اختتام غدر برابر ان کے ساتھ رہے اور ایام شورش میں مختلف خدمات انجام دیں جس کی تصدیق پروانہ مرقومہ ۳۱ر اکتوبر ۱۸۵۸ء سے ہوتی ہے جو ناظر گور سہائے نے اعتراف خدمات میں عطا کیا تھا۔ اس میں ناظر موصوف تحریر کرتے ہیں کہ :۔ "یہ شخص ابتدائے غدر یعنی ماہ جون ۱۸۵۷ء سے آج تک میرے ہمراہ و بہ رفاقت میرے بمقام گجرولہ وغیرہ حاضر رہا اور خیرخواہی سرکار بہادر کی کرتا رہا اور چلن رویہ اس کا بہت اچھا رہا۔ جس کام کو میں نے تفویض اس کے کیا بجاں فشانی انجام دیا۔ اس شخص سے میں بہت رضامند ہوں میرے نزدیک قابل ترقی ہے، اور یہ پیرامین الدین، کہ جس کے مکان پر میں مقیم ہوں، اس کا بیٹا ہے"۔

[1] Col. Coke.   [2] Mr. R. Alexander Shakespear.

ولایت حسین خان نے جو شیعہ و سُنّی کے جھگڑوں میں نمایاں حصّہ لینے کی وجہ سے ملازمت سرکاری سے برخاست کردیئے گئے تھے، اس بغاوت کے موقع پر اپنی خدمات پیش کیں لیکن باغیوں کی سراغ رسانی اور گرفتاری میں ان کی خدمات مذہبی جنبہ داری سے آزادانہ نہ رہیں، رشوت کے الزامات بھی ان پر لگائے گئے۔

باغیوں کو عبرتناک سزائیں

۲۲ر مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر ہو کر مرادآباد آئے۔ امروہہ سے بہت سے لوگ گرفتار و محبوس کئے گئے اور صدہا ناموں کی ایک فہرست بہ عنوان "باغیان امروہہ" مرتب کی گئی، سادات محلہ دربار کلاں کے بعض افراد کو نیز شیوخ گذال میں سے درویش علی خان مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد فضل بن شیخ رمضان علی کو بلوہ و بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور، ضبطی جائداد اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سیّد محمد حسین خان و سیّد شرف علی کو جو بہ علت جرم بغاوت قید میں تھے رہائی ملی، لیکن سیّد شبیر علی خان (ساکن دربار کلاں) کو مسٹر رابرٹ ہنری ڈنلاپ مجسٹریٹ نے بذریعہ روبکار عدالت فوجداری مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۸۵۸ء سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر و اسپیشل کمشنر کیا۔

ایام غدر کے بعض حالات پر چونکہ اس روبکار کے مضمون سے خاص روشنی پڑتی ہے اسلئے اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

نقل روبکار عدالت فوجداری

نقل روبکار عدالت فوجداری ضلع مرادآباد۔ بہ اجلاس مسٹر رابرٹ ڈنلاپ مجسٹریٹ تاریخ ۱۰ر نومبر ۱۸۵۸ء۔ نوعیت جرم سرغنہ ہونے اور ترغیب دینے بغاوت۔

سرکار مدعی

بنام

شبیر علی خان ساکن امروہہ مدعا علیہ

واضح ہو کہ ان سب اشخاص کو، جو زاید تین ہزار سے ہونگے، بہ سبب ہونے ذات سیّد

کے بہت پہلے سے[1] (املاک) معافی وغیرہ بعد وضع محصول سرکاری سابق سلطنت اسلامی سے ملے تھے، جو (املاک) خیرات میں ملے تھے بالکل معاف تھے اور جو خدمت میں ملے تھے ان پر بیس ہزار روپیہ نذرانہ کا لگایا گیا تھا، لیکن کل سرکاری جمع، جو ان کے حق میں معاف ہوئی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوگی۔ یہ سب مرحمت معافی وغیرہ جو سلطنت سابق نے کی سرکار انگریزی نے بھی بجنسہٖ بحال رکھی۔ (لہٰذا) عذر فسخ معافی کا واسطے عذر بغاوت کے جو بعض اوقات مسلمان باغیوں نے پیش کیا اس کا ان سادات کے مقدمہ سے مطلق تعلق نہیں۔ (لیکن) باوجود اس کے (سوائے امروہہ کے) کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں جہاں سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا یا رعایا اس قدر زیادہ رضامندی سے بغاوت کرنے کو مستعد ہوگئی۔ اوّل غدر میں (باغی) تھانہ اور تحصیل سرکاری پر چڑھ گئے اور تحصیل کو لوٹ لیا اور ۲۰ ہزار روپیہ لے لیا اور تھانہ دار اور جمعدار کو مار ڈالا۔ پھر کل سید معافی داران امروہہ اکٹھے ہوکر معہ اپنے سرگروہوں سید علی مظفر خان[2] اور سید محمد حسین خان[3] کے مرادآباد آئے اور نواب صاحب (نواب

---

[1] اس انگریزی کی عبارت جابجا سے مغلق ہے اسلئے توضیح مطلب کے لئے خطوط وحدانی میں خاکسار مؤلف نے بعض الفاظ اپنی جانب سے درج کردیے ہیں۔ [2] یعنی سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان بن سید علی اعظم خان گھڑیال والے ایام غدر میں حکومت انگریزی کے وفادار رہے۔ ہز ہائی نیس نواب محمد یوسف علی خان والی رامپور نے حسب ذیل پروانۂ خوشنودی بصلۂ خدمات ایام غدر مرقومہ ۱۹ رجب ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء ان کو عطا فرمایا تھا:۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان سلّمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد شوق ملاقات بہجت آیات واضح خاطر محبت مآثر باد۔ مشفقا بر طبق ملاحظہ عرضی آں مہربان کہ بہ خلاصہ ماندن خود خیرخواہ سرکار از ابتدائی غدر وہم فہمانیدن گلزار علی باغی درباره باز ماندن از حرکات کوتاہ اندیشی بدذات سند خوشنودی مزاج وصول یافتہ بود کیفیت خیرخواہی و شریک ماندن آں مہربان ہمراہ

یوسف علی خان بہادر کو ایک عرضی اپنے معاملہ میں دی جس میں عبارت بدیں واسطے سرکار انگریزی کے لکھی تھی جو انہوں نے واپس دے دی، پھر دوسری عرضی داخل کی، جو مسل میں موجود ہے اور عبارت بہ نسبت انگریزان کے اس میں سے نکالی گئی اور دوسری عرضی میں، جو شامل مسل ہے، نواب صاحب کو اس طریق پر لکھا ہے کہ نواب صاحب موصوف سرکار انگریزی کی طرف سے گویا منصرم نہ تھے، نواب صاحب موصوف کو آزاد اور ہمیشہ کا حاکم سمجھا کہ بعد عملداری نصرانیاں کے گویا نواب صاحب موصوف نئے طریق پر حاکم ہوئے۔ پھر سید شبیر علی خان اور سید محمد سبحان علی مفرور نے اپنی عرائض بادشاہ دہلی کے پاس بھیجیں جن میں سرکار انگریز کو کافران و ظالماں لکھا ہے اور یہ دو عرائض بھی مع اور چند عرائض ساکنان امروہہ کے بہ تصدیق خیر خواہی بادشاہ کے دفتر سے ملیں جو شامل مسل رکھی گئیں اور بجواب عرضی سید شبیر علی خان ایک فرمان (شقہ) بادشاہ سے واسطے انتظام کرنے بطور افسر علاقہ کے آیا۔ واضح ہے کہ شبیر علی خان اور محمد حسین خان اور شرف علی تینوں افسر (سرگروہ) من جملہ معافی داران کے قتل شدند بست

(بقیہ صفحہ ۔۔)

فوج ایں سرکار در ہنگام شورش گلزار علی وغیرہ بدمعاشان از حکیم محمد سعادت علی خان بہادر طلب شدہ بود چوں بہ ملاحظۂ حکیم صاحب موصوف حال خیر خواہی و اطاعت و اشتراک در فرماں پذیری ہر گونہ آں مہربان نسبت اعلیٰ ایں سرکار بوجوہ انجامید و از سابق نیز مراتب خیر خواہی و راسخ الاعتقادیٔ آں مہربان منقوش خاطر است لہٰذا بہ ملاحظۂ کیفیت مذکور بنا بر موجب رضامندی و خوشنودی مزاج ایں جانب گردید۔ لازمۂ محبت با آں است کہ ہمیشہ بلحاظ بتقدیم مراتب خیر خواہی و اطاعت مصروف بودہ خط ہذا را سند خوشنودی مزاج ایں جانب تصور نمایند۔

باقی خیریت زیادہ سرور باد۔"

سلہ سید محمد حسین خان بن سید انور علی خان ساکن محلہ دربار کلاں عم بزرگوار سید شبیر علی خان۔

واسطے اجرائے اس فرمان (شقہ) کے بہ تجویز جمع کرنے روپیہ کے مبنیوں اور مہاجنوں سے
کرتے تھے کہ سب انتظام اچانک بسبب فتح دہلی کے بند ہوگیا۔ جب اشتہار بہ حکم معافی یا عام
معافی جرم بغاوت بہ استثنائے جرم افسران کے ملکہ معظمہ کے ہاں سے پہنچا تو ہم نے حوالات
نے سب کو بہ استثنائے شبیر علی خان اور محمد حسین خان اور شرف علی کے چھوڑ دیا اور پھر احکام
سرکار بہ نسبت اس اشتہار معافی کے پہنچے جن میں تاکید ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کل مرتکب
بغاوت کے معاف کئے جاویں تو ہم نے کل مسل پھر دیکھی ہمارے نزدیک باوجودیکہ جرم
شرکت اس میں نسبت اجرائے شقہ کے شرف علی اور محمد حسین خان پر بھی پایا جاتا ہے لیکن
انہوں نے اول فرمان (شقہ) طلب نہیں کیا اور نہ کوئی عرضی بادشاہ کو دی اس سبب سے
چھوڑنا ان کا مطابق ہدایت اشتہار کے ممکن ہے۔ اس واسطے حکم ہوا کہ محمد حسین خان اور
شرف علی چھوڑ دئے جاویں اور شبیر علی خان بہ علت افسر رہنے بغاوت کے سپرد محکمہ
صاحب سشن جج بہادر مختار باختیار اسپیشل کمشنر کے ہوئے اور فہرست باغیان امروہہ
کی جو انگریزی میں ہے وہ بھی شامل اس روبکار کے کی جاوے۔

اس مقدمہ کی سماعت مسٹر الیگزنڈر اسپیشل کمشنر نے کی اور حسب ذیل روبکار کے ذریعہ جس کی نقل
مسل مقدمہ سید شبیر علی خان سے خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی، سزائے دائم الحبس بہ عبور دریائے
شور و ضبطی جائداد دی گئی۔

نقل روبکار عدالت سشن جج

نقل روبکار عدالت سشن و اسپیشل کمشنر (علاقہ و مقام مرادآباد)
بہ جلوس مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر قائم مقام سشن جج و اسپیشل کمشنر واقع ۳ جنوری ۱۸۵۹ء

سرکار — مدعی

بنام

شبیر علی خان — سید امروہہ — مدعا علیہ

(۱) بتاریخ ساتویں جنوری ۱۸۵۹ء یہ مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہوا تھا ہم نے مدعا علیہ کی

نسبت بہ ثبوت جرم ترغیب دینے اور سرغنہ ہونے بلوہ کے دائم الحبس کرنا عبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد حسب ہدایت و خشہ سرکلر گورنمنٹ نمبر ۴۲۲ ، تجویز کرکے چٹھی نمبر ۲ مورخہ بارہ رواں استدعائے منظوری کے حسب وجوہات مندرجہ ذیل گورنمنٹ سے کی تھی۔

تصریح وجوہات

دفعہ نمبر (۲) ۔ مدعا علیہ منجملہ بڑی جماعت سیدوں کے ہے، جو قصبہ امروہہ میں سکونت رکھتے ہیں اور جن کے حق میں منجملہ زر مالگذاری ہر سال قریب ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے بطور عطائے معافی یا نذرانہ کے معاف ہوتا ہے، یہ سب عطیات شاہان سابق دہلی کی طرف سے ان کو مرحمت ہوئے تھے اور سرکار انگریزی نے بدستور سابق ان عطیات کو بحال و برقرار رکھا گر باوجود ایسی مرحمتوں کے امروہہ کے سوائے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم تمرد نسبت عملداری سرکار انگریزی کے ظہور میں آئی ہو جیسی کہ سادات کی جانب سے امروہہ میں ظاہر ہوئی، غدر کے اوائل ہی مہینہ میں جبکہ ضلع افسران انگریزی کے قبضہ میں تھا امروہہ کے تحصیل و تھانہ پر حملہ ہوا اور تیرہ ہزار روپیہ سرکاری باغیوں نے بہ سرداری گلزار علی[۱] ایک سید کے لوٹا اور کوتوال و جمعدار پولیس کو قتل کیا، جولائی ۱۸۵۷ء میں ایک بڑی جماعت ان سید معافی داروں کی مراد آباد میں آئی اور نواب رامپور کو، جو اس زمانہ میں منصرم ضلع تھے، عرضی گذرانی۔ منجملہ اُن کی گذارشوں کے ایک

---

[۱] یعنی سید گلزار علی بن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبد الواجد بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود ابتداءً کثیر جائداد کے مالک تھے، عیاشی اور فضول خرچی میں جب سب جائداد ضایع کر بیٹھے تو مختاری کا امتحان پاس کیا۔ اور غدر سے پہلے مراد آباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مراد آباد میں غدر ہوگیا تو اسی شب میں ایک جماعت کے ساتھ یہ امروہہ آئے اور یہاں بغاوت میں اُنھوں نے نمایاں حصہ لیا جس کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی پریشان حالی میں بسر کئے اور اسی عالم جلاوطنی میں وطن اصلی کو سدھارے۔ خلقتاً بہت وجیہ و شکیل اور طبعاً فیاض طبع، جری و جواں مرد تھے۔ ان سے کوئی عقب نہیں۔

یہ بھی کہ نذرانہ جو اُن سے لیا جاتا ہے ان کے حق میں معاف کیا جاوے سیّدوں کا زور اِدّعا تمام ایسا تھا کہ نواب نے ان کی درخواستیں قبول کرنے کو اپنی رضامندی ظاہر کی۔

دفعہ نمبر (۳):۔ ہر چند اُس عرضی میں دو ناموں کی تشریح ہے (یعنی علی ظفر خان و محمد حسین خان) مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قریب دو سو سیّدوں کے مرادآباد میں آئے پس اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ مدعا علیہ بھی اس گروہ میں شامل تھا کیونکہ عرضی مذکور کل سادات امروہہ کی جانب سے گذرانی گئی تھی۔

دفعہ نمبر (۴):۔ علانیہ کھلی ہوئی بغاوت جو شبیر علی خان سے سرزد ہوئی یہ تھی کہ اُس نے معزول بادشاہ دہلی کو ایک عرضی، جس کی تاریخ تحریر مطابق ہوتی ہے ۲۴ر جولائی ۱۸۵۷ء سے، بھیجی اُس میں شورش و فساد کا سبب درہمی و برہمی عملداری (کفر ظلمہ) یعنی عملداری سرکار انگریزی کے لکھا ہوا ہے۔

دفعہ نمبر ۵:۔ اس عرضی کے جواب میں ایک شقہ جس کی تاریخ تحریر ۸ر اگست ۱۸۵۷ء سے مطابق ہوتی ہے، بادشاہ معزول دہلی کی طرف سے پہنچا اُس کے پہنچنے کا جو اثر علاقہ میں ہوا کیفیت اسکی بالتشریح رپورٹ مرسلہ تحصیلدار امروہہ مورخہ ۲۷ر ماہ مذکور موسومہ نائب والی رامپور متعینہ مرادآباد میں مندرج ہے۔ تحصیلدار اُس میں لکھتا ہے کہ بہ سبب پہنچنے شقہ کے شبیر علی خان نے واسطے نگاہداشت فوج کے شاہ دہلی کے لئے مہاجنوں سے زر کثیر طلب کرنا شروع کیا ہے جو تدابیر کہ واسطے امن و امان کے پیش ہوئیں اور اُن میں سے جن پر قدرے اثر بھی مترتب ہوا وہ شقہ کے آنے سے باطل ہو گئیں اور پھر یہ کہ فوج معہ توپ کے ضرور یہاں آوے۔

دفعہ نمبر (۶):۔ عرضی شبیر علی خان متذکرہ بالا موسومہ بہ شاہ معزول دہلی کے دفتر میں دستیاب ہوئی جبکہ فوج انگریزی نے دہلی کو فتح کیا۔ جو کہ مدعا علیہ نے بہ سبب حاصل ہونے شقہ کے علانیہ مفسدہ میں شرکت کی کہ تحصیلدار امروہہ کی کیفیت سے جو بلا شبہ صحیح ہے ثابت اور اُس میں شرکت بھی قرار واقعی ظاہر ہے کہ مدعا علیہ ترغیب دہندہ اور سرغنہ بلوہ کا تھا

انگریزی کے مقابلہ میں تھا اور خاص حیثیت مدعا علیہ کی یعنی وہ سرکار کی طرف سے معافی دئے
اس کے جرم کو زیادہ سنگین کرتی ہے اعلیٰ پھانسی سے درگزر کر سب سے بڑی سزا جو اس کو
دینی چاہئے حسب تشریح بالا تجویز کی گئی ۔"

سید شبیر علی خان کے اقربا نے ان کی بے گناہی ثابت کرنے اور قید سے رہائی دلانے کی تمام ممکن
کوششیں کیں، درخواست اور میموریل حکام بالادست کو ارسال کئے مگر افسوس کہ یہ سب
کوششیں رائگاں گئیں۔ مسماۃ خاتون دولت زوجہ سید مذکور کی درخواست بزبان انگریزی
موسومہ ہزایکسیلنسی ارل کیننگ بہادر گورنر جنرل ووائسرائے کی نقل بطور ضمیمہ[1] شایع کی جاتی
ہے جس سے ایام غدر کے بعض تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان

غدر ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے قیامت صغریٰ اسے کم نہ تھا۔ سیکڑوں بڑے بڑے خاندان جن کے لئے تباہ و برباد ہوگئے۔ ہزاروں لاکھوں گھر صفحۂ ہستی سے
حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ روہیلکھنڈ میں سب سے زیادہ تباہی ضلع مرادآباد کے مسلمانوں پر
آئی، خاص مرادآباد میں نواب مجو خان مرحوم کی، جو ضلع کے سب سے بڑے تعلقدار تھے، اور امروہہ
میں بھی دو ایک رؤسا، علی الخصوص سید شبیر علی خان، شیخ محمد افضل صدیقی اور درویش علی خان
مرحوم کے خاندان کی جائدادیں و املاک ضبط ہوگئیں۔ اس کے علاوہ اور متعدد نامور خاندان
تباہ ہوگئے۔ غدر کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا تھا اور بقول سر سید مرحوم :۔

"کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی گو وہ
رام دین اور ماتا دین نے ہی کی ہو۔ کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے
پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈھا ہو۔

" ہر بلائے کز آسماں آید | گرچہ بر دیگرے قضا باشد "
" بر زمیں نا رسیدہ می پرسد | خانۂ مسلماں کجا باشد "

ایسی حالت میں سر سیّد خاں مرحوم و مغفور کا اپریل ۱۸۵۸ء میں صدر الصدوری کے عہدہ پر بجنور سے مرادآباد تبدیل ہو کر آنا مسلمانان ضلع کے حق میں بہت کچھ بہتری کا باعث ثابت ہوا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں:۔

"وہ یعنی سر سیّد، بجنور میں مسلمانوں کی تباہی اپنی آنکھ سے دیکھ کر آئے تھے، جب مرادآباد پہنچے تو یہاں کی تباہی و بربادی کا اور بھی زیادہ عبرت انگیز نقشہ ان کی نظر سے گذرا جس سے ایک اور چوٹ اُن کے دل پر لگی۔ گورنمنٹ کا غصہ عام طور پر مسلمانوں کے حال پر بدستور چلا جاتا تھا۔ ہندو خیر خواہی کی آڑ میں مسلمانوں سے دل کھول کھول کر بدلے لے رہے تھے اور اگلے پچھلے بغض نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لئے کوئی ثبوت درکار نہ تھا، ان کا مسلمان ہونا ہی ان کے مجرم ٹھہرانے کے لئے کافی تھا، مسلمانوں کے ساتھ بقاعدہ رعایت یا ہمدردی کرنا سرکاری عہدہ داروں کی قدرت سے باہر تھا اس لئے سر سیّد اپنے منصب کے لحاظ سے کوئی سلوک اُن کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے اگرچہ ان کے مرادآباد میں آنے سے کسی قدر ناگفتہ بہ بے اعتدالیوں کا انسداد ہوا جو خاص مرادآباد میں بعض ناخدا ترس لوگ سرکار کی خیرخواہی کے پردہ میں کرتے تھے کیونکہ حسن اتفاق سے انھیں دنوں میں اسٹریچی صاحب مرادآباد کے کلکٹر و مجسٹریٹ مقرر ہو گئے تھے اور اُن کو سر سیّد کی رائے اور مشورہ پر پورا اعتماد تھا۔"[1]

"باغیان امروہہ" کے عنوان سے جو مطوّل فہرست مرتّب ہوئی تھی اس کے لحاظ سے یہاں کے بعض رئیسوں کی جائدادیں معرض خطر میں تھیں۔ سر سیّد مرحوم نے اپنے ایک لکچر میں ضلع مرادآباد کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک بڑا غمکدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا[2]۔ ان الفاظ ہی سے یہاں کی تباہی کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں باغیوں کی جائداد منضبط کی تحقیقات کے متعلق جو اسپیشل کمیشن بیٹھا اُس میں دو یورپین ممبر ایک کمشنر روہیلکھنڈ

۱؎ حیات جاوید صفحہ ۱۰۸ ۲؎ حیات جاوید صفحہ ۶۷۔

اور دوسرے جج مراد آباد کے علاوہ ایک ہندوستانی ممبر یعنی سر سید مرحوم مقرر ہوئے۔ مولانا حالی حیات جاوید میں فرماتے ہیں :-

"جائدادیں ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر ضبط ہو گئی تھیں اور انگریزی حکام نیچرل طور پر ہندوستانیوں کی طرف سے عموماً بدگمان اور نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ خصوصاً ضلع مرادآباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا۔ مرادآباد کے معتبر اشخاص سے سنا گیا ہے کہ سر سید کی شرکت کے سبب یہاں کے کمیشن سے عذرداریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ ہوئی اور صوبہ شمال مغرب میں ضبط شدہ جائدادیں جس قدر ضلع مرادآباد میں واگذاشت ہوئیں ایسی کسی اور ضلع میں نہیں ہوئیں۔"

خیر خواہان حکومت کو انعامات

ذیل میں اُن لوگوں کے نام معہ تفصیل صلۂ خدمات درج کئے جاتے ہیں جو ایام غدر میں سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور نواب صاحب رامپور کے عہد انتظام میں کارکن رہے، نیز امروہہ و ضلع کے دیگر مقامات پر مختلف خدمات انجام دینے کے صلہ میں انعامات حاصل کئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات و انعامات
۱	گور سہائے	امروہہ کے ساکن، قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے کچھ زمینداری بھی ان کے پاس تھی۔ جب میرٹھ کے غدر کی خبریں مرادآباد پہنچیں تو اُن کو مع جاٹوں کی ایک کثیر تعداد کے انتظام قائم رکھنے کے واسطے امروہہ بھیجا گیا۔ بعد میں یہ امروہہ کے ناظم مقرر رہے۔ پھر نواب صاحب رامپور کے عہد انتظام میں جنوبی حصہ مرادآباد کے ناظم رہے۔ ایام غدر میں حکومت انگریزی کی عمدہ خدمات انجام دیں۔ صلہ

نمبر	نام	تفصیل خدمات وانعامات
		خدمات میں راجہ کا خطاب اور گیارہ مواضعات انعام میں دئے گئے۔
۲	منشی امام الدین کمبوہ امروہوی	مرادآباد کے کوتوال تھے۔ مولوی منّو کے فتنہ وفساد کو دفع کرنے کے صلہ میں ایک گاؤں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا انعام ملا۔
۳	افضل علی	ان کے باپ مدد علی امروہہ میں تھانہ دار تھے اور ابتدائے ایام غدر میں مارے گئے تھے۔ خود انہوں نے بھی باغیوں کی گرفتاری میں عمدہ خدمات انجام دیں اور پانچ گاؤں انعام میں حاصل کئے۔
۴	وارثان شہامت خان	شہامت خان جمعدار مدد علی کے ساتھ امروہہ میں مارا گیا تھا اسکے ورثا کو شاہ پور موضع انعام میں دیا گیا۔
۵	سیّد علی مظفر خان و سیّد علی معظم خان (گھڑیال والے)	امروہہ میں ۱۹ر مئی کو ۱۸۵۷ء کو جب باغیوں نے تھانہ وتحصیل پر حملہ کیا انہوں نے بہ معیت اپنے اعزا اور ملازمین وغیرہ سعداللہ خان[1] منصف امروہہ کی جان بچائی۔ ان کو مع کاغذات عدالت منصفی اپنے مکان پر لاکر ٹھہرایا۔ شہر کے بقالوں اور مہاجنوں کو بھی لوٹ کھسوٹ سے بچایا۔ شہر کی حفاظت میں مستعدی سے مدد کی، صاحب کمشنر سے جو نینی تال میں مقیم تھے برابر خط وکتابت جاری رکھی۔ شہزادہ فیروزشاہ کا مقابلہ جب ناظم امروہہ کی فوج سے ہوا انہوں نے ناظم مذکور کی اعانت کی۔ پروانہ خوشنودی واعتراف خدمات مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۸ء عطا ہوا۔
۶	سید محمد حسن خان (دانشمند)	امروہہ میں انتظام قایم رکھنے اور یہاں کے حالات سے حکام بالخصوص ناظر گورسہائے کو اطلاعات دینے میں مدد کی۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔

[1] سعداللہ خان، منصف بعد میں۔ نواب محمود خان باغی کے شریک کار ہوئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات وانعامات
۷	پیر امین الدین (پیرزادہ)	بہ شرح صدر۔ ناظر گور سہائے قیام امروہہ کے زمانہ مین کچھ عرصہ ان کے مکان محلہ قریشیان مین مقیم رہے - پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۸	پیر محمد علی جان (پیرزادہ)	جون ۱۸۵۸ء سے اکتوبر ۱۸۵۸ء تک برابر ناظر گور سہائے کے ساتھ رہے - پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۹	سید ظہور حسن (دوست علی والے)	ابتدا مین کچھ عرصہ امروہہ کے ناظم رہے۔ ان کے دونون فرزند سید منظور حسن وسید نور حسن اور ان کے بھائی سید ظہور حسین بھی معین و مددگار رہے۔
۱۰	مولوی محب علی خان (عباسی)	نواب صاحب رامپور کی جانب سے امروہہ کے تحصیلدار رہے۔ بدامنی کے زمانہ مین انتظام قایم رکھنے مین خدمات لائقہ انجام دین۔ اعتراف خدمات مین خطاب "خانی" من جانب نواب صاحب رامپور اور پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۱	مولوی کریم بخش (عباسی)	نواب صاحب رامپور کے عہد انتظام مین گرداور یعنی انسپکٹر پولیس رہے۔ اعتراف خدمات میں پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۲	حکیم امجد علی خان (کمبوہ)	ایام غدر میں شاہجہان پور مین تحصیلدار اور انگریزی حکومت کے بڑے بہی خواہ تھے۔ شاہجہان پور اور امروہہ میں خدمات لائقہ انجام دین صلۂ خدمات مین ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔
۱۳	سید فرحت علی (دوست علی والے)	ابتداءً ریاست رامپور مین بہ عہدۂ رسالداری مامور تھے۔ ایام غدر مین دو سو سوارون کے افسر کی حیثیت سے من جانب نواب صاحب رامپور امروہہ میں تعینات رہے آپ کے فرزند سید ابراہیم علی و ریحان علی شریک کار رہے۔
۱۴	سید یعقوب الدین (دوست علی والے)	من جانب نواب صاحب رامپور امروہہ مین کچھ عرصہ تھانہ دار رہے۔ خدمات مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد سے

۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے زمام حکومت کلیتاً نکل کر عمال سلطنت برطانیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ اس وقت سے سوائے اس کے کہ کبھی کبھی بعض فرقوں کے تنگ خیال اور گندہ ذہن لوگوں کی شرارتوں اور عدم رواداری کی وجہ سے مذہبی تنازعات ہوتے رہے اور کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا جو شہر کے امن وامان میں خلل انداز ہوتا۔ بدقسمتی سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے اس بیان میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امروہہ کے شیعہ و سنی فرقے ایک دوسرے کے خلاف مذہبی منافرت وعداوت کے جذبات رکھتے ہیں اور بہت معمولی سی بات پر ایک دوسرے سے دست وگریبان ہونے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ غدر سے کچھ عرصہ پہلے شیعہ و سنی لڑ پڑے تھے۔ ایک اور ہنگامہ میں بھی جو بعض ساکنان محلہ دربار کلاں ومحلہ مولانا کے مابین واقع ہوا تھا ایک دو جانیں ضایع ہوئی تھیں لیکن اس زمانہ میں ایسے مآل اندیش، مخلص اور بارسوخ بزرگ فریقین میں موجود تھے کہ باوجود قتل وخونریزی کی سنگین وارداتیں ہوجانے کے صرف رات کی رات میں تمام نزاعات باہمی کا آپس میں مل بیٹھکر خود فیصلہ کرلیا۔ عمال پولیس اور حکومت کو دست اندازی اور مداخلت کا مطلق موقع نہ دیا۔ حکومت نے زائد پولیس کے اخراجات کا بیکس مبلغ پچیس ہزار روپیہ کا جرمانہ باشندگان شہر پر عاید کیا تھا جس کے خلاف اسی زمانہ میں صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ موقع واردات جامع مسجد محلہ مولانا کا وہ مقام تھا جہاں اب بھی آٹھویں محرم کو تعزیوں کے جلوس کے ساتھ شاید پچھلی مخالفتوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے فریقین کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دل آزار کتابوں کی اشاعت اور مذہبی مناظرے بھی فریقین کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی بدولت ہوتے رہے۔ کتاب ناصر الایمان پر جو حکیم امجد علی خاں کے نام سے غالباً مولوی سید رافت علی کی کسی تصنیف پر لکھی گئی تھی، امروہہ کے شیعہ و سنیوں کے درمیان ۱۳۰۱ھ میں سخت ہنگامہ رہا۔ بالآخر اس کتاب کے نسخے بحکم صاحب مجسٹریٹ تلف کئے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندو

اور مسلمانوں کے درمیان ایام عشرۂ محرم میں بلوہ ہو گیا تھا جس کے فرو ہونے پر مقدمات قائم کئے گئے وبعض لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور عمائدین شہر میں سے بھی بعض آنریری مجسٹریٹوں کو معطل کیا گیا۔ اب کچھ عرصہ سے شیعہ وسنی کے اختلافات کے ساتھ ساتھ سنی اور وہابی کے جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔ بیرونجات سے کرایہ کے واعظ بلائے جاتے اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہیں، مجالس وعظ اس وقت تک کامیاب نہیں سمجھی جاتیں جب تک کہ فریق مخالف پر سب وشتم اور لعن طعن کی اچھی طرح بوچھاڑ نہ ہو اور فریقانہ بغض وعناد کی چنگاریاں زور وشور سے بھڑک کر اتحاد واخوۃ اسلامی کی حبل متین کو جلا کر خاک سیاہ نہ کردیں إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اے کاش ان مدعیان علم کی حقیقت سے اہل شہر واقف ہوں اور ان کے زہریلے اثر سے محفوظ رہ کر اتحاد قومی کے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دیں ؎

بعض "جاہل" جنہیں دعوےٰ ہو کہ ہم عالم ہیں
گھر سے نکلے ہیں کہ دیں قوم کو درس اخلاق

مگر اطوار ہیں ایسے کہ ہر اک محفل میں
بات جو منہ سے نکالی وہی تھی کانِ نفاق

اختلاف ان سے جنہیں ہو انہیں گالی دیں گے
ان لفنگوں کا کچھ اس وجہ سے ہے یہ وہ مذاق

گالیاں دیکے بھر اپیٹ تو کردی تکفیر
اس سے اکتائے تو جاری ہوا فتوائے طلاق

کیوں نہ اسلام ہو ایسے "علما" سے بیزار
جن کی ہر بات سے پیدا ہو شقاق اور نفاق

ان مشاغل سے یہ ہے ان جہلا کا مطلب
کہ نہ چھن جائے ہمارا کہیں حلوائے طباق

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ عہد ہنود

شائقین آثار قدیمہ کے نکتۂ خیال سے نہایت افسوس ہے کہ امروہہ میں ہندوؤں کے عہد کے آثار قدیمہ میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اول تو فاتحین نے ہی مفتوح قوم کی تمام یادگاروں کو مٹا دیا اور کچھ دستبرد زمانہ کے ہاتھوں پردۂ فنا میں پوش

ہوگئین، راجہ کے محلات، قلعۂ پرانے مندر اور تبخانون کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا، بڑے تبخانہ کی بجائے خانۂ خدا تعمیر ہوا، مسجد کیقبادی (مسند وکی مسجد) اس کی یادگار ہے، تبخانہ کے کچھ پتھر مسجد کے صحن اور دروازہ کے نیچے تہ خاک گویا زبان حال سے کہہ رہے ہین ؎

بہ بین کرامت تبخانۂ مرا ای شیخ — کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

پختہ فصیل مسلمانون کی آمد کے چند صدیوں بعد تک باقی تھی، شہر کی آبادی جب بڑھنے لگی تو یہ بھی کُھد گئی، اس کے دروازے البتہ اعرصہ تک قایم رہے، غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے محلہ تبخانہ میں کسی تعمیر کے لئے نیو کھودی گئی تو ایک برج بڑی بڑی اور موٹی اینٹون کی برآمد ہوئی تھی جو اتنی گہری تھی کہ ان ہی اینٹون سے کئی مکانات تعمیر ہو گئے اور برج کا کچھ حصہ پھر بھی باقی بچ گیا یہ اسی پرانے قلعہ کے ایک برج کی بیخ تھی۔ اور بھی مختلف مقامات سے اس وضع کی اینٹین برآمد ہوتی رہی ہین جو بلاشبہ ہندو راجاؤن کے قلعے اور محلات کی بنیادون کی اینٹین ہین ف۱

بائیں کا کنواں

شہر سے باہر بسمت گوشۂ شمال ومغرب دو میل کے فاصلہ پر ایک باؤلی البتہ ہندوؤں کے عہد کی یادگار بتائی جاتی ہے جو عرف عام مین "بائیں کا کنوان" مشہور ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باؤلی راجہ کرپا ناتھ کے باغ کی ہے جو کشتریوں کے سورج وچھ خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی عہد کی تعمیر ہے یا اس عہد مین اس کی ترمیم کی گئی ہے۔ یہ باؤلی بہت وسیع اور قدیم طرز کی کنکر کے پتھر سے بنی ہے۔ سیڑھیاں نیچے پانی تک چلی گئی ہین جن کے جانبین دالان بنے ہوئے ہین سنہ ۱۹۰۴ء مین اس کی مرمت ہوئی تھی۔ ہر سال یہان چھڑیون کا میلہ لگتا ہے ف۲

ف۱ ڈسٹرکٹ گزیٹیر۔ ف۲ بابو شیو نرائن آنجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے مین ضمناً اس کا اظہار کیا ہے کہ بائین کا کنواں ان کے مورث لالہ سری رام قانون گو عہد جہانگیری کا تعمیر کردہ ہے اور اسی اراضی مین واقع ہے جو ان کو حسب فرمان جہانگیری مورخہ [illegible] بابت ماہ الٰہی سنہ [illegible] جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۵ھ مین موازی یک صد بیگہ زمین بک

آثار قدیمہ عہد ہنود متعلق صفحہ ۹۲

ہندوؤں کے عہد کی کوئی عمارت امروہہ میں موجود نہیں لیکن اُس عہد کی عمارتوں کی اینٹیں بعض مقامات سے وقتاً فوقتاً برآمد ہوتی رہی ہیں۔

محلہ شیخ چاہ حسن کی مسجد کے دوبارہ تعمیر کے وقت بنیادوں کے لئے جو زمین کھودی گئی اس میں سے ایسی اینٹیں برآمد ہوئیں جن پر نقش و نگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔ ذیل میں بعض اینٹوں کی تصویریں درج کی جاتی ہیں۔

بائیں کا کنواں متعلق صہ ۹۰

تالاب بانڈیو
متعلق صہ ۹
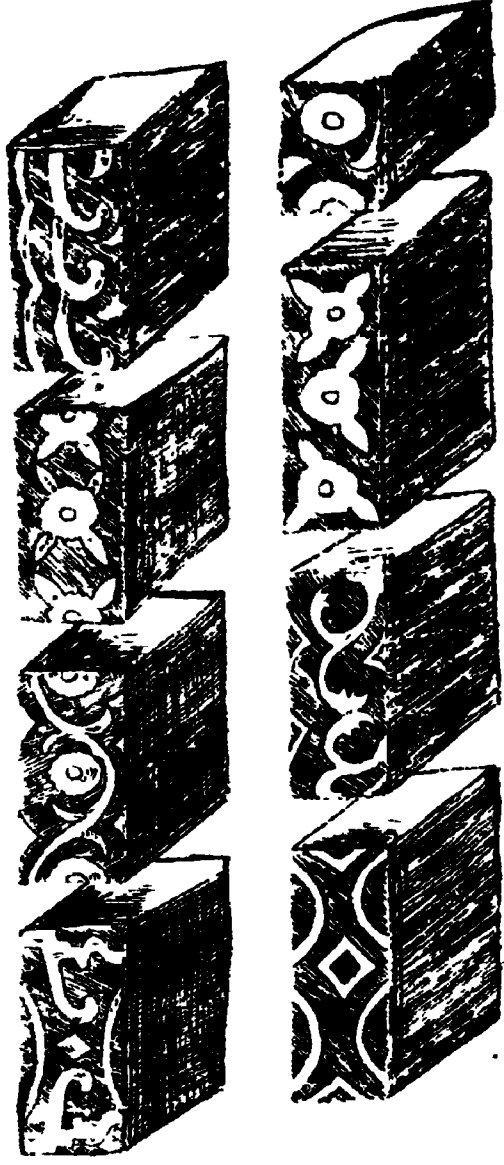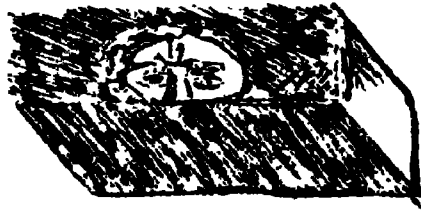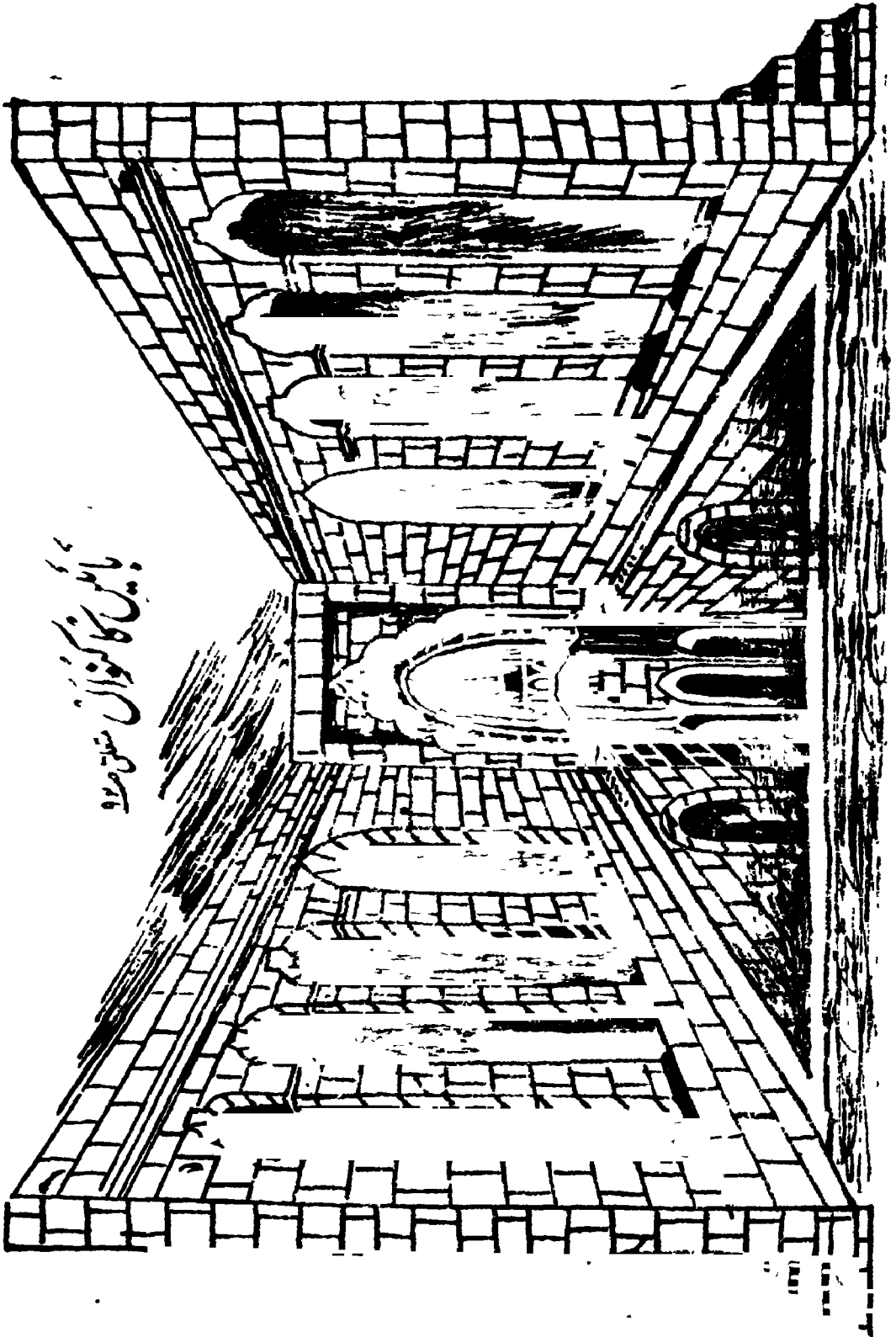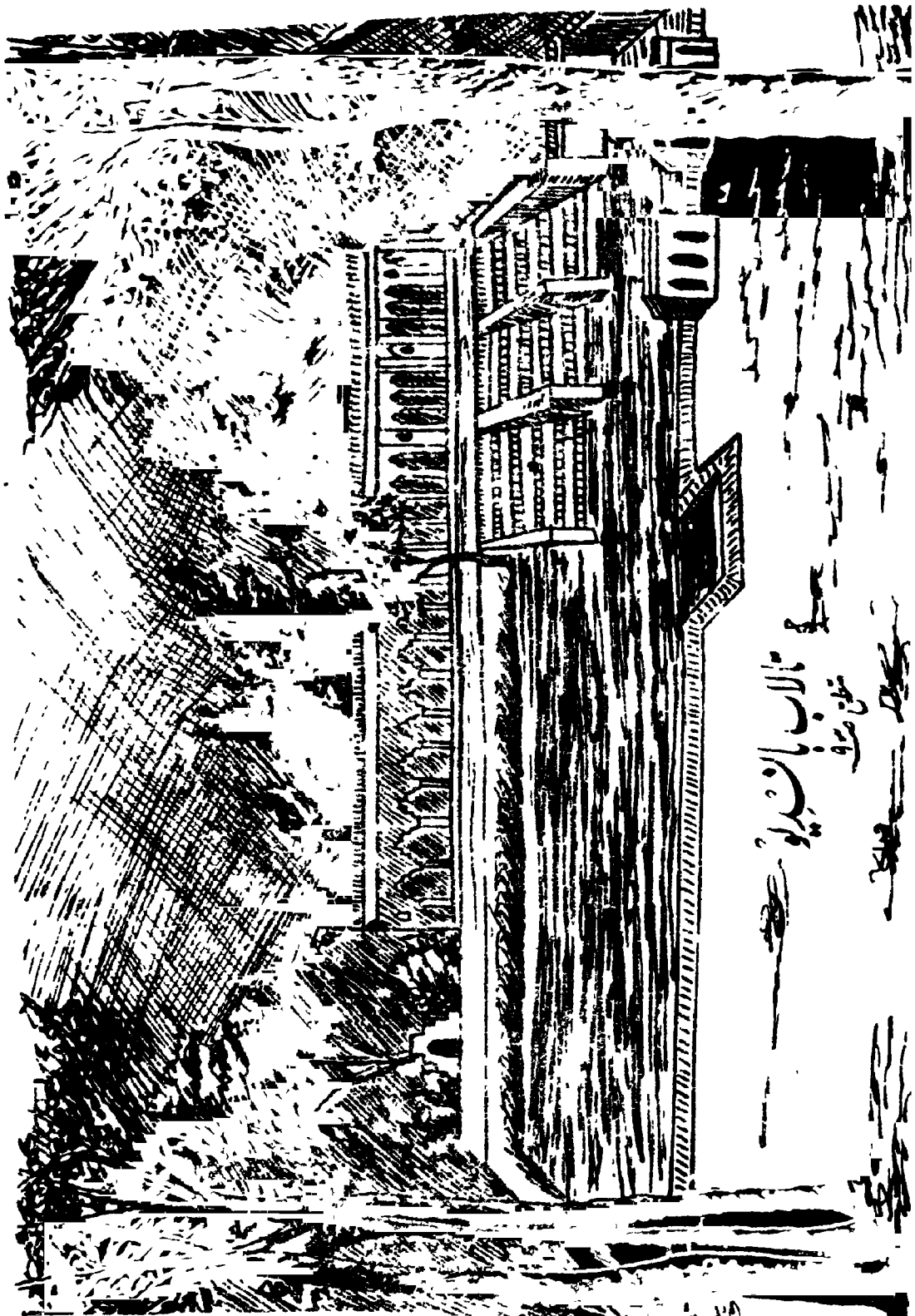
بانسدیو تالاب یہ تالاب بھی امروہہ میں بہت قدیم ہے بعض لوگ سے بانسدیو نام ایک ہندو فقیر کا بنایا ہوا بتاتے ہین اور بعض خیالی رام کھتری ساکن محلہ کالا کنوئیں کا غالباً یہ تالاب ہندؤن کے عہد کی یادگار ہے۔ بعد مین یہان چند مندر اور شوالے بھی تعمیر ہو گئے ہین۔

اس کے علاوہ سکندر والے باغ کے پاس قدیم کنوئین بھی ہین جو اسی عہد کی یادگار بتائے جاتے ہین

آثار قدیمہ عہد اسلامی

مسجد کیقبادی یہ مسجد جو اب "منڈو کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے امروہہ کی قدیم ترین عمارت ہے۔ ۶۸۶ھ مین ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اس کو تعمیر کرایا تھا

(بقیہ صفحہ ۹۳)

حصہ مزروع وسہ حصہ افتادہ از موضع سرپرام پور بادشاہ کی جانب سے مدد معاش میں عطا ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالحقیقۃ حال۔ لیکن خود اس کنوئین کا نام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس عہد سے قبل کی تعمیر ہے۔ اس قسم کے زینہ دار کنوؤں کو ہندؤن کے عہد میں "بائین" کہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں بابر نے ایسے کنوئین بنوائے اس وقت انہیں باؤلی کہنے لگے۔ اس قسم کے کنوؤں یا باؤلیوں کا رواج ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ خود بابر بادشاہ نے لکھا ہے کہ "در ہندوستان چاہ کلانے زینہ دار "وائین" می گویند" باؤلی کا لفظ بھی اصل میں "باہولی" تھا۔ باہلہ اس چشمہ کو کہتے ہین جو فوارہ کی مانند زور سے زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ "بائیں" کا لفظ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ استعمال کیا ہے اس لئے امروہہ میں بائین کا کنواں منشی سرپرام قانون گوئے عہد جہانگیری کا معمرہ خیال کرنا صحیح نہین۔ اغلب یہی ہے کہ یہ کنواں شروع اسلامی عہد کی یادگار ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ اراضی جس میں یہ باؤلی تھی پہلے سے موجود تھی من جانب سلطنت اسلامی منشی سرپرام کو عنایت ہوئی ہو۔

تعمیر عمارت کا حسب ذیل کتبہ بخط ثلث اندرون مسجد شمالی جوترہ بر دو سطروں میں کندہ ہے

امر ببناء هذه العمارت المسجد المبارکة فی عهد دولة السلطان

المعظم ظل الله فی العالم معز الدنیا والدین المخصوص بعباد

رب العالمین القائم بنائید الرحمن ابو المظفر کیقباد

السلطان خلد الله ملکه وسلطانه العبد الضعیف الی الله

رحمة الربانی عنبر سلطانی فی الغرة من شهر المبارک

رمضان سنه ست وثمانین وستمائة

ملک عنبر نے قرآن پاک کی آیات بھی پتھروں پر کندہ کرا کے مسجد کی محراب اور دروں پر نصب کرائی تھیں۔ ان آیات کے چند ٹکڑے اب بھی مسجد کے دروازہ کے اندرونی رخ پر نصب ہیں ایک میں "واولئک هم الفائزون" پڑھنے میں آتا ہے۔

سنہ ۹۶۴ھ میں جب یہ عمارت کسی صدمہ سے شکستہ ہو گئی تھی تو قطب الدین قناق خان نے، جو اس زمانہ میں امروہہ کے حاکم تھے، اس کی مرمت کرائی۔ اس کی تصدیق حسب ذیل کتبہ سے ہوتی ہے جس کے تین شعر مسجد مذکور کے جنوبی در کی پیشانی پر اور دو شعر دروازہ مسجد کے شمالی پایہ پر منقوش ہیں ؎

در عہد عدل خان زمان فلک جناب	کز فیض عدل اوست جہان خلد جاودان
کان سخا و خواجۂ دنیا و قطب دین	عالی تبار قافلہ سالار راستان
از بہر خاص و عام جہان ساخت مسجدے	کز مسجد الحرام دہد در صفا نشان
فرشش بہ روشنی و شرافت چو آفتاب	سقفش بسادگی و لطافت چو آسمان
تاریخ این خجستہ بنا بر رواق چرخ	کلک قضا نوشت بنا قناق خان

۹۶۴ھ

اس کے بعد سنہ ۹۸۱ھ میں یہ مسجد پھر شکستہ ہو گئی۔ اس وقت سید محمد میر عدل امروہوی نے

قدیم کتبہ جات جو مسجد کیقبادی کی دیواروں پر نصب ہیں

آیات قرآنی کی بعض کتبوں کے ٹکڑے

مسجد کیقبادی رتلہ صہ ۱۹۲
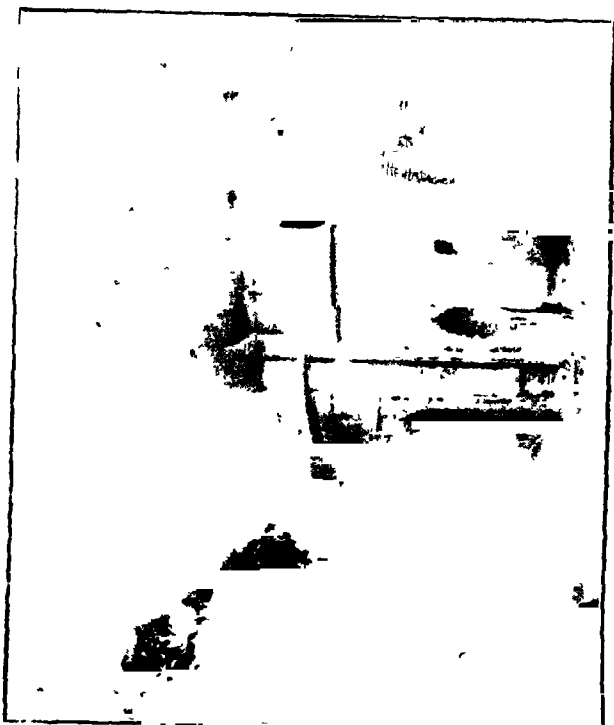
نہ صرف اس کی مرمت کرائی بلکہ اس کی تعمیر میں اضافہ بھی کیا- ابتداءً مسجد کے صرف تین گنبد تھے سید محمد میر عدل نے ان پر دو گنبدوں کا اور اضافہ کیا حسب ذیل کتبہ اندرون مسجد جنوبی جوتہ پر کندہ ہے -

بہ عہدِ اکبر غازی جلال دولت و دین — مدار ملک و ملل بادشاہ ظل اللہ
زمانہ خادم درگاہ اوست بی تکلیف — ستارہ بندۂ میزان اوست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع — معز دین محمد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سید محمد عادل[۱] — کہ وصف او شدہ اوراد خلق بیگہ و گاہ
دلم چو نکتۂ تاریخش از خرد پرسید — جواب داد روان عمر خوش و نخواہ
مگو زہائے خیر و بگو ئے تاریخش — بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ

قائلہ و کاتبہ عارفی سنہ ۱۰۹۱ھ

تیسری مرتبہ جب پھر یہ مسجد قابل مرمت ہوگئی تو سنہ ۱۲۶۴ھ میں مسلمانان امروہہ نے اس کی مرمت کے لئے اہل شہر سے عام چندہ کی اپیل کی- اس اپیل کی نقل جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "صورت حال" کہا جاتا تھا "تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کیجاتی ہے- اس پر تقریباً نوے اشخاص کے دستخط ثبت تھے- دستخط کنندگان میں نصف تعداد سادات کی ہے اور نصف دیگر شرفاء امروہہ کی- مثلاً میر اسد اللہ خان عرف میر کلو، سید علی اعظم خان (گھڑیال والے)، سید تاج محمود خان دانشمند، سید شجاعت علی (جد امجد سید معظم حسین محلہ گذری)، سید محمد صلابت، سید محمد کفایت و سید محمد امانت (شفاعت پوتہ)، سید علی حسن خان (دربار کلاں)، خواجہ خیر اللہ خان (محلہ بخشی)، مولوی محمد سعید عباسی، مولانا غلام مصطفے عباسی، مولانا نواز محمد عباسی، ابو المکارم عباسی، نظام الدین عباسی (محلہ مولانا) وغیرہ

نقل صورت حال در طلبی چندہ مرمت جامع مسجد امروہہ مرقومہ ۱۱ شوال سنہ ۱۲۶۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم لہ الحمد و بہ نستعین والصلوۃ

---

[۱] یعنی سید محمد میر عدل - ضرورت شعری کے لئے "عادل" لکھا گیا-

علیٰ رسولہ والہ واصحابہ اجمعین ۔ حق سبحانہ تعالیٰ در قرآن مجید
و فرقان حمید می فرماید۔ اِنّما یعمر مساجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم
الاٰخر واقام الصّلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الّا اللّٰہ فعسیٰ
اولٰئك ان یکونوا من المھتدین ۔ معنی آیۂ کریمہ این است کہ بنا
نمی کند مسجد ہائے خدائے تعالیٰ را مگر آن کس کہ ایمان آوردہ است بہ خدائے تعالیٰ
و ایمان آوردہ است بہ روز قیامت و کسے کہ قایم کردہ است نماز را و دادہ است زکوٰۃ را
نمی ترسد مگر از خدائے تعالیٰ و اقدس پس زود است کہ آنہا یعنی تعمیر کنندگان مساجد
باشند از ہدایت یافتگان و فرمودہ است رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم :۔
من بنیٰ مسجداً بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی الجنّۃ ۔ معنی حدیث شریف این است
کہ آن کس کہ بناء کند مسجد را بناء کند خدائے تعالیٰ برائے آن کس خانہ در بہشت۔
بر ہر یک از سادات عظام و مشائخ کرام و جمہور انام سکنۂ قصبہ امروہہ روشن و
مبرہن است کہ مسجد جامع قصبۂ مذکور در عہد سلطان معز الدین کیقباد بنا شدہ
قریب پانصد سال بر تعمیر این مسجد منقضی گشتہ چنانچہ تاریخ بناء کہ بر سنگے از ان مسجد
منقوش است غرۂ رمضان المبارک سنہ ۶۸۶ است و ہمت بزرگان اسلاف بر مرمت
و تعمیر این مسجد مبارک مصروف ماندہ چنانچہ مغفرت پناہ میر سید محمد عادل[ل] مرحوم در
سنہ ۹۹۱ ہجری مرمت نمود و دو گنبد بر سہ قدیم زیادہ بناء فرمود حالا مسجد مذکور بسبب
کہنگی شکستہ شدہ و نوبت بہ آن رسیدہ کہ از پا در آیدہ و باز بنائے این چنین مسجد
عالی شان از سر نو خیلے دشوار است پس چون ثواب بنائے مسجد بہ موجب فرمودۂ خدائے
تعالیٰ و رسول او صلّی اللہ علیہ وسلّم ثابت است لہٰذا بر ذمۂ ہمت کافہ انام و جمہور اہل اسلام

ل یعنی میر سید محمد میر عدل امروہوی ۔ ۵ یہ کتاب کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔ اصل کتبہ میں ۹۸۱ھ کندہ ہے۔

لازم وواجب است کہ سعی بلیغ نمودہ ترتیب و مرمت ایں مسجد نمایند چوں ہمچنیں خطیر می باید

تا ایں مسجد درست شود، یک کس طاقت سر انجام آں ندارد بنا بر آں تدبیر سر و جا مستحق

یہ ایں وضع ست کہ ہر یک از ساوات و شرفاء اہل حرفہ یک تنکہ شاہجہانی فی نفر از ذات خود و عیال

واطفال خود بدہند و جاگیرداراں فی لک دام پنج روپیہ و دہقاں دہات دو روپیہ سر دیہہ آباد و یک

روپیہ سر دیہہ بای کاشت سرانجام نمایند تا ثواب یابند و حق سبحانہ تعالیٰ دمال واولاد آنہا

خیر و برکت دہد و ہندوان مطیع الاسلام کہ رابطۂ اطاعت اسلام در رقبۂ جان دانند دریں امر نیک

انجام با مسلمین موافقت نمایند تا در زمرۂ اہل اسلام یکنام باشند۔

خیاں نامواں بری خورند بخیلاں غم سیم و زر می خورند

تحریر فی التاریخ پانزدہم شہر شوال المکرم سنہ ۱۱۶۴ یکہزار و یکصد و شصت و چہار ہجری۔“

چندہ فراہم ہوا، مرمت بھی ہوگئی لیکن افسوس اسی زمانہ میں صدّو کے میلہ سے جلب منفعت وکشبدزر کے لالچ نے مہتمم و متوسلین مسجد اور بعض اہل محلّہ کو خانۂ خدا کے اصلی مقصد سے بے پرواہ کر دیا، مسلمانان شہر نے دوسری مسجد واقع محلّہ مولانہ کو آباد کیا۔ اور یہ نہایت قدیم مسجد جامع اور تاریخی و متبرک عمارت چند لوگوں کی حرص و آز اور عام مسلمانوں کی غفلت اور مداہنت کا شکار ہوگئی

عزیزوں نے اس سے توجہ اٹھالی عمارت کا ہے اس کی اللہ والی

یہ مسجد جو پانچ صدیوں سے زیادہ مدت تک امروہہ کی مسجد جامع رہی، جہاں مسلمانان امروہہ کے اسلاف کرام، علماء و فضلاء، مشائخ اولیاء خالق معبود کی عبادت میں مصروف رہتے تھے جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ میں مس کرتیں آہ وہ متبرک مقام اب مشرکین کا جولانگاہ بنا ہوا ہے، جس مقام پر کلام پاک کی تلاوت، تفسیر و حدیث کا درس ہوتا تھا، جہاں علماء و طلباء کا ہجوم رہتا تھا وہاں مکانات مسکونہ تعمیر ہوگئے، مسجد کا کنواں تک میلہ والوں کے چبوترہ میں شامل کرلیا۔ مسجد کے دو گنبد و مینار ٹوٹے پڑے ہیں، نہ فرش و فروش ہے اور نہ روشنی وصفائی کا انتظام، نہ بانگ و صلوٰۃ کا اہتمام۔ اب یہ خانۂ خدا مسلمانان امروہہ کی غفلت اور

بے حقیقی کا مرثیہ خواں ہے:۔

"وہ کون کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے!!"

۲۔ مسجد جامع کلاں

معمرۂ شیخ عمر حسین بن شیخ پیرک۔ یہ مسجد محلہ کنکوئی میں تحصیل کے محاذ میں ہے۔ کوئی کتبہ مسجد میں نصب نہیں ہے تاہم متعدد فرامین و پروانجات شاہی سے جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ابتدائے عہد اکبری میں اس زمانہ کی تعمیر ہے جب مسجد کیقبادی کی تنگی کی وجہ سے امروہہ میں نماز جمعہ کے لئے کوئی دوسری وسیع مسجد باقی نہ تھی۔ اوائل عہد مغلیہ میں اس مسجد کے مصارف کے لئے "بست بگیہ زمین، من جانب حکومت اسلامی، موضع شاہ پیر سرائے جسے غلطی سے لوگ "پیلیک سرائے" کہتے ہیں" دی گئی تھی۔

۳۔ مسجد عباسیان

معمرہ مولٰنا محمد عباسی علیہ الرحمۃ۔ یہ مسجد محلہ مولانہ میں خاکسار مؤلف کے جد اعلیٰ مولٰنا محمد عباسیؒ نے اواخر عہد اکبری میں اپنے اس مکان کے متصل، جو اب قاضی ابن عباس صاحب عباسی کی ملکیت ہے، تعمیر کی تھی۔ مولانائے موصوف جب آخر عمر میں شاہی خدمات سے سبکدوش ہو کر وطن چلے آئے اسی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کے مصارف بھی حکومت اسلامی کی جانب سے ادا ہوتے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ کا فرمان مجریہ ۲۲ شہر ذیقعدہ سنہ جلوس موافق ۱۰۷۵ھ خاکسار مؤلف کے پاس ہے جس میں "مبلغ شش و نیم تنکہ یومیہ بلا قصور از محصول پرگنہ امروہہ" اس مسجد کے مصارف کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ بعد میں بعوض یومیہ ایک ملک تعدادی پچاس بگیہ (۵۰ بگیہ) بموجب پروانہ نواب جعفر خان مجریہ شعبان ۱۰۸۶ھ مصارف مسجد کے لئے وقف ہو گئی جس کا اہتمام مولٰنا عبد الرشید عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان کرتا رہا۔ حال میں اس مسجد میں کچھ ترمیم ہو گئی ہے۔

۴۔ چلہ کی مسجد۔ ۱۰۲۹ھ میں زوجہ سید ابو القاسم والد سید محمد میر عدل نے تعمیر کرائی۔

تاریخ تعمیر کا کتبہ حسب ذیل ہے:-

در عہد ابو الفتح نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی عصمت پناہی بی بی زینب زن سید ابو القاسم الحسینی والدہ سید محمد منعم ایں مسجد را بنا ساخت۔ قطعہ

چو از فضل حق وز مدد مصطفا	بنا مسجد خوب و مرغوب شد
چو تاریخش از عقل کردم طلب	بگفت بگو مسجدے خوب شد

۱۰۲۹

اہل محلہ کی کوشش سے ۱۲۸۸ھ میں اس کی مرمت اور استرکاری ہوئی۔ منشی قادر علی، ڈکو (؟) نے اس کی کیا خوب تاریخ نکالی ہے:

چو تاریخ بنا شد مسجد خوب	مرمت خوب، تاریخ مرمت
۱۰۲۹ھ	۱۲۸۸ھ

۵۔ مسجد درگاہ ملک الشہداء حاجی سلیمان

واقع محلہ شاہی چبوترہ۔ یہ مسجد ۱۰۶۶ھ میں بایزید شیخ منصور بن شیخ بیرو پسر شیخ تاج نے تعمیر کرائی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس مقام پر ایک قدیم مسجد تھی جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں بتخانہ کو مسمار کر کے بنائی گئی تھی۔ بتخانہ کے پتھر اب بھی صحن مسجد میں دبے پڑے ہیں اور ایک پتھر مسجد کے دروازہ کے پاس الٹا نصب ہے۔ مسجد کے اندر محراب میں ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے:-

اللہ محمد رسولہ

بانی مسجد بہ عالم از ہمہ منصور شد

قائلہ و کاتبہ عبداللہ حلیم ۱۰۶۶ھ

مسجد کے بیچ کے در پر حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے:-

"ھو اللہ۔ در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ

چو منصور بن بیرو را شیخ تاج	پسر کردہ پروردہ با خویشتن
زبعد[1] ایں دو دادر چو منصور کرد	بنا مسجدے غلد سان خوب روشن

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصرعہ غلط کندہ ہوگیا۔

دوتاریخ از سال او گفتہ طبعم — اگر نیک دارند اہل سخن
یکے گفت بنا کرد منصور تاج — منصور بیرو نوکرد مسجد کہن

۱۰ ۳ ۶۶ — ۱۰ ۳ ۶۶

(قائلہ و کاتبہ شیخ مدہ اوستا حسین ۱۵ھ)

کچھ عرصہ ہوا اس مسجد کی مرمت ہوکر صحن وسیع کیا گیا اور کچھ اور بھی ترمیم ہوئی۔

۶۔ مسجد جامع امروہہ

یہ عالی شان اور خوبصورت مسجد محلہ مولانہ میں متصل تالاب پانباڑی مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اس کے پیچھے تالاب اور باغات کے پُرفضا منظر نے مسجد کی زیبائش کو دوبالا کردیا ہے۔ موسم برسات میں بالخصوص جب مسجد کے پشت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں تو کچھ عجب دلآویز اور پُربہار منظر ہوتا ہے۔

ابتداءً یہ مسجد صرف ایک چھوٹی سی جگہ اور مختصر سے صحن پر مشتمل تھی، اسے سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میرعدل نے غالباً ۱۱۰۰ھ میں اپنے خاندانی قبرستان سے متصل تعمیر کرایا تھا۔ مسجد سے جانب شمال سید شاہ ابوالحسنؒ اور ان کی اولاد میں دیوان سید محمود اور دوسرے اشخاص کی قبریں تھیں۔ اس خاندان کے قبرستان کے علاوہ اس مقام پر، جہاں اب صحن کا شرقی حصہ اور حوض وغیرہ ہے، دوسرے قدیم خاندانوں کے افراد کی بھی کچھ قبور تھیں۔ سید عبدالخالق مذکور نے قبرستان کی خدمت اور مسجد کی جاروب کشی کے لئے ایک نقارچی کو مقرر کیا تھا، اسے کچھ اراضی بھی خدمت کے معاوضہ میں دی تھی، اب اس کی اولاد مسجد سے متصل شمالی مغربی گوشہ میں رہتی ہے۔

مسجد کیقبادی میں جو ابتداء سے امروہہ کی جامع مسجد تھی شہر کی آبادی کے بڑھنے سے اوّلاً تو کافی گنجائش نہیں رہی تھی پھر صدو کے میلے کے ہنگامے بھی نمازیوں کی تکالیف کا موجب ہونے لگے۔ اسلئے سید عبدالخالق کی معمرہ اس مسجد کو جو بجلی کے گرنے کے حادثہ کی وجہ سے

---

۱۵ یہ الفاظ اسی طرح کندہ ہیں۔

مسجد جامع امروہہ (محلّہ مولانا)
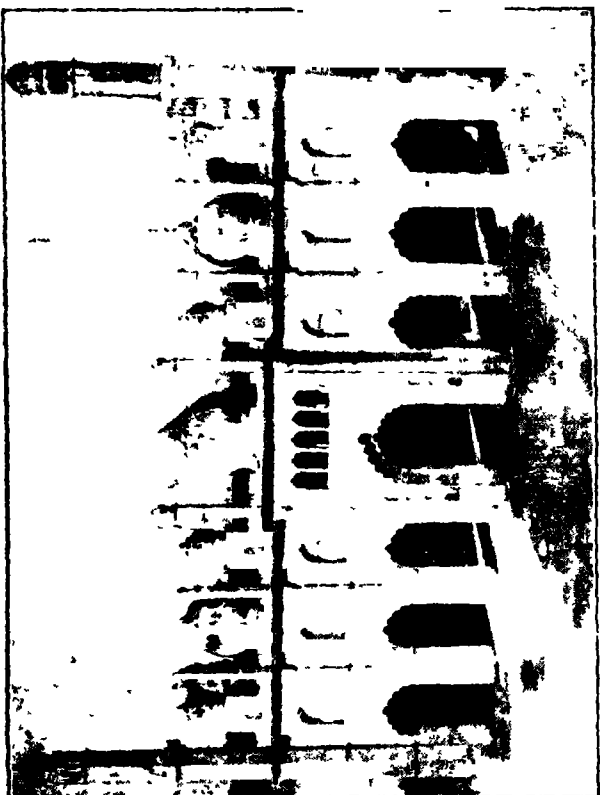
بہت شکستہ اور غیر آباد ہو گئی تھی حضرت قبلہ گاہی کے نانا صوفی خدا بخش عباسی نے سنہ ۱۲۷۳ھ میں از سر نو درست کرایا، حسب ذیل قطعۂ تاریخ مسجد کی اندرونی گہ میں محراب کے پاس کندہ ہے مصرعۂ تاریخ بھی بے نظیر ہے:-

ترمیم شکستگی مسجد — از رونق دیں خبر بر آورد
ایں مسجد پاک بعد صد سال — از سجدۂ شکر سر بر آورد

۱۲ ھ ۷۳

اس سے تقریباً بیس برس بعد جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدث مرادآباد کے مدرسہ مسجد شاہی سے مستعفی ہو کر سنہ ۱۳۰۰ھ میں امروہہ تشریف لائے مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد میں اجراء ہوا، مولانا موصوف بجائے حافظ سید مہربان علی کے امام جمعہ مقرر ہوئے اور جمعہ و جماعت کو ترقی ہوئی تو مسجد کی یہ ایک گہ نمازیوں کے ہجوم کی وجہ سے ناکافی ہونے لگی اس لئے بعض اکابرین شہر و منشی حکیم الدین تحصیلدار وقت نے دوسری گہ کی تعمیر کی تجویز کی، چنانچہ خود مولانا موصوف حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی، نواب وقار الملک مرحوم، مولوی نادر شاہ خان، قاضی نبی بخش عباسی، مولوی امجد علی عباسی، میر غلام جیلانی، سید امتیاز علی منصف کی کوششوں اور دیگر عمائدین محلہ دربارکلاں، کنکوئی، قریشیان، صدو و محلہ چلہ کی اعانت سے بہ اہتمام مستری حیات بخش سنہ ۱۳۰۱ھ میں زر تفریق سے کار تعمیر کا آغاز ہوا۔ شیخ گلزار علی (قوم کلال) نے لکڑی اور روپیہ سے بہت کچھ مدد کی اور دو سال کی مدت میں بہ ہزار جد و جہد اس عالی شان تعمیر کی تکمیل ہوئی سید ظہور حسن ثاقب (محلہ چلہ) نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا جو اگلی گہ کے بیچ کے در پر باہر کی جانب کندہ ہے ؎

چوں بہ پیش مسجد اہل سنن — خوب شد تعمیر نو خاطر پسند
گفت ثاقب مصرعۂ تاریخ او — گشت صدر مسجد جامع دو چند

۱۳۰۳ھ

مسجد کا موجودہ عالی شان اور خوشنما دروازہ بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوا، خاکسار مؤلف کے برادر بزرگ مولوی محمد داؤد عباسی بی - اے (علیگ) مرحوم نے قطعۂ تاریخ لکھا جو دروازہ کی پیشانی پر کندہ ہے۔

وہ زدروازۂ ہمایوں شان | کہ بہ رفعت شدہ زچرخ قریب
یافت داؤد از سروش فلک | سالِ تعمیرِ او عجیب و غریب

۱۳ ۰۳

اس سے تقریباً تیس سال بعد ۱۳۳۱ھ میں مہتمان مسجد نے شمالاً و جنوباً مسجد کی توسیع کی — یہ واقعہ سلطان ابن سعود کے انہدام مقابر کی کارروائی سے بہت پہلے کا ہے تاہم امر ذیہ کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے کہ توسیع مسجد کی بنا پر پرانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی جو قبور شمالی قطعہ میں صدیوں سے موجود تھیں وہ مسمار کر دی گئیں۔ صوفی خدا بخش عباسی مرحوم کی قبر البتہ مسمار نہیں کی گئی جو اگلی گہ کے شمالی مینار کے پاس اب تک موجود ہے۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کی قبر بھی صحن مسجد کے جنوبی مشرقی گوشہ میں موجود ہے۔

صحن مسجد کے شرقی کنارہ پر متصل دروازہ قدیم مدرسۂ اسلامیہ کی وسیع عمارت ہے، جس میں درس تدریس کے متعدد کمرے ہیں، مدرسہ کا کتب خانہ و دفتر بھی اسی عمارت میں ہے۔ دار الاقامہ کے متعدد کمرے صحن مسجد کے جانب جنوب اور دروازہ کے متصل ہر دو جانب ہیں۔ اب کچھ اور عمارت ایک قطعہ زمین خرید کر جانب شمال تعمیر ہونا تجویز ہوئی ہے۔

۷۔ شیری کی مسجد | یہ مسجد متصل کٹرہ غلام علی واقع ہے ۱۰۴۲ھ میں کمال خان مختار عام سید ابراہیم و سید عاقل نے کارواں سرائے کے قریب تعمیر کی تھی کوئی کتبہ تو موجود نہیں لیکن طرز تعمیر یقیناً قدیم ہے۔

۸۔ مسجد سید ابدال محمد | یہ خوشنما مسجد بیرون شہر متصل محلہ لکڑہ واقع ہے۔ سید ابدال محمد بن سید محمد منور نے ۱۱۲۱ھ میں تعمیر کرائی تھی حسب ذیل قطعۂ تاریخ بھی

مسجد مقبرہ سید ابدال محمد رحمۃ اللہ علیہ

مسجد معمرہ سید ابدال محمد رحمۃ اللہ علیہ

تعمیر سنہ ۱۰۱
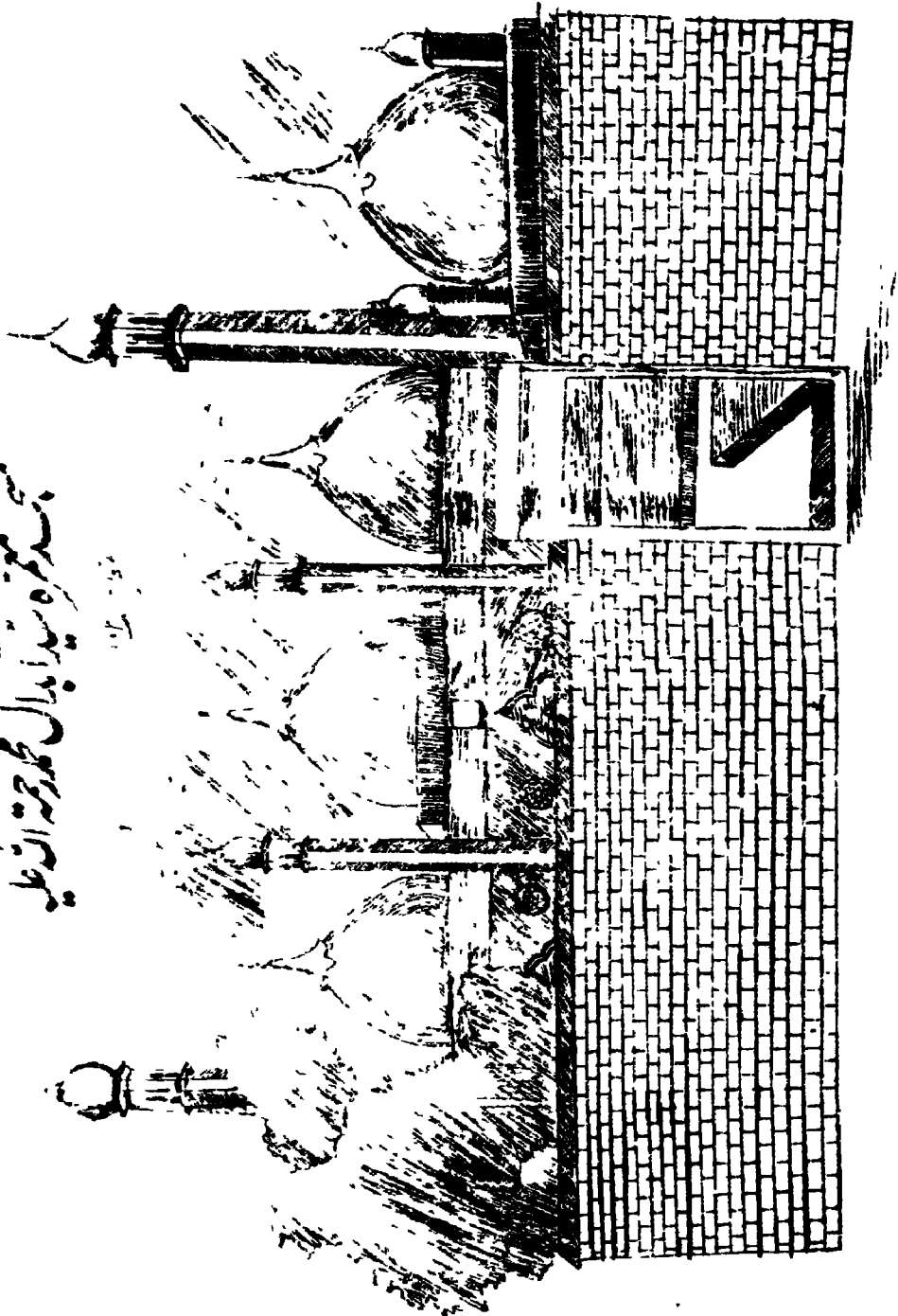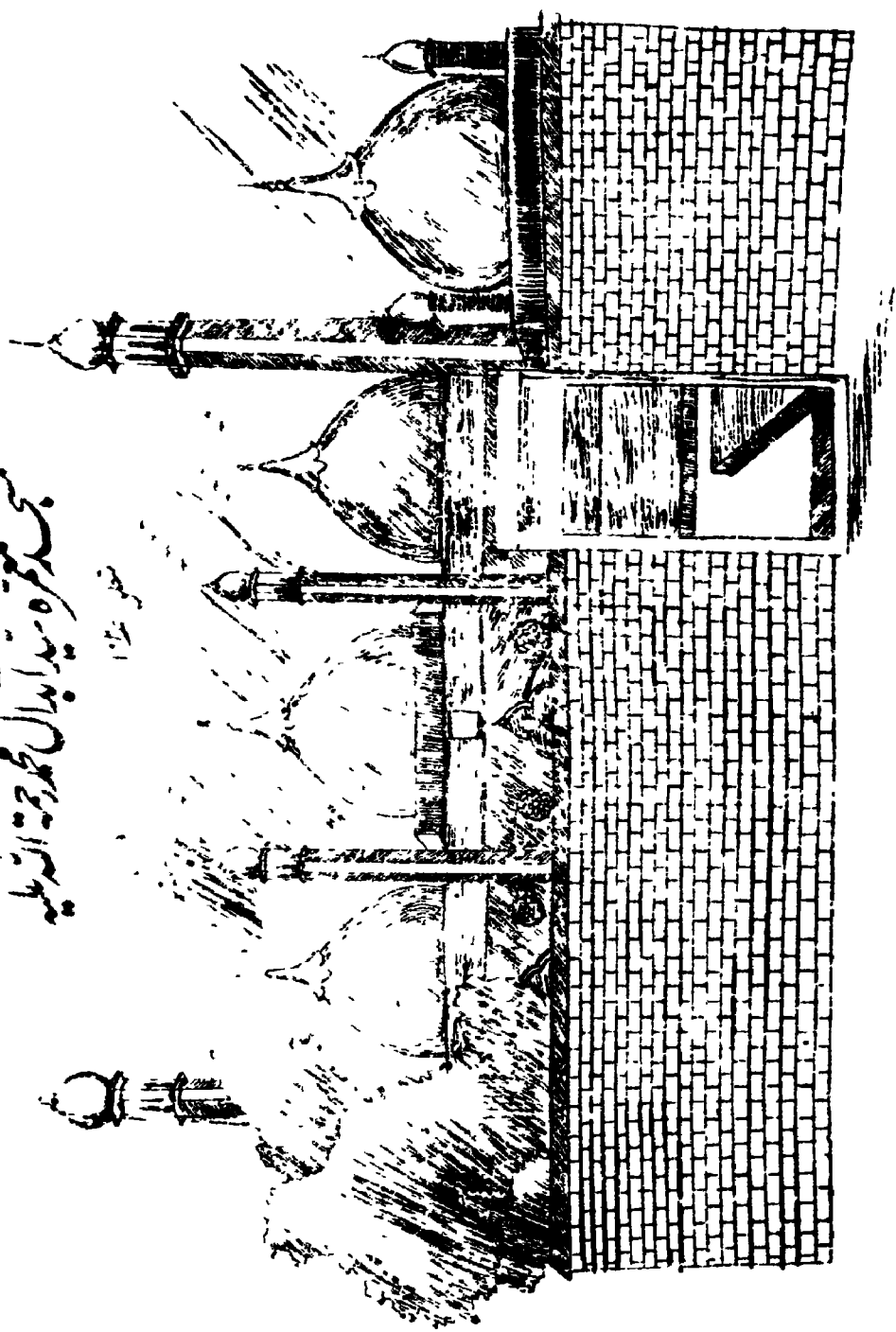
پر کندہ ہے :-

سید ابدال حامی اسلام ۔۔۔ مسجدے ساخت عرش مماس

سال تاریخ از خرد گفتہ ۔۔۔ خانۂ کعبہ را نہاد اساس

۱۱ ۔ ھ ۔ ۱۴

احاطہ مسجد کے شرقی و شمالی گوشہ میں شاہ عبد الرسول قادری کا مقبرہ ہے جو سید ابدال محمد کے پیر طریقت تھے۔ سید ابدال محمد سنی المذہب، عابد، زاہد، صوفی منش بزرگ تھے۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں :-

"سید ابدال محمد منصب دار شاہی تھے۔ نواب دوندے خان کے عہد میں بڑی عزت اور توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو دینا پیر کہتے تھے۔ سید موصوف نے ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا اور شاہ عبد الرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا گنبد بہت خوب صورت ہے۔ موضع جلال پور وغیرہ جائداد معافی بنام مسجد وقف کر کے اپنے بیٹے سید فیض احمد کو اس کا متولی کیا۔ پھر تعلقات دنیاوی ترک کر کے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا۔"

اصل دستاویز وقف نامہ خاکسار مولف کو دستیاب نہیں ہوئی، تاہم سید ابدال محمد اور نواب دوندے خان کی بعض تحریرات سے جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، نیز سید ابدال محمد کے فرزند سید فیض احمد کے وصیت نامہ کی عبارت اور بعض دیرینہ کاغذات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ سید ابدال محمد سنی حنفی، مشائخ کے معتقد و مرید اور صاحب حال بزرگ تھے۔ ان کے اخلاف میں ان کے فرزند و جانشین سید فیض احمد اور سید قائم علی بن سید فیض احمد مذکور جو یکے بعد دیگرے جائداد موقوفہ کے متولی ہوتے رہے اپنے آبائی مذہب کے پابند تھے۔ سید شبیر علی بن سید قائم علی مذکور نے البتہ آخر عمر میں شیعیت کا اظہار کیا تھا۔

ہم کو یا مؤلف کو اس مبحث سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں کہ اس وقف پر متمکن تھا وہ سنی
ہوں یا شیعہ لیکن جہاں تک تاریخی حالات اور واقعات کا تعلق ہے حقیقت حال کا اظہار لازم
ہے۔ تاریخی شواہد و آثار اور دیگر کاغذات سے ... سے ثبوت ملتا ہے کہ واقف اور اس کے جانشین
متولی سنی المذہب تھے۔ جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا گیا تھا ان کا اجمالی تذکرہ وصیت نامہ
سید فیض احمد متولی بن سید امداد آل محمد مرقومہ دوم شہر رجب المرجب سنہ ۱۲۱۰ھ میں درج ہے
جس کی نقل تاریخی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نقل وصیت نامہ سید فیض احمد متولی

"باعث تحریر این سطور آنکہ سید امداد آل محمد مرحوم والد این عبد ضعیف سید فیض احمد
بتائید الٰہی مسجد بنا کرده برائے وجہ کفاف امام و خدمت و خرچ مسافرین وغیرہ متعلقہ آں
موازی ہشت صد و شصت ہفت بیگہ خام زمین زراعی املاک در رقبہ موضع جلال پور و کنج
و محمود پور و نصیر نگلہ و دیرہ و جبدہ پرگنہ امروہہ مملوکہ خود و محصول موازی دو صد و بست
و پنج بیگہ زمین خام زمین در رقبہ موضع جلال پور مذکور بموجب وقف نامہ وقف نموده
بندهٔ درگاه را متولی و سرانجام کار آں مقرر ساخت و قطعہ تولیت نامہ علیحده بنام من
نوشتہ جملہ کاغذ مذکور متعلقہ وقف مذکور بہ تحویل من بندہ داد چنانچہ مطابق آں تا حال
بندهٔ درگاه محاصل آراضی موقوفہ را حصول کرده تصرف مصارف متعلقہ مسجد بموجب
وقف نامہ و تولیت نامہ کرده آمده حالا بندهٔ درگاه برخوردار سید قائم علی را متولی و سرانجام
کار مسجد و آراضی موقوفہ از طرف خود مقرر نموده بجائے خود قائم مقام گردانیده تمامی اسناد
متعلقہ مسجد را حوالہ برخوردار مذکور نمودم باید کہ برخوردار مذکور اسناد مذکوره را بہ ہوشیاری
نزد خود داشتہ بہ دیانت و احتیاط سرانجام کار متعلقہ مسجد نموده محاصل آراضی مذکوره
را در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش سقان مسجد و خرچ مسافرین و آب و چراغ
وغیرہ صرف می کرده باشد و مدام بہ مرمت شکست و ریخت مسجد و مکانات آں خبرگیراں باشد

"وانچہ از مصارف متعینہ و ضروری آن باقی ماند آن را بہ امانت نزد خود نگاہ داشتہ بہ اختیاری
مسجد و تیاری حجرہ و دالان متقابل خرچ نماید و عزل و نصب مؤذن و امام وغیرہ
خدمت مسجد بہ اختیار دست ذمہ خود شناسند"

تحریر فی التاریخ دوم شہر رجب المرجب

مندرجہ بالا وصیت نامہ میں "امام" کا لفظ متعدد جگہ تحریر ہے۔ یہ لفظ کسی شیعہ کے قلم سے اصطلاحاً بھی "پیش نماز" کے لئے نہیں نکل سکتا۔ اس وصیت نامہ کی عبارت سے صاف واضح ہو کہ اصل دستاویز وقف نامہ و تولیت نامہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ تحریر ہیں۔ واقف اور ان کے جانشین متولی اگر شیعہ مذہب ہوتے تو "امام" کی بجائے "پیش نماز" تحریر ہوتا اور ایسی وسیع و خوشنما مسجد کے بجائے کوئی امام باڑہ تعمیر کرتے یا وقف کے مصارف میں مجالس تعزیہ داری کی مدات کو بھی شامل کرتے۔ واقعہ یہ ہو کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے پیشتر امروہہ میں کوئی ایک مسجد بھی شیعہ حضرات کی موجود نہیں تھی۔ اور نہ حضرات شیعہ میں جمعہ یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام امروہہ تو کیا اس زمانہ میں شمالی ہند کے کسی مقام پر موجود تھا[۵۱]۔ اس لئے نہ مساجد تعمیر ہوتی تھیں اور نہ اس زمانہ میں شیعوں کے لئے تعمیر مسجد کی کوئی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں موجودہ متولی اور مہتمم کے انتظام سے پیشتر تک جو غالباً ۱۹۰۷ء سے شروع ہوا اس مسجد میں باوجود سابقہ متولی کے شیعی مذہب ہونے کے امام و مؤذن سنی المذہب مقرر ہوتے رہے[۵۲]۔ مولانا عبدالعزیز جو پچھلے زمانہ میں سنی علماء میں نشان امتیاز رکھتے تھے یہاں درس دیتے رہے، مسجد کی امامت بھی ان ہی سے متعلق رہی۔ مولوی عبدالعزیز

---

[۵۱] تاریخ عماد السعادت مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۳۳۔ [۵۲] مؤلف تاریخ واسطیہ کا یہ بیان کہ "اس مسجد میں ہمیشہ حفاظ وغیرہ مذہب شیعہ سے رہے ہیں" ہرگز صحیح۔ خاکسار مؤلف کی نظر سے سابقہ متولیوں کے جو کاغذات گذرے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہے کہ اس مسجد میں امام، مؤذن، حفاظ و دیگر متوسلین ۱۹۰۷ء سے پہلے سب سنی مذہب مقرر

ابنہٹہ ضلع سہارنپور۔ مولوی عبدالعزیز ساکن بجنور جو سُنّی حنفی مذہب تھے [۱۳۴۲ھ] تک اس وقف سے تنخواہ پاتے رہے۔ صوفی عبدالرزاق (ساکن محلہ بچپرہ) کے والد شیخ عبدالقادر اور خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ بن شیخ ہدایت بخش اور ان کے فرزند پیرجی عبدالرشید یکے بعد دیگرے اس مسجد مین متولیان جدید کے عہد سے قبل تک مؤذن مقرر ہوتے رہے۔

تاریخی حالات کے سلسلہ مین صداقت بیانی مجبور کرتی ہے کہ اس کا اظہار بھی کر دون کہ جدید انتظام مین حضرت شاہ عبدالرسول قادریؒ کے مرقد منوّر اور احاطہ مسجد مین اور قبور کی ہیئت کو جو سنیون کے طریقہ پر تعمیر تھین، تبدیل کر دیا گیا۔ مسجد جامع محلّہ مولانہ کے مہتممین نے تو توسیع عمارت کے بہانہ سے بانیٔ مسجد اور ان کے اہل خاندان کی قبور کو منہدم کر دیا تھا۔ جو تاریخی نقطۂ نظر سے سخت معیوب ہے لیکن اس سے معیوب تر کارروائی ہے جو یہان ان بزرگون کے خواہ مخواہ شیعی مذہب ثابت کرنے کے لئے کی گئی۔ لیکن طرفہ ماجرا یہ ہے کہ خود بانیٔ مسجد سید ابدال محمدؒ اور اُن کے فرزند سید فیض احمد کا مرقد انور چونکہ درگاہ شاہ ولایتؒ کی چہار دیواری اور مجاوران درگاہ کی جائے نشست سے قریب ہے ان کی ہیئت کو اب تبدیل نہ کیا جا سکا۔ قدیم کتبہ کے علاوہ مسجد مین جدید کتبہ بھی نصب کرائے گئے ہین۔

۹۔ مسجد میر گلّو | [۱۱۷۲ھ] مین یہ وسیع اور خوشنما مسجد معہ عمارت مدرسہ سید اسد اللہ خان عرف میر گلّو نے اپنے مکانات کے متصل محلہ گذری مین تعمیر کرائی اور ایک موضع جھجرن اس کے اخراجات کے لئے وقف کیا۔ سید ابدال محمدؒ کی طرح میر گلّو بھی اپنے آبائی مذہب اہل سُنّت والجماعت کے پیرو تھے۔ عدالت نے بھی اس وقف کو سُنّیون ہی کا وقف قرار دیا۔ متولّی اگرچہ شیعہ مذہب ہین لیکن مسجد آباد ہے اور اسمین سنیون کا امام بھی ہے جو اچھی حالت مین ہے۔

۱۰۔ مسجد نصری بیگم | یہ وسیع اور خوشنما مسجد متصل مراد آبادی دروازہ واقع ہے۔ سید فیض علی بن سید افضل علی بن سید محمد فاضل نبیرۂ دیوان سید محمود کی زوجہ
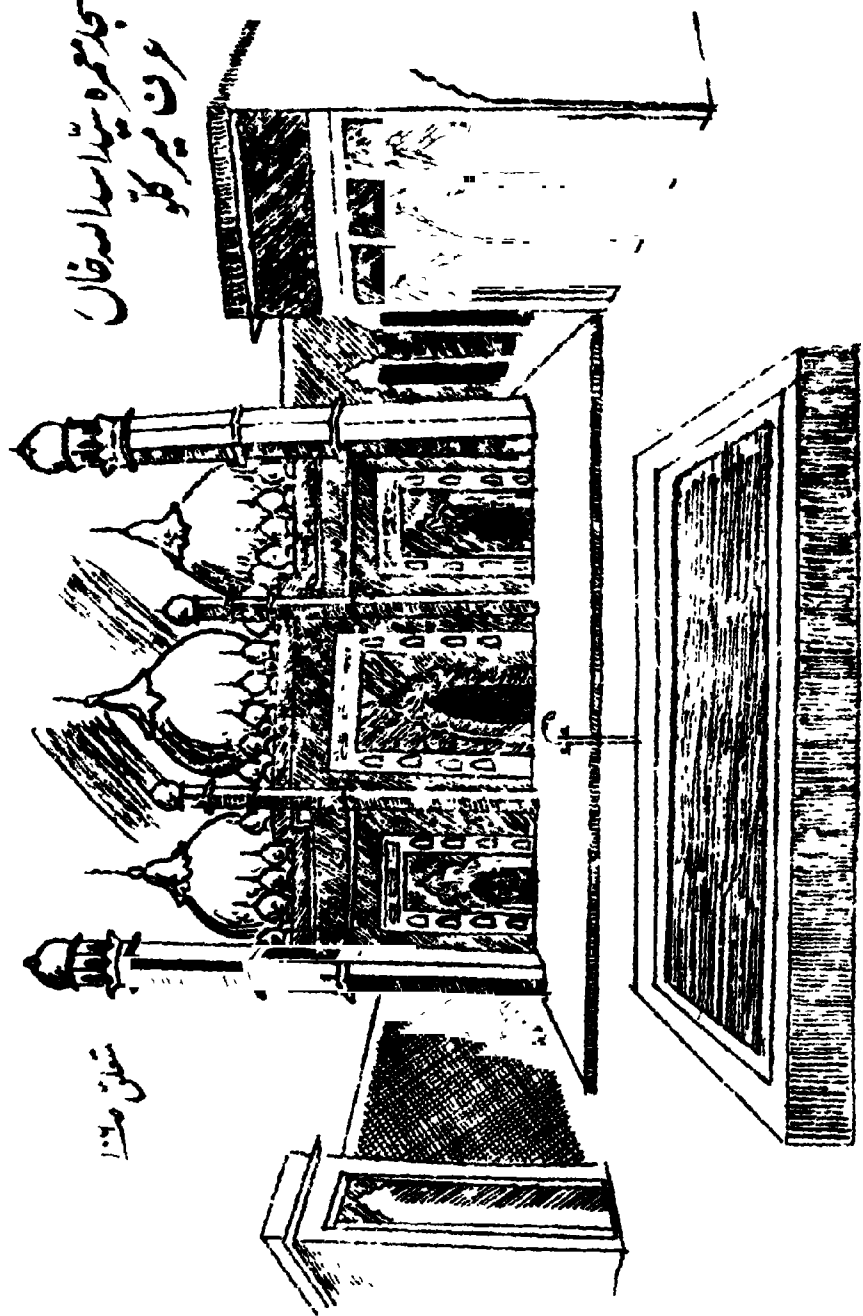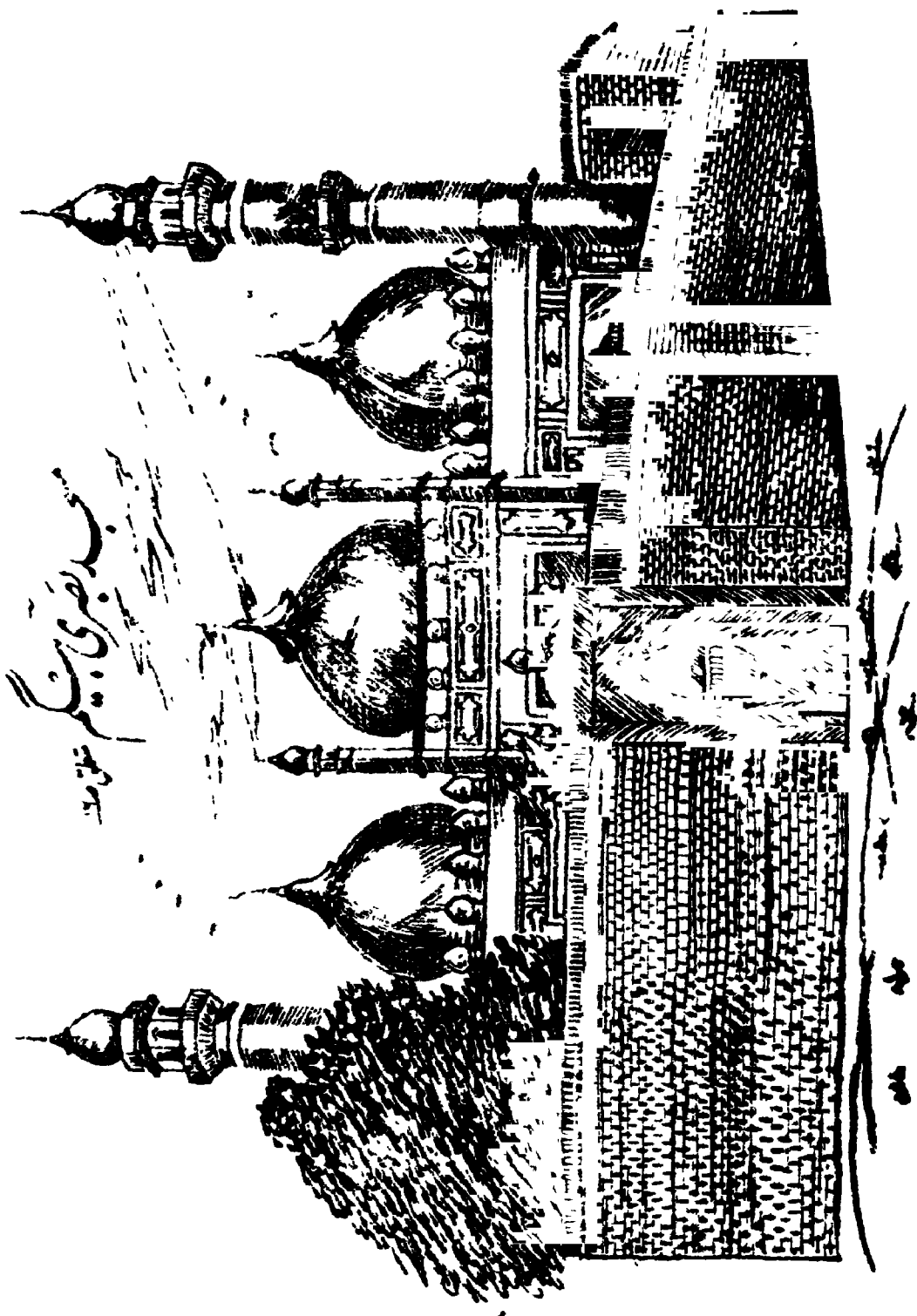
مسجد معمرہ سیّد اسد اللہ خاں
عرف میر کلو
متعلق صـ۱۰۶

مسجد بصری بیگم

مسجد حافظ عباس علی خاںؒ
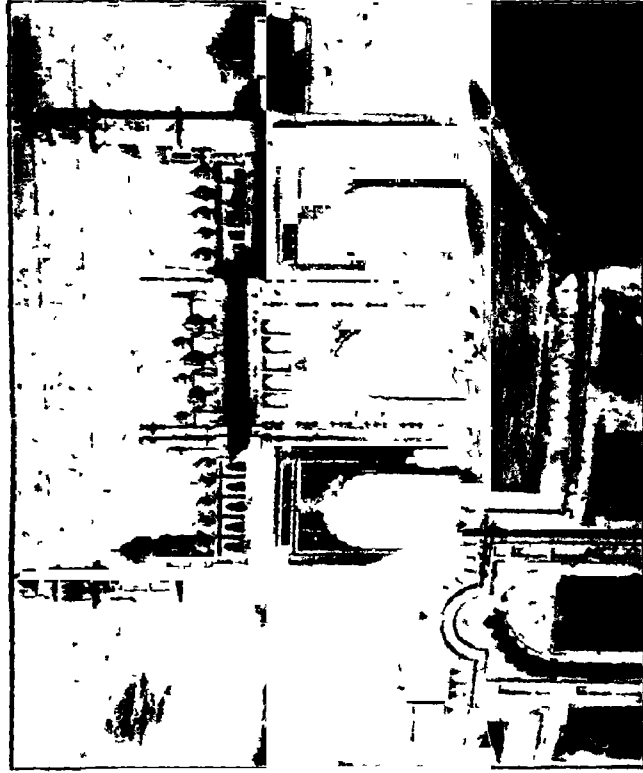
بصری بیگم ہمشیرۂ سید غلام حسین خان نائب ریاست رامپور نے سنہ ۱۲۱۸ھ میں یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ احاطہ مسجد کے اندر بصری بیگم کی قبر بھی ہے۔ اسی نمونہ کی ایک اور مسجد انہوں نے شیر خان سرائے شہر سنبھل میں تعمیر کرائی تھی جہاں ان کے مرشد میرن شاہ کا مقبرہ ہے۔ مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف نہ تھی۔ شیخ حسین بخش نے سنہ ۱۲۳۰ھ میں ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی ایک جائداد وقف کی۔

۱۱۔ مسجد حافظ عباس علی خاں ابتداءً یہ ایک مختصر سی مسجد تھی عہد شاہجہان بادشاہ میں شیخ بایزید نے تعمیر کی تھی۔ ناتمام و شکستہ حالت میں تھی۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل اس مسجد کو سالگ رام ولد گھنشیام داس تباڑی[۱] نے اس پر قبضہ کر کے منہدم کر کے مندر قرار دے دیا تھا۔ حافظ عباس علی خانؒ نے سنہ ۱۸۵۵ء میں اس مسجد کی دخلیابی کا تباڑی مذکور کے خلاف عدالت ججی مرادآباد میں دعویٰ دائر کیا۔ دعویٰ ڈگری ہوا۔ تباڑی مذکور نے ولسن صاحب جج کے یہاں اپیل کیا، جو کامیاب ہوا۔ حافظ صاحب نے ہائی کورٹ آگرہ میں اپیل کیا وہاں سے فیصلہ حافظ صاحب کے موافق ہوا لیکن ہنوز دخل نہ ملنے پایا تھا کہ سنہ ۱۲۷۴ھ میں غدر ہو گیا۔ مسلمانوں نے بطور خود مسجد پر قبضہ کر کے عمارت تعمیر کی۔ جب بعد غدر کے انگریزی عملداری شروع ہوئی ناظر گورسہائے امروہہ کے ناظم و حاکم مقرر ہوئے ان کی اعانت سے تباڑی مذکور کو انہدام مسجد کا موقع خوب ہاتھ آیا اس نے مسجد کو کلیتاً مسمار کر دیا۔ سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق سنہ ۱۸۶۳ء میں حافظ عباس علی خان نے عدالت سب ججی مرادآباد میں پانچ ہزار روپیہ خرچہ اور دخل یابی کا دعوےٰ کیا جو ڈگری ہوا۔ بالآخر سنہ ۱۲۷۹ھ مطابق سنہ ۱۸۶۵ء میں مسلمانوں کو دخل ملا اور مسجد از سر نو تعمیر ہوئی۔ آپ کے فرزند مولوی احمد حسین خان صاحب نے قطعۂ تاریخ کہا :-

---

[۱] عوام غلطی سے تواڑی کہتے ہیں۔ اصل میں لفظ تباڑی ہے اور "تر بیدی" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تین وید کا جاننے والا

شکستہ چو بتخانہ را اہل دین | پئے مسجد باب سجدہ غریب
بنا حافظ عباس علی خان نمود | بہ بنصر من اللہ و فتحاً قریب

۱۲۔ مسجد ننھے خان | یہ خوبصورت و خوشنما مسجد بیرون شہر جانب جنوب ننھے خان والے باغ میں واقع ہے۔ ننھے خان جو حیات خان حاکم سنبھل کے خسر تھے، امروہہ میں ساکن تھے۔ اپنے زمانہ میں نامور اور متمول شخص تھے۔ یہ مسجد اور ایک کنواں بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں انہوں نے تعمیر کرایا تھا اور ایک باغ بھی نصب کیا تھا مسجد جا بجا شکستہ ہو گئی ہے۔ یہ کنواں ''خونی کنویں'' کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۔ مسجد محلہ شفاعت پوتہ | یہ مسجد اگرچہ عہد اسلامی کی تعمیر نہیں ہے لیکن اپنی زیبائش وسعت اور مسلمانوں کے ایک فرقہ کی عبادت گاہ ہونے کے لحاظ سے قابل تذکرہ ہے۔ ابتداً یہاں ایک مختصر سی مسجد تھی جسے حاجی شیخ اشرف علی عظیم آبادی نے جو امروہہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، ۱۲۳۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی وجہ صاحب تاریخ صغریٰ نے یہ لکھی ہے کہ جناب مولوی سید محمد عبادت صاحب (پیش نماز شیعان امروہہ) بہ سبب نہ ہونے مسجد کے نماز جماعت امام باڑہ میں پڑھا کرتے تھے لہذا حاجی صاحب نے یہ مسجد مختصر بنائی لیکن بہ سبب کثرت نمازیوں کے ہمیشہ اہل جماعت کو ایذا کشمکش کی ہوتی تھی تو حاجی صاحب نے مسجد کو وسعت دینی چاہی اور کچھ سامان تعمیر بھی فراہم کیا مگر آغاز تعمیر کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی۔ اس لئے امروہہ اور بیرونجات کے شیعہ حضرات نے چندہ جمع کر کے اس مسجد کو وسیع کیا۔ پانچ سال میں یہ عالی شان اور خوشنما مسجد تعمیر ہوئی۔ سال تکمیل تعمیر ۱۲۸۴ھ ہے اور نام اشرف المساجد مسجد کے بیچ کے در پر یہ مصرعہ و تاریخ جدا گانہ پتھر دن پر کندہ ہیں مصرعہ ''ظہور عام بہ تعمیر کل جماعت شد''

مسجد اشرف بنا گشتہ چو از فضل اللہ | مقتدایان را بہ ترسیش بساجد وکلاست
سال تاریخش چو پرسیدم ز ہاتف فرقتی | گفت ہشتاد و چہار و یکہزار و دو صدست

۱۲ ھ ۸۴

مسجد ننھے خاں متعلق صہ ۱
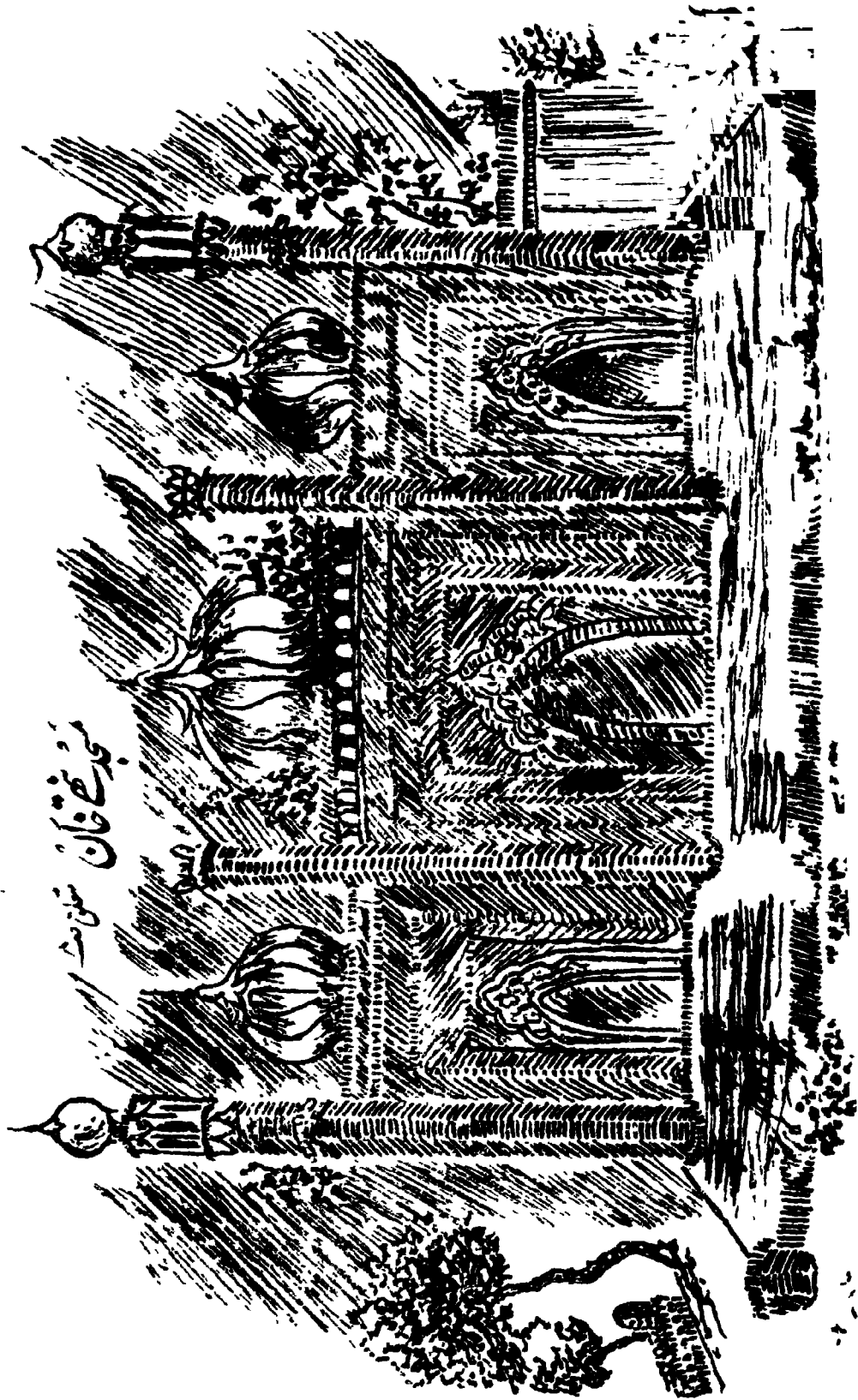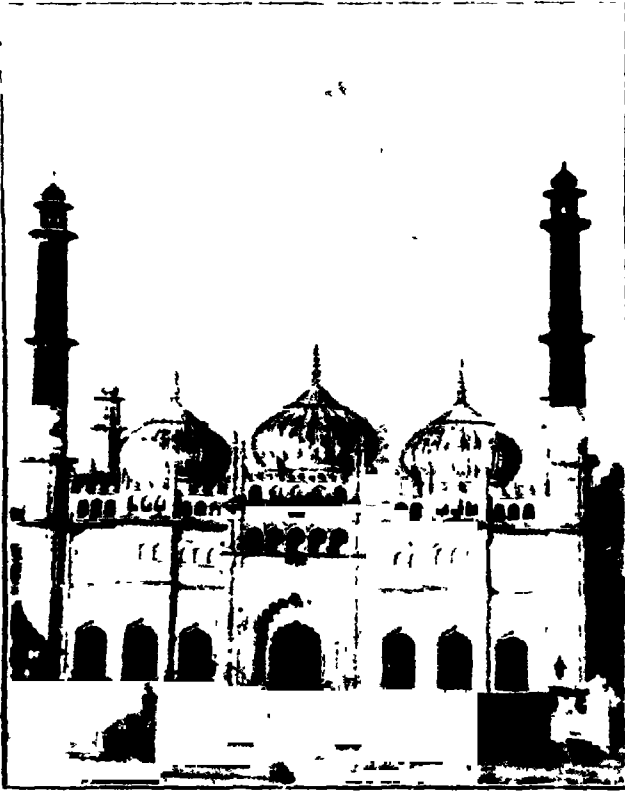
اشرف المساجد (مسجد جامع شیعان امروہہ)

مسجد کے جنوبی گوشہ مین شیعہ سینن کتبخانہ کے کمرے ہین اور اس سے متصل تبید المدارس کی خوشنما اور وسیع عمارت ہے۔

مزارات خانقاہین اور مقبرے

۱۔ مزارات شہداءِ متقدمین

شہدائے متقدمین کے مزارات جا بجا اندرون و بیرون شہر واقع ہین۔ ان میں اکثر وہ غازیان اسلام ہین جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ مین یہاں کے معرکہائے جنگ و جدال مین شہید ہوئے۔ یہ مزارات تاریخی حیثیت رکھتے ہین۔ مسلمانان شہر کو ان مزارات سے عقیدت ہے۔ ہر پنجشنبہ کو اکثر مزارات پر لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے اور چراغ روشن کرتے ہین۔ ان مین چند ان بعد کے شہدار کے مزارات بھی شامل ہین جن سے لوگون کو عقیدت ہے۔ مزارات کی تفصیل یہ ہے:

سیدنا ابراہیم شہید شہر کے گوشہ شمال و مغرب میں بہ فاصلہ ایک میل لب سڑک تاجپور۔ ان کا مقبرہ احمد شاہ درانی کے وقت مین تعمیر ہوا **احسن شہید**:۔ جانب شمال محاذی عیدگاہ۔ **محمد شہید**:۔ جانب غرب شہر سے دو میل کے فاصلہ پر موضع بیجو سرائے مین۔ **حامد شہید**: محلہ قریشیان میں۔ (وزیر سنگھ امیر سنگھ کا یستہ نے تخمیناً پچاس سال قبل یہ مزار از سر نو بنوایا تھا۔) **عثمان شہید**: متصل ام تالاب۔ **ثمن شہید**:۔ جانب شرق **مبارک شہید**:۔ جانب جنوب شہر سے ایک میل لب سڑک ڈھکہ۔ **ثمن شہید ثانی** واقع محلہ چکلی۔ **ماکم شہید**:۔ واقع محلہ کوزہ گران۔ **جھنڈا شہید**:۔ واقع محلہ شیخ زادگان (اب یہ محلہ اسی نام سے موسوم ہے) **کھورے خان شہید**:۔ جانب شرق احاطہ جلال و جوش و خروش ہین۔ **جہانگیر شہید**:۔ واقع محلہ جڑ و دیہ **عبد الحکیم عباسی شہید**: متصل تکیہ ساہو جانب جنوب۔ **کنوارے شہید**: متصل روضہ شاہ گمانی

جہانگیر شہید ثانی: محلہ موا آنہ متصل پوانخانہ قاضی ابن عباس عبّاسی ہدایت اللہ شہید:۔ بادشاہی چبوترہ اندرون مکان مولوی احسان الحسن تھے خان شہید ملکی تھے

۳۔ مزارات اولیاء

امروہہ مین مشائخ واولیاء کے مزارات یون تو بہ کثرت ہین لیکن یہاں صرف ان مزارات کی تفصیل درج کیجاتی ہے جنھین کوئی تاریخی اہمیت حاصل ہے

۱۔ درگاہ حاجی سلیمان و حاجی عبداللہ

یہ مختصر سی درگاہ محلہ شاہی چبوترہ مین متصل مسجد واقع ہی صاحبان مزار کا مفصّل حال معلوم نہیں۔ البتہ امروہہ میں یہ مزارات بہت قدیم ہین۔ روایت ہی کہ غازیان متقدمین میں یہ دونون صاحب نسبت بزرگ تھے یہاں کے بتخانہ کو انہون نے ڈھایا شوق جہاد مین جام شہادت نوش فرمایا اور اسی مقام شہادت پر مدفون ہوئے ۱۰۶۲ھ میں عہد شاہجہان مین شیخ منصور ولد شیخ بیرو تمنائے شیخ تاج نے اس درگاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ احاطۂ درگاہ مین حاجی سلیمان اور حاجی عبداللہ کے مزارات پہلو بہ پہلو ہین۔ احاطہ کی دیوار پر جو پتھر نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہی:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی خلّد اللہ ملکہٗ۔ شیخ منصور روضۂ ملک شہداء حاجی عبداللہ و حاجی سلیمان بناساختہ

شیخ منصور روضۂ شہداء	نذر بستہ کہ داد شش ایزد پور
پیشتر از تولد آن پور	نام معمور کرد بلوز سرور
بہ وفائے نذر چو کرد بنائے	از جہان کرد رحلتش آں پور
چون بجستم زعقل تاریخش	سال او شد عمارتِ معمور"
"از استاحین	۱۰۶۲ قائلہ کاتبہ شیخ ملا"

اس درگاہ کا تیلخرچ بھی اور درگاہوں کی طرح منجانب حکومت مقرر تھا۔

۲۔ مزار سید نظام گنج روان:۔ سید صاحب کا مزار محلہ نوبتخانہ مین لب سڑک مسجد کی پشت

احاطہ درگاہ حضرت شاہ اعزالدین قدس سرہٗ
متعلق ص ۱۱۱
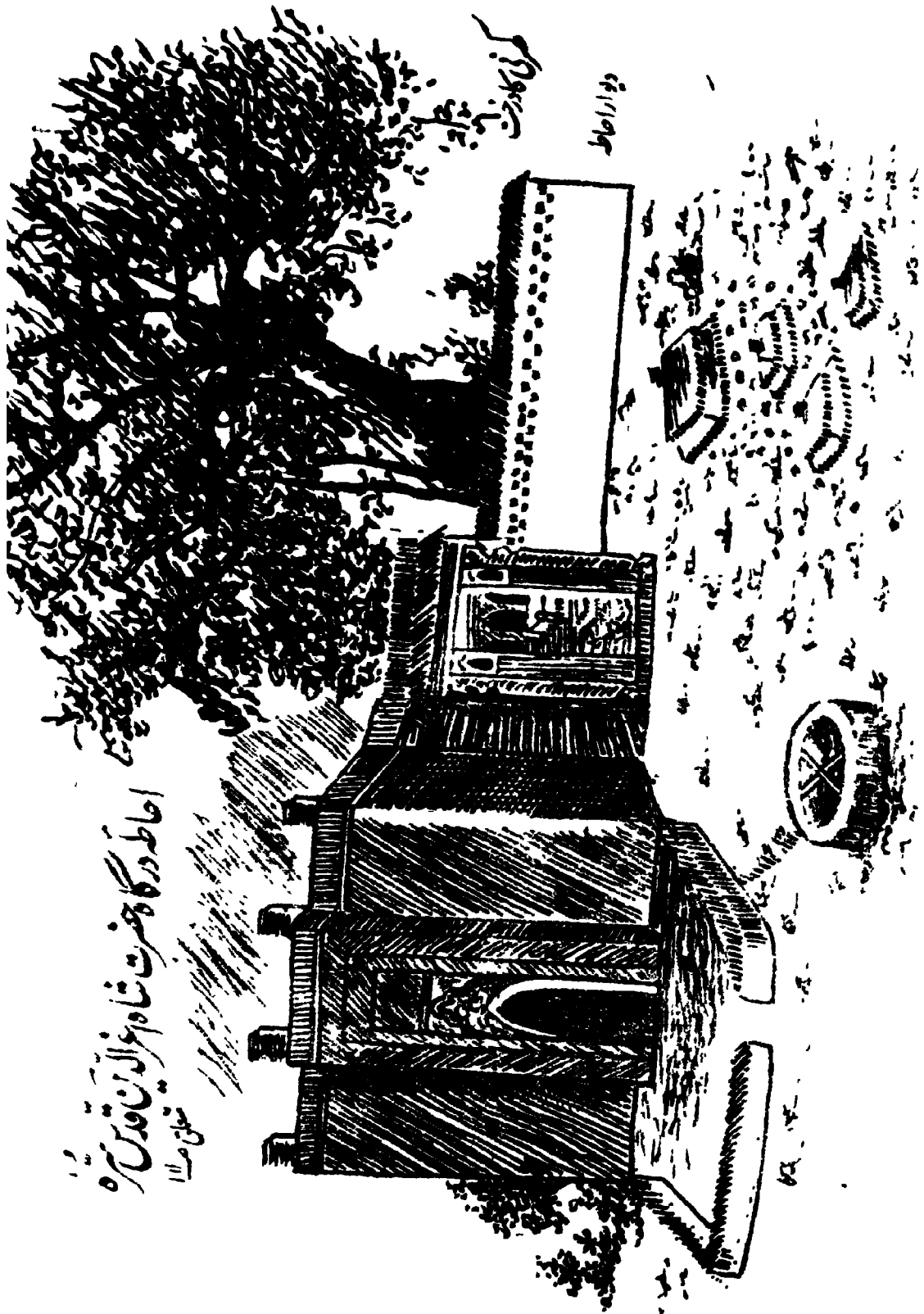
پر مختصر احاطہ میں واقع ہے۔ امروہہ کے اولیاء میں ان کا زمانہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔ گنڈا شاہ مجذوب کی قبر بھی آپ کے جوار میں ہے۔

۳۔ درگاہ شاہ اعزالدین سہروردی رح

شاہ صاحب اولیائے متقدمین میں ہیں، حضرت شاہ ولایت کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی پہلے آپ امروہہ تشریف لائے آپ کی درگاہ حضرت شاہ ولایت کی درگاہ سے جانب جنوب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے، مزار پُر انوار کے پاس کھرنی کا جو درخت آج تک موجود ہے غالباً اس سے زیادہ کوئی پرانا درخت امروہہ میں نہیں۔ درگاہ کے سامنے برگد کا درخت بھی اپنی قدامت بیان حال سے بتلا رہا ہے اس نواح میں بعض شکستہ چبوتروں اور قبروں کی اینٹیں آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں وقتاً فوقتاً خاکسار مؤلف کی نظر سے گذریں جن کی ساخت و جسامت ہی ان کی قدامت کی دلیل ہے۔ انہیں سے بعض ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبی چوڑی اور دو دو تین تین انچ موٹی تھیں جو یقیناً مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ کی معلوم ہوتی ہیں حضرت شاہ ولایت کی درگاہ یا کسی اور قدیم مزار کے پاس اس ساخت اور جسامت کی اینٹیں یا آثار قدیمہ مؤلف کی نظر سے باوجود تلاش و جستجو نہیں گذرے

امتداد زمانہ کی وجہ سے جب یہ مزار شکستہ و بے نشان ہو گیا تھا تو ۱۹۰۹ھ میں شیخ جمّن نامی ایک شخص نے اسے درست کرایا۔ نبو شاہ اسی درگاہ میں رہا کرتے تھے، ان کی قبر بھی احاطۂ درگاہ جنوبی مشرقی گوشہ میں ہے اسلئے عوام میں یہ درگاہ "نبو شاہ کی درگاہ" مشہور ہو گئی۔ اس درگاہ میں بھی درگاہ شاہ ولایت رح کی طرح غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں[۱] بڑہ تلے والے کایستہ خاندان کو اس مزار سے موروثی عقیدت ہے۔ وزیر سنگھ و امیر سنگھ کایستہ نے اس درگاہ کی چہار دیواری وغیرہ از سر نو تعمیر کرائی تھی۔ ہر سال ۲۹ و ۳۰ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس کا اہتمام اسی کایستہ خاندان کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ حکومت اسلامی کی جانب سے تیل چراغ کا خرچ ملتا تھا۔

۱۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم

۴۔ مزار حاجی حمید بن سہروردی شاہ اعز الدین سہروردی کی درگاہ کے محاذ میں ایک چبوترہ پر جانب شرق واقع ہے۔ آپ کی والدہ معظمہ کی قبر بھی پہلو میں ہے، آپ کی مرقد منور پر ایک کتبہ پتھر پر کندہ ہے جو صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ شیخ عبدالحکیم مورث خاندان شیوخ الملقب بہ" داڑھی رنگے" کو اس مزار سے عقیدت تھی، بعد وفات وہ اسی کے قریب دفن ہوئے، اسی وجہ سے ان کے اخلاف کے قبرستان بھی یہاں ہیں۔ اس مزار کے تیل چراغ کے مصارف بھی اسلامی حکومت کی جانب سے مقرر تھے۔

۵۔ درگاہ حضرت شاہ ولایت امروہہ کی یہ مشہور معروف درگاہ مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ ولایت کی بہت سی ان کرامتوں اور تصرفات کے منجملہ جو عوام میں مشہور ہیں۔ ایک یہ کرامت بھی خاص شہرت رکھتی ہے کہ احاطۂ درگاہ میں بچھو ڈنک نہیں مارتا اور فی الواقع یہاں غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں جنھیں مجاور دن کے بچے پکڑ لاتے اور زائرین کو دکھایا کرتے ہیں۔ اسی قسم کے غیر نیش زن بچھو اس نواح کے پرانے قبرستانوں اور بالخصوص درگاہ حضرت قطب عالم سید عبدالعزیز الملقب بہ شاہ اعز الدین قدس سرہٗ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ مولانا آل حسن نخشبی مؤلف نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:-

"وکرامات وتصرفات حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہٗ مشہور است کہ عقاسب اندرون درگاہ بہ کسے نیش نمی زنند روزے سحر اوراق با چندے رفقائے بدرگاہ عالی جاہ حاضر شد عقربے چند خورد و کلاں زیر خشت ہائے دیوار احاطہ نشستہ دید بدست خود گرفتم انگشت برنیشہائے نہادم پس ہیچ یک اثر آنہا نیافتم۔[۲]"	حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہٗ یعنی شاہ اعز الدین سہروردی کی کرامتوں اور تصرفات میں سے یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی درگاہ کے اندر بچھو کسی کے ڈنک نہیں مارتے۔ ایک دن راقم (یعنی مولانا آل حسن نخشبی مرحوم) چند دوستوں کے ساتھ درگاہ عالی جاہ میں حاضر ہوا، چند چھوٹے بڑے بچھو احاطہ کی دیوار کی اینٹوں کے نیچے بیٹھے دیکھے ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا، ان کے ڈنک پر انگلی بھی رکھی لیکن کسی قسم کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا:-

[۱] ملاحظہ ہو حصۂ دوم۔ [۲] نخبۃ التواریخ صفحہ ۱۱۔

احاطہ درگاہ حضرت شاہ ولایت متعلق صـ۱۱۲
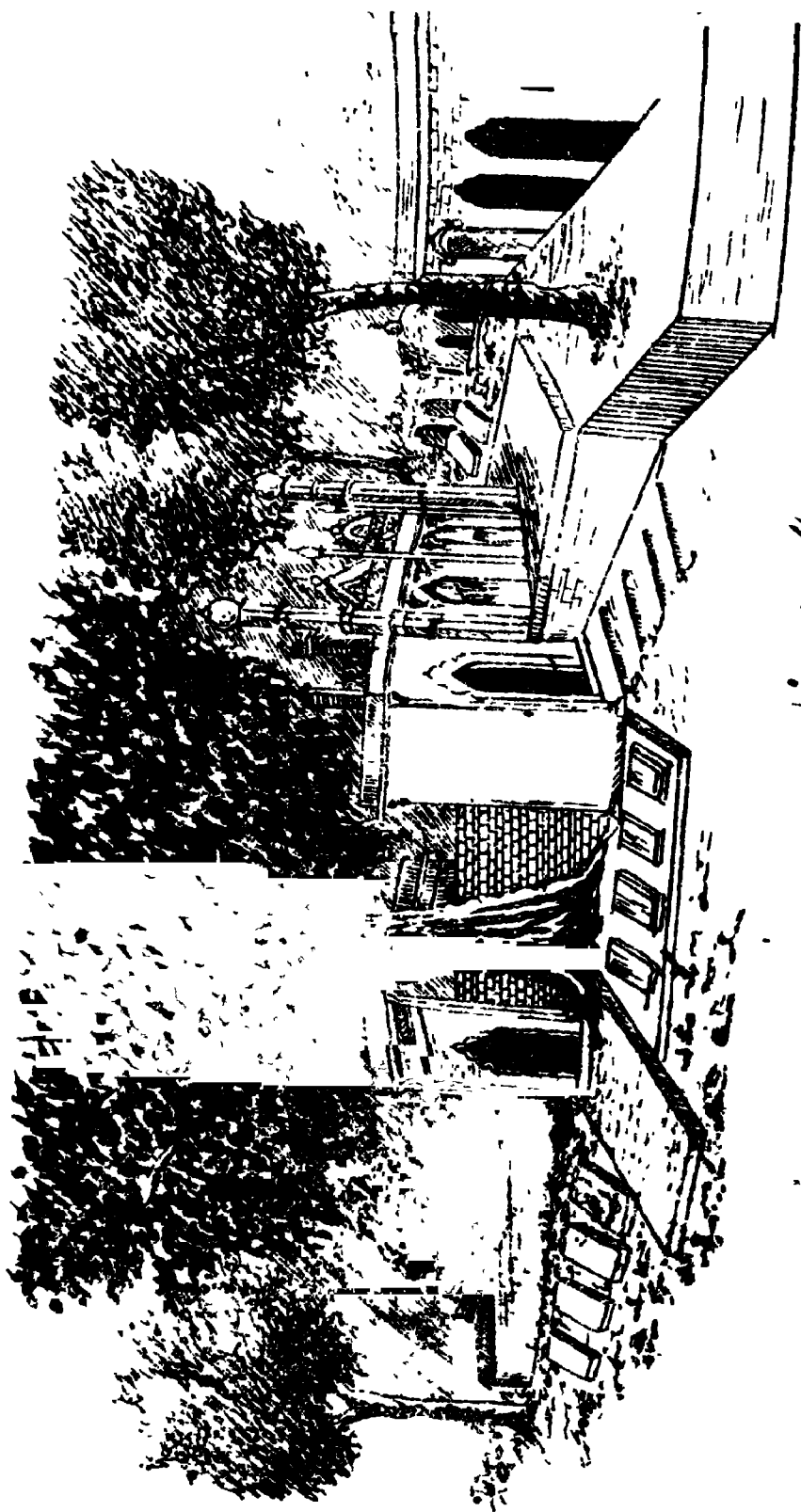
درگاہ کے مجاور اور بعض عوام بیان کرتے ہیں کہ درگاہ عالی جاہ کے بچھوؤں کو اگر احاطۂ درگاہ سے باہر لیجایا جائے تو اپنے نیش عقرب کا بمقتضائے فطرت استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سید کمال بن سید لعل مولف اسراریہ جو نسباً حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل میں تھے اور خود بھی صاحب حال بزرگ تھے، عوام کے اس خیال کے خلاف اپنا ذاتی تجربہ جو انہوں نے تقریباً تین سو برس پہلے کیا تھا، اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں جو یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

"راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید لعل مؤلف اسراریہ) کژدمہائے آنجا (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ) را بہ سنبھل آوردہ است و ہم درین جا کس را نمی گزند، مردمان ہمہ جا بجای برند نیش نمی زنند[1]	راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید لعل مولف اسراریہ) (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کے) بچھوؤں کو سنبھل تک لے آیا۔ یہاں بھی وہ کسی کو نہیں کاٹتے، لوگ جگہ جگہ لے جاتے ہیں مگر کہیں ڈنک نہیں مارتے۔

زمانۂ حال میں بھی متعدد حضرات کا تجربہ صاحب اسراریہ کا موئید ہے۔[2]

درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں عہد مغلیہ سے قبل کی سوائے قدیم چہار دیواری اور بعض گنبدوں کے اور کسی عمارت کے آثار موجود نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں شیخ غلام محمد نے، جو قوم کلال کے ایک متمول شاہی اہلکار اور مشائخ کے معتقد تھے، درگاہ کی موجودہ چہار دیواری، بارہ دری اور مسجد اپنے صرف سے تعمیر کی تھی۔ بعد میں جنوب رویہ دروازہ شیخ گلزار علی نے اور شرق رویہ دروازہ سید اعجاز حسین (محلہ گندی) نے تعمیر کرایا اور مسجد کی مرمت بھی انہوں نے کرائی۔ دروازہ سے متصل ایک حجرہ مولوی محب علی خان عباسی کا اور ایک دالان متصل مزار منور شاہ صاحب شیخ گلزار علی کا معمورہ ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے پہلو میں آپ کی زوجہ معظمہ کی قبر ہے اور پائین مزار آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی اور ان کی زوجہ کی اور دونوں کی پائین شاہ ولایتؒ کے فرزند اصغر سید

۱؎ اسراریہ قلمی۔ ۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

عبدالعزیزؒ (جن کو سید عزیز الدین و عزیز اللہ بھی کہا جاتا ہے) اور ان کی زوجہ کی اور ان کے پائیں سماۃ بختونی دختر شاہ ولایتؒ کی قبور ہیں۔ ان ہی قبور سے متصل جانب شرق سید اشرف جہانگیر چشتی نبیرۂ حضرت شاہ ولایت کا جو شرف الدین کے نام سے بھی موسوم ہیں، مرقد منور ہے اور اس سے متصل اور اہل خاندان کی قبور ہیں۔ جانب غرب متصل دیوار حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشد زادہ اور خلیفہ شیخ معین الدین ناگوری قدس سرہٗ کا مزار پُر انوار ہے، درگاہ کے شمال مغربی گوشہ میں سید محمد ابدال الملقب بہ دودھ دھاری نبیرۂ شاہ ولایتؒ کا مزار ہے جس کا احاطہ سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان (گھڑیال والے) نے تعمیر کرایا تھا۔

احاطۂ درگاہ میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ بعض اور قدیم قبور بھی ہیں۔ خاندان قاضی زادگان سے دو ایک بزرگوں کی قبریں بھی اندرون احاطہ ہیں۔ حجرہ سے متصل بہ جانب شرق ایک قبر قاضی الہدیہ کی ہے۔ بیرون احاطہ حضرت شاہ صاحب کی اولاد، خاندان قاضی زادگان، خاندان شیخ معین الدین ناگوری اور سادات و شرفا کے چند اور خاندانوں کے قبرستان ہیں۔ انہی قطعات آراضی میں درگاہ کے مجاور کچھ رقم لیکر عوام الناس کے مردے بھی دفن کرا دیتے تھے جس کی بنا پر بعض دھنوں، قسائیوں اور دوسری پیشہ ور اقوام کے دو ایک قبرستان بھی کچھ عرصہ سے ان اطراف میں ہو گئے ہیں۔

---

[1] صاحب تاریخ واسطیہ نے ان قبور کے متعلق کچھ عجب خلط ملط کیا ہے۔ حضرت شیخ معین الدین ناگوریؒ کے مزار پُر انوار کا اول تو ذکر ہی ایسے الفاظ میں کیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا دل یہ پسند نہیں کرتا کہ حضرت ممدوح کا مزار بھی یہاں بتایا جائے پھر آپ کے مرقد منور کو سید راجے بن سید عبدالعزیز کی قبر لکھا ہے، حالانکہ ان کی قبر اپنے پدر بزرگوار کے متصل جانب شرق ہے۔ حجرہ کے متصل جس قبر کو حضرت شیخ معین الدین ناگوری کا مزار بتایا جاتا ہے وہ حقیقتاً حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ بنے نظام کی قبر ہے جن کی اولاد میں خادمان درگاہ کا خاندان ہے

[2] ان کا نام نامی مؤلف واسطیہ نے قاضی خداداد عرف سونہ برسن لکھا ہے، یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اصل نام "الہدیہ" ہے۔ جو سید خدادیہ کے فرزند تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)

انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے ۱۲۱۵ھ میں ۲۵ بیگہ زمین موضع داؤد سرائے میں بہ موجب پروانہ مہری احمد علی خان عرس درگاہ شاہ ولایت کے لئے وقف تھی۔ ابتداءً شاہ ولایتؒ کی اولاد عرس کا انتظام کرتی تھی، اب پہلی تاریخ میں درگاہ کے مجاور، دوسری تاریخ میں پڑھے لکھے والے کالبستہ اور تیسری تاریخ میں شہر کے قسائی، تیلی وغیرہ روشنی اور عرس کا انتظام کرتے ہیں۔

انتزاع سلطنت اسلامی تک تیل چراغ کے مصارف کے لئے ایک ٹکہ اور خادمان درگاہ کو ۲ روپیہ ملتا تھا، چند بیگہ زمین بھی خادمان درگاہ کو ملی ہوئی تھی۔

گورِ غریباں عیدگاہ سے لیکر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ اور اس کے اطراف وجوانب میں دُور دُور تک قبروں کا ایک شہرِ خموشاں بسا ہوا ہے، خدا معلوم کون کون عارفان باصفا، صاحبان حشمت وجاہ، یہاں منتظر نفخ صور ہیں ؎

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے ؛ نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے ؛ اُستخواں تک بھی انکے خاک ہوئے

بڑے بڑے سنگین چبوترے وحظیرے شکستہ اور ہزاروں قبریں ٹوٹی پڑی ہیں۔ صدہا قبروں کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں۔ مرنے کے بعد کس شان سے مقبرے تعمیر ہوئے آج کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں۔ تعویذ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ عجب حسرت کا مقام ہے ؎

تھے جو مشہور قیصر و فغفور ؛ باقی اُن کے نہیں نشان قبور
تاج میں جنکے ٹکتے تھے گوہر ؛ ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

عہدِ اسلامی کے آثار قدیمہ کی تلاش وجستجو میں خاکسار مؤلف کا شہر کے قبرستانوں میں بارہا گذر ہوا، گھنٹوں گور غریباں کی ایک ایک اینٹ کو دیکھتا پھرا۔ کہنہ کاغذات میں جن کے جاہ وحشم کا حال پڑھا تھا، شہرِ خموشاں میں آکر ان کا کچھ عجب حال پایا۔ بےکسی کے عالم میں منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں، حسرتیں بادل بن بن کر ان کی ٹوٹی قبروں پر چھائی ہوئی ہیں، ابر نیساں کے

سوا نہ کوئی آنسو بہانے والا ہے اور نہ تنہائی و بیکسی کے سوا کوئی ہمدم و انیس ہے۔ سید غلام علی کٹڑہ والے جیسے امیر کبیر کا مزار مرقع عبرت ہے جن کے دیوانخانوں اور محلسراؤں میں پر فضا پائیں باغ موجود تھے آج اُن کی لحد کے پاس سرو، بید و چنار کے درخت تو کجا، گلاب و چنبیلی کے خشک پھول بھی نہیں، سبزہ تک افسردہ نظر آتا ہے۔ مزار کی اینٹیں بکھری پڑی ہیں ؎

خشک گُل، افسُردہ سبزہ، شمعِ چپ، بالیں اُداس   جی بھر آیا عالمِ گورِ اسیراں دیکھکر

میں اس مرتفع اور شکستہ چبوترہ پر کھڑا تھا، چاروں طرف آسودگانِ عدم کی خواب گاہوں اور شہر خموشاں کی قبروں کا ایک سلسلۂ نا متناہی چلا گیا تھا، اس منظر نے خیال کو تحریک دی، سوچنے لگا کہ یہ مٹی اور اینٹ و چونہ کے اُبھرے ہوئے ڈھیر جن میں سے ہزاروں صدمات بارش سے زمین دوز ہو گئے ان میں کس کس کی تمنائیں اور کیسی کیسی آرزوئیں مایوسی سے دست و گریبان ہو کر عالم سکوت میں متحیر پڑی ہوئی ہیں، خدا جانے ان میں کتنے مدبرانِ ملک اور وزیرانِ سلطنت ہونگے، کتنے بہادر و جانباز شعراء و انشا پرداز ہونگے، وہ بھی ہونگے جو عین عنفوانِ شباب میں چل دئیے اور وہ بھی جو عمر طبعی کو پہنچکر مرے سکیا آج ان میں کسی کو دنیاوی عیش و لطف کے کچھ مزے یاد ہیں۔ وہ دولت و تمول کے کھیل، وہ ساز و سامانِ آرائش، وہ عیش و عشرت، وہ حسن و عشق کے چرچے، وہ شبِ ماہ کی دلفریبیاں، وہ نسیم سحر کی عطر بیزیاں، وہ احباب کے جھمگٹے، یعنی وہ تمام دنیاوی مشاغل جن میں سے ایک ایک بات کا زندگی میں کیا کچھ اہتمام تھا کیا اب بھی ان کی یاد دل میں باقی ہے۔ یہ سوچتا ہوا ذرا آگے قدم بڑھایا تھا کہ ایک ضعیفہ کی دل ہلا دینے والی اور درد بھری آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اپنے اکلوتے اور جواں مرگ بیٹے کی قبر سے لپٹی ہوئی آہ و بکا میں مصروف تھی، بڑھاپے میں ایک ہی سہارا تھا جسے موت کے ظالم ہاتھ نے اس سے چھین لیا تھا۔ یہاں سے تھوڑی دور چلا تھا کہ مٹی کا ایک تازہ ڈھیر سامنے آیا۔ یہ اُن مولوی صاحب کی قبر ہے جو ابھی چند مہینے ہوئے وہابی و بدعتی کے ہنگامہ آرائیوں میں نمایاں حصّہ لیا کرتے تھے۔ آج عالم بیکسی میں خاموش پڑے ہیں۔ جلسوں میں فریق مخالف پر کیسی کچھ

بوچھاڑ کرتے تھے ابان کے سرہانے کیسا ہی شور مچاؤ، چیختے چیختے مرجاؤ، یہ ہوں ہاں کچھ نہیں کرسکتے۔ غرضیکہ اس شہر خموشاں کے عبرت افزا نظارے، لق ودق میدان کے سناٹے شکستہ و بوسیدہ قبروں کی حالت، قبرستان کے درختوں کی الم انگیز سنسناہٹ نے دل پر خیالات کا ایک ہجوم طاری کردیا اور میں اس عبرت انگیز کلام کو پڑھتا ہوا مُردوں کی نگری سے زندوں کے رین بسیرے کی طرف لوٹا ؎

کل ہوس اسطرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب مُلکِ روس ہے اور سرزمین طوس ہے

گر میسّر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اُسطرف آوازِ طبلِ اِک سو صدائے کوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز میں محبوس ہے

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنّا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین تبلا کے لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے

یہ وہی ہیں کہ جو دعوائے خدائی کر گئے
یہ فلاطوں، یہ ارسطو اور یہ جالینوس ہے

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی انکے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

۶۔ درگاہ شاہ نصیر الدین چشتی رح

شاہ صاحب کی درگاہ بیرون شہر جانب شمال و مغرب متصل باغ نند لو پارک واقع ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر تک یہ درگاہ بارونق اور آباد تھی، عرس بھی ہوتا تھا، لیکن اب ویران و سنسان ہے، عرس بھی نہیں ہوتا۔ ان کی اولاد میں اب کوئی مذہب آبائی پر نہیں، جو چند لوگ ہیں وہ دو دو چار چار پشت سے شیعی المذہب ہیں۔ جن کو عرس وغیرہ سے قدرتاً کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔

۷۔ درگاہ شاہ نظام الدین سہروردی رح

آپ کا مزار محلہ دستار سیاہ میں واقع ہے۔ مدت دراز سے شکستہ پڑا تھا۔ مولانا سید عبد الرحمن مکی نے ۱۳۳۷ھ میں از سرنو بنایا اور احاطۂ درگاہ کو، جس کی کچھ آراضی بہ مرور ایام قرب و جوار کے بعض مکانات میں شامل

سلہ (متعلق صفحہ ۱۱۶) اصل شعر میں بجائے "غریباں" کے "امیراں" کی لفظی ترمیم کی گئی۔

ہوگئی ہے، پختہ کرایا۔ ایک کمرہ بھی بنوایا۔ اب یہ مقام بارونق ہے۔ مولانا کا قیام بھی یہیں ہے۔

۸۔ مزار عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ

حضرت عارف باللہ شاہ شکر اللہ قادری قدس اللہ روحہٗ عہد جہانگیر کے خدا رسیدہ اور قادریہ سلسلہ کے صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلۂ بیعت کئی نشپتوں تک امروہہ میں جاری رہا۔ مشائخ امروہہ کی بعض قدیم دستاویزات پر "سید قطب بن سید محمد افضل صاحب سجادہ حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری" کے دستخط ان ہی الفاظ کے ساتھ تحریر ہیں ۱۰۹۷ھ یعنی عہد عالمگیرؒ تک اس خاندان کے بزرگوں کا تذکرہ کاغذات میں ملتا ہے خاکسار مؤلف کو امروہہ کے قبرستانوں اور مزارات میں اکثر بزرگوں کی قبروں اور مزارات کی شکستگی کے نظارہ نے بارہا متالم کیا ہے لیکن جس وقت ایک صوفی منش دوست کی معیت میں حضرت ممدوح کے مزار کی تجسّس میں اس مقام پر پہنچا جو آپ کا آرام گاہ ہے زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ قلب کی اس اذیت اور دل کی اس بیتابی کا اظہار نہیں کرسکتے جو اس منظر کے دیکھنے سے پہنچی۔ محلہ کالی پگڑی (دستار سیاہ) میں، جس کا نام ہی حضرت ممدوح کی خاندانی خصوصیت کا آج بھی اظہار کر رہا ہے، امام باڑہ کے سامنے، جو کسی زمانہ میں حضرت ممدوح کی خانقاہ تھی مٹی کا ایک اونچا ڈھیر پڑا ہے اس کی چہار دیواری کی بنیادوں کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں یہیں حضرت کا مزار پُرانوار تھا، ایک قبر کی کچھ اینٹیں بھی بکھری پڑی ہیں۔ یہ نظارہ ہی کسی قبر پرست کے لئے نہ سہی آثار قدیمہ کے مجھ جیسے شیدائی کے لئے کچھ کم اذیت دہ نہ تھا۔ مگر آہ! اے امروہہ کے اسلاف پرست مسلمانوں! سنو، اس بزرگ، اس ولی اللہ کا مرقد منوّر محلّہ کے یکّہ والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو رہا ہے، یہاں گھوڑے بندھتے ہیں، جس مقام پر اس بزرگ کی ہڈیاں دفن ہیں وہاں گھوڑوں کی لید اور پیشاب کی عفونت آرہی ہے!!

خانقاہ کی اینٹیں تو خیر امام باڑہ ہو جانے کی وجہ سے سلامت ہیں، لیکن یہ امام باڑہ یا بالفاظ صحیح خانقاہ جس واجب الاحترام بزرگ کی یادگار ہے کیا اس کا مزار اس کا بھی مستحق

نہیں کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی زد سے تو اسے محفوظ کر دیا جائے ۔ یہ سچ بھی کہ حضرت کی نسل میں اب ایک دو اشخاص جو باقی ہیں ان میں سے کوئی فرد امروہہ میں موجود نہیں، امام باڑہ کے متولی منشی اظہر علی عرائض نویس جو کسی عدالتی کارروائی کی بنا پر متولی ہو گئے ہیں۔ اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہیں تو کیا امروہہ کے اور مسلمانوں اور بالخصوص شیخ صدیق علی خان وغیرہ اہل محلہ یا مولوی احسان الحسن اور مولوی صبغۃ اللہ صاحبان کا بھی کوئی فرض نہیں؟

نام نیک رفتگاں ضایع مکن   تا بماند نام نیکت یادگار

۹۔ روضۂ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

یہ بہت مشہور و معروف روضہ شہر سے جنوب و مشرق میں ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ مرقد منور ایک مرتفع چبوترہ پر ہے۔ پہلے اس پر سرخ پتھر کی بارہ دری تھی جو پیر بنجارہ[۱] کی معترہ بیان کیجاتی ہے

---

[۱] یعنی پیر بنجارہ بن شاہ مسعود بن شاہ قاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح۔ آپ کا نام نامی حضرات پیرزادگان کے مطبوعہ شجرہ میں "محمد مقصود" درج ہے، آپ کے دستخط متعدد قدیم دستاویزات خاندانی پر ان الفاظ میں ملتے ہیں "فقیر بنجارہ ابن شیخ مسعود" معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بنجاروں[۲] کی قوم کو عقیدت تھی، شاید ان کے پیر ہونے کی وجہ سے "پیر بنجارہ" مشہور ہو گئے ہوں اور بوجہ کسر نفسی اپنے نام کی بجائے "فقیر بنجارہ" لکھتے رہے ہوں۔ بہر حال اس لقب کی کوئی وجہ بھی صحیح ہو بنجاروں کی قوم کو، جس کی بڑی تعداد اس زمانہ میں ٹانڈہ (متصل مراد آباد) رہتی تھی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے ان میں مال و دولت بھی کافی تھا، حضرت شاہ ابن رح کے روضۂ منورہ کی سنگین بارہ دری کا سامان تعمیر فراہم کیا جو انہی پیر بنجارہ کے انتظام میں بعہد شاہجہاں بادشاہ تقریباً ۱۰۴۵ھ میں تعمیر ہوئی۔ یہ بارہ دری کس شان کی تھی اسکا اندازہ صرف ان چند پتھروں سے ہو سکتا ہے جو چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے واقعات کو دوہراتی رہتی ہے آج ۱۳۴۸ھ میں پہلی تعمیر سے تقریباً تین سو برس کے بعد انہی پیر بنجارہ کی ساتویں پشت میں محبی پیر رئیس الدین احمد اسی مقام

کسی صدمہ سے مسمار ہوگئی تھی پھر دوبارہ تعمیر نہ ہوسکی اُس کے بعض خوبصورت نقش و نگار سے مزیّن پتھر جو اپنے صنّاعوں کی صنّاعی اور کاریگری کے زبان حال سے شاہد ہیں چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں، احاطۂ درگاہ کی پختہ چہار دیواری تھی جس کے آثار بھی اب تک باقی ہیں۔ آپ کے فرزندان باکمال شاہ نورالدین و شاہ صدرالدین قدس اللہ اسرارہم اور دوسرے بیٹوں پوتوں کے مزارات بھی متصل مرقد منوّر واقع ہیں۔ سیّد جمال کا مزار بھی جن سے رشتہ کا تعلق تھا اور جن کو آپ سے عقیدت بھی تھی، احاطۂ مزار سے متصل ہے نیز خاندان پیرزادگان کے قبرستان بھی احاطۂ روضۂ منورہ میں ہیں۔ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر کے عہد سلطنت میں آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ بیرونجات سے بڑی تعداد میں لوگ آتے تھے۔ فقراء و مشائخ اور مریدین کے

(بقیہ صفحہ ۱۱۹)

پر سنگین عمارت زر تفریق سے تعمیر کرا رہے ہیں۔ [2] بنجارہ۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کے لفظ "بنج" (वाणिज) سے مشتق ہے جس کے معنی بیوپار اور سوداگر کے ہیں۔ بعض لوگ اس کو فارسی کے لفظ "برنج آر" کی بگڑی ہوئی شکل کہتے ہیں جس کے معنی چاولوں کے حمّال کے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ سنسکرت کی ایک بہت قدیم کتاب "داس کمار چرترا" کے ایک قصہ میں "بنجارہ" کا لفظ موجود ہے۔ اس صوبہ میں جو بنجارے آباد ہیں وہ ہمیشہ سے یہی کاروبار کرتے رہے ہیں کہ مقام سے دوسرے مقام کو تجارتی اشیاء لیجاتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی فرماتے ہیں "سب ٹھاٹھ پڑا رہجاویگا جب لاد چلے گا بنجارہ"۔ انگریزی سلطنت میں ذرایع بار برداری کے وسیع ہونے کی وجہ سے ان کے آبائی پیشہ میں بھی خلل واقع ہوگیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے جو ضابطے تجارت اور نرخ اشیاء کے قایم کئے تھے ان میں ان بنجاروں کے بھی فرائض متعین کئے گئے تھے۔ اس زمانہ کی تاریخوں میں ان کا اکثر ذکر آتا ہے۔ بعض جگہ انہیں لفظ "ملتانیاں" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس صوبہ کے بنجارے بھی اپنا نکاس ملتان سے بتاتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابتداءً یہ ہندو بھاٹوں کی ایک شاخ "چارن بھاٹوں" میں سے تھے، اپنا پیشہ ترک کرکے تجارت کا کاروبار کرنے لگے۔ ان کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ ترکیا بنجارے، بید بنجارے، لبانا بنجارے، مکیری بنجارے اور بہروپ۔ پھر ان سب میں بہت سی شاخیں ہیں صرف ترکیوں میں ہی ۳۶ فرقے ہیں۔ اوّلاً تانڈہ میں ان کی خاص سکونت

روضہ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

قیام کے لئے روضہ سے متصل مکانات بھی تھے۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی سلطنت کی عطا کردہ تھی۔ یہاں اب ایک مسجد اور بارہ دری بھی ہے۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہ سے پندرہ تک پانچ دن عرس ہوتا ہے جس کا انتظام آپ کی اولاد کرتی ہے۔ ان کے علاوہ عرس کی ایک شب دھنی جولاہے بھی کرتے ہیں جن کو حضرت سے موروثی عقیدت ہے۔ ان کے قبرستان بھی روضہ منورہ سے متصل ایک قطعہ اراضی میں ہیں۔

۱۰۔ مزار شیخ چاہن فاروقیؒ

متصل آبادی جانب شرق تالاب پانباڑی۔ اس محلہ کا نام ہی محلہ شیخ چاہن پڑ گیا ہے جس کو عوام غلطی سے محلہ "شیخ چاپاں" کہتے ہیں۔ اس مقام پر مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں ایک بڑا بتخانہ تھا یہ بتخانہ قدیم شہر کے باہر اس تالاب کے کنارے تھا۔ بتخانہ کے بت بہ تعداد کثیر اس ڈھیر میں دبے پڑے ہیں۔ تقریباً بیس برس ہوئے گلاب شاہ ساکن مرادآباد نے زرِ تفریق سے اس مزار اور مسجد کی مرمت کرائی تھی۔

۱۱۔ مزار حضرت شیخ پیرکؒ

واقع محلہ نیازیان یہ مزار ایک وسیع احاطہ میں ہے جو پہلے تکیہ شیخ پیرکؒ کے نام سے موسوم تھا۔ اس احاطہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے۔

۱۲۔ مزار شاہ ضیف اللہ کاظمیؒ

آپ کا مزار محلہ گنگوئی میں ہے، آپ مشائخ متاخرین میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مرید، عالم باعمل اور صاحب نسبت بزرگ بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں بوقت نماز عصر بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔

۱۳۔ مزار شاہ گدا قادریؒ

آپ کا مزار شہر سے جانب جنوب متصل تالاب کینٹیا واقع ہے۔ یہاں علاوہ اہل خاندان کی قبور کے شیخ جان محمد اور شاہ گدا قادریؒ کے مرید شاہ عبدالواحد کے مزارات بھی ہیں، کسی زمانہ میں بارونق مقام تھا۔ اب درگاہ ویران ہو

(بقیہ صفحہ ۱۲۰)

تھی وہاں سے بلاسپور، رچھا وغیرہ مقامات پر جا بسے۔ بہر حال عہد ماضیہ میں یہ خوشحال اور متمول تھے۔

کے لئے اراضی بھی سلطنت کی جانب سے مقرر تھی، خدام درگاہ کو یومیہ ملتا تھا، ان خدام کی نسل میں محلہ بٹوال کے فقیر ہیں، جنکا پیشہ اب گداگری ہے۔

۱۴۔ درگاہ شاہ عبدالمجید علوی رح

پختہ چہار دیواری کے اندر متصل عیدگاہ واقع ہے۔ مرقد منور پر خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جواب جابجا سے شکستہ ہوگیا ہے۔ آپ کے بھائی اور جانشین شیخ فیض اللہ رح کی قبر بھی پائین مزار ہے جواب اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ احاطہ درگاہ میں عالی شان مسجد ہے جس کے خوشنما گنبد جابجا سے شق ہوگئے ہیں، سامنے کا ایک مینار گر گیا، کنگرے ٹوٹے پڑے ہیں، گنبدوں پر خودرو درخت اگ آئے ہیں۔ تاریخ تعمیر کا حسب ذیل کتبہ سنگ مرمر پر خوشنما حروف میں کندہ تھا یہ پتھر کسی صدمہ سے گر کر ٹوٹ گیا جسکے ٹکڑے بڑی تلاش سے دستیاب ہوئے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

یافت بنا از مدد ذو الجلال — سجدہ گہ خلق ز سعی کمال

عاملہ و راقمہ عبدالواحد — سنہ ۱۰۷۶ھ (اسکے بعد کی سطر پڑھنے میں نہیں آئی)

مسجد کے متصل شاہ صاحب کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبدالحکیم رح کا مقبرہ ہے جو طرز تعمیر میں آپ کے مرشد کے مقبرہ کے مشابہ ہے۔ یہ بھی جابجا سے شکستہ ہوگیا ہے۔ سابق میں آپ کا عرس بھی خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی کی ایک ملک سلطنت کی عطیہ تھی۔ آخر عہد سلطنت اسلامی تک تیل چراغ کا خرچ اور درگاہوں کی طرح مقرر تھا۔ اس خاندان کے لوگ جب امروہہ میں باقی نہ رہے عرس بھی موقوف ہوگیا اور مقبرہ کی مرمت اور خدمت کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ مسجد اور مقبروں کی عمارتوں کی حالت نہایت درجہ زبون ہے۔ یہ تاریخی عمارتیں مسلمانان امروہہ کی غفلت اور بے حسی کا اپنی زبان حال سے مرثیہ خواں ہیں۔

ع :۔ حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

خانۂ خالی را دیو می گیرد۔ خدا معلوم وہ کون لوگ ہیں جو اس متبرک مقام یعنی مسجد اور مقبرہ کا اپنے کو "مالک یا قابض" سمجھکر اس متبرک زمین میں جہاں ان بزرگوں کے جسم خاکی دفن ہیں ہل چلاتے
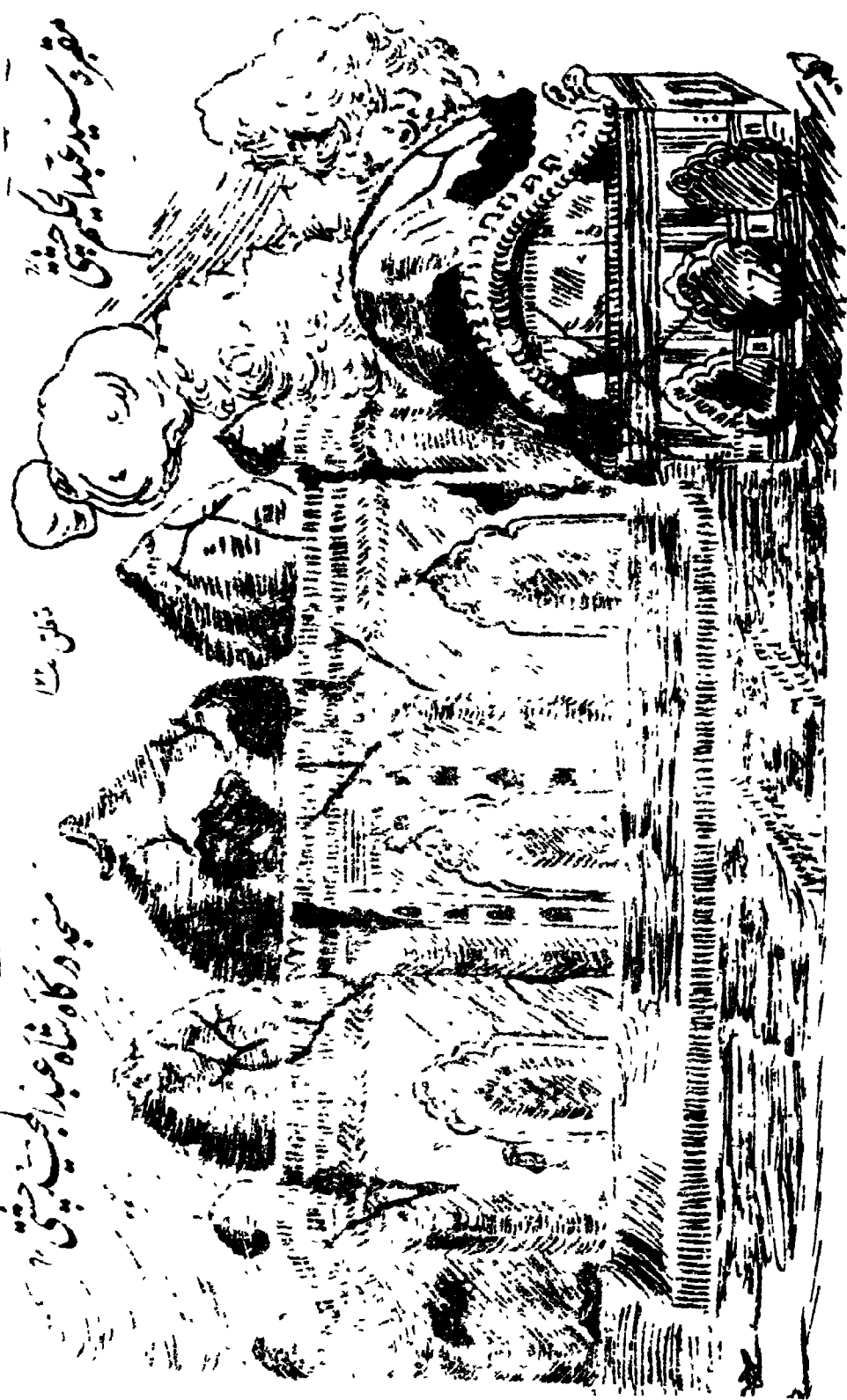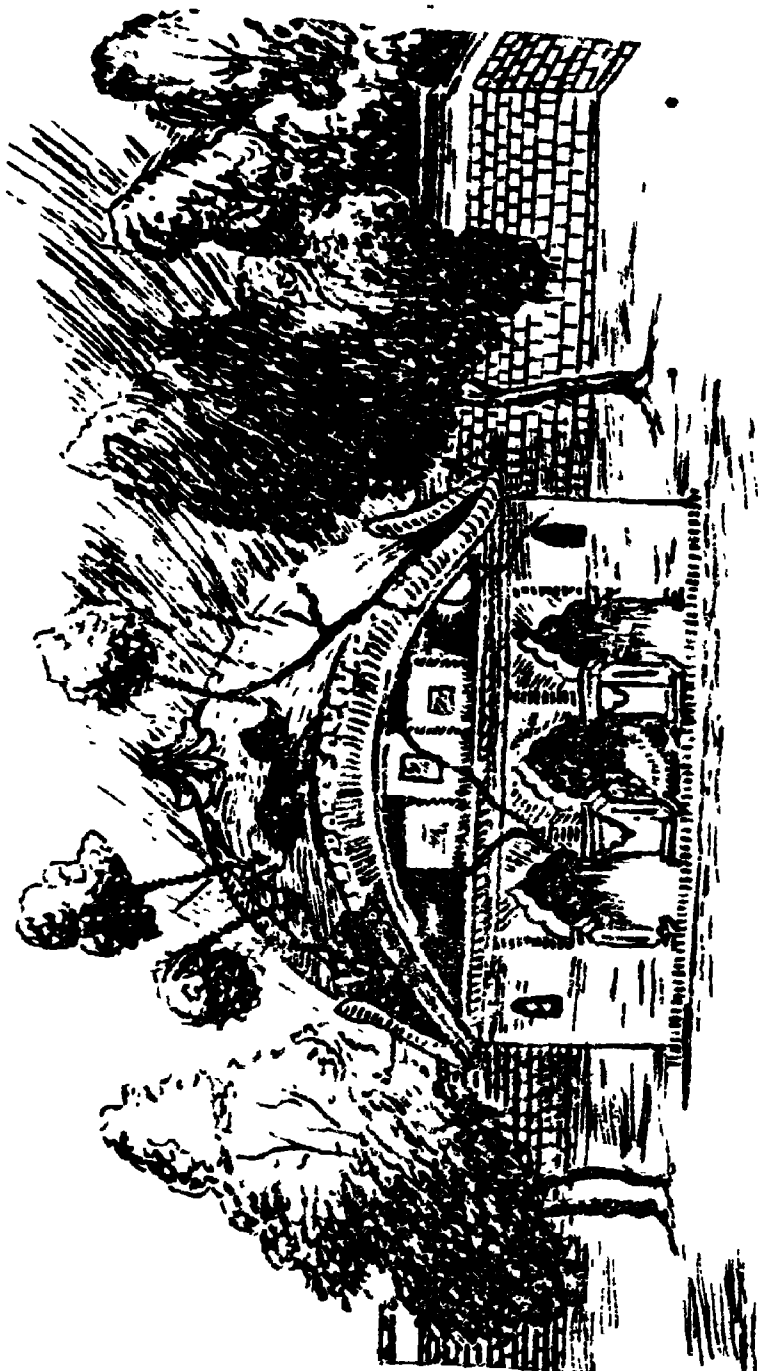
مقبرہ سید عبدالحکیم چشتیؒ
متعلق ص ۱۲۲
مسجد درگاہ شاہ عبدالمجید چشتیؒ

۷ روضہ منورہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی رحمۃ اللہ علیہ

متعلق صـ ۱۲۲

متعلق صفحہ ۲۲۳

روضۂ منورہ حضرت شاہ گھاسی چشتی
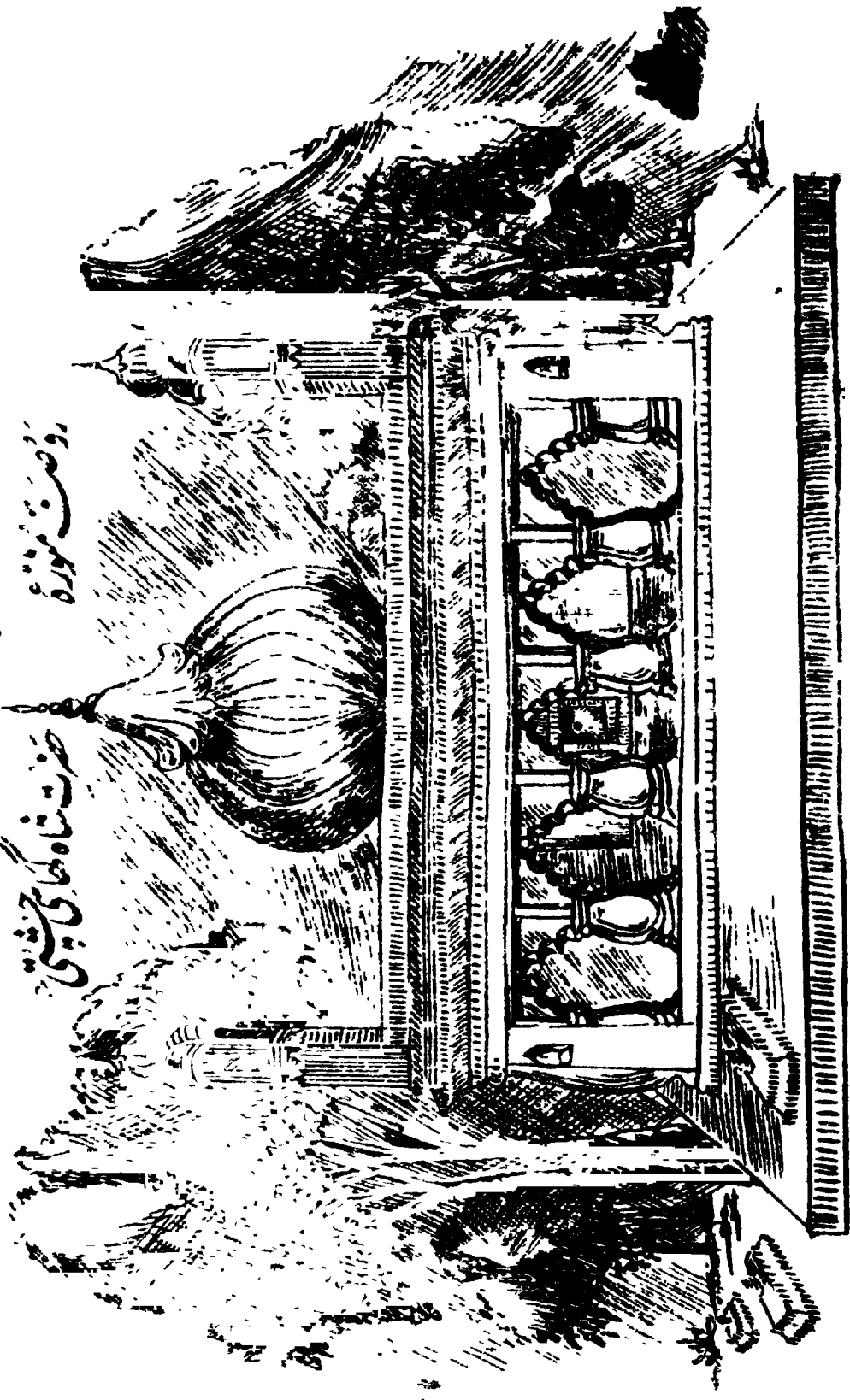
کاشت کرتے اور باغ اور درختوں سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں لیکن مسجد یا مقبرہ یا کسی قبر کی مرمت میں ایک حبّہ صرف کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ خاکسار مؤلف جب ان عمارتوں کی تصویر کشی کے لئے ایک مصور کو ساتھ لیکر محبی شاہ علاء الدین صاحب کی معیت میں یہاں پہنچا تو ہماری نظر نے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ کسی نالائق نے سید عبد الحکیم قدس سرہ کے مقبرہ کی متصل بعض قبروں کے چبوترہ کے پتھر اور اینٹیں نکالنا شروع کی ہیں غالباً اس غرض سے کہ ان کو فروخت کر کے پیسے وصول کرے! آہ! اے امروہہ کے مسلمانوں! تمھاری بے حسی اور بے حمیتی اس سے زیادہ ہوگی کہ ایسے متبرک اور تاریخی عمارتوں اور قبروں کو درست کرنا درکنار تم میں ایسے نابکار بھی ہیں جو ان کی اینٹیں تک بیچ بیچ کر اپنا دوزخ بھر رہے ہیں لیکن نہ تمھاری غیرت کو کوئی تحریک ہوئی ہے اور نہ تم اس کا کوئی درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہو!!

امروہہ کے مسلمانوں کو اگر یہ توفیق نہیں کہ ان آثار قدیمہ اور بزرگوں کی یادگاروں کو برباد و مسمار ہونے سے محفوظ رکھیں تو کاش حکومت کے محکمۂ آثار قدیمہ ہی کی توجہ اس طرف منعطف ہو۔ عہد شاہجہاں کی یہ تاریخی عمارتیں ہیں۔ جن کی درستی وحفاظت اس محکمہ کا فرض اولین ہے۔

۱۵۔ روضہ شاہ گھاسی چشتی رحؒ

یہ روضہ تالاب پانباڑی کے قریب سید اغر الدین سہروردی رحؒ کی درگاہ سے جانب شرق وجنوب میں ہے۔ مرقد منور پر خوشنما قبرہ ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ چہار دیواری البتہ جابجا شکستہ ہوگئی ہے۔

سنہ ۱۰۸۴ھ میں یہاں خانقاہ وحجرہ کی عمارتیں آپ کی زندگی میں تعمیر ہوگئی تھیں بعد وصال آپ یہاں دفن ہوئے۔ یہ روضہ مولانا عبد الرشید عباسی قدس سرہ نے تعمیر کرایا۔ اس کا باغ ان ہی کا نصب کردہ ہے۔ مولانا کا مزار بھی اپنے مرشد کے جوار مزار چبوترہ پر واقع ہے۔ اور زیر چبوترہ جانب جنوب شیخ عبد المناف کی قبر ہے۔ اسلامی حکومت سے اس روضہ کے تیل چراغ کا خرچ بھی ملتا تھا اور کچھ اراضی بھی مصارف روضہ کے لئے وقف تھی۔ ۲۹۔ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

۱۶۔ مزار شاہ علاول چشتی رحؒ۔ آپ کا مزار پر انوار درگاہ شاہ عبد المجید علویؒ سے بجانب شرق نصف

فرلانگ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ مقام ویران حالت میں تھا۔ خاکسار مؤلف کے جد امجد حضرت مولانا احمد علی شاہ عباسی رحمتہ اللہ علیہ نے بجائے قدیم خاندانی قبرستان کے شاہ علاء الدین کے جوار میں اپنے تدفین کی وصیت فرمائی تھی، حضرت قبلہ گاہی نے بھی اپنے لئے جوار پدر بزرگوار کو پسند فرمایا۔ برادر عزیز حکیم مقصود احمد عباسی مرحوم کا جنازہ بھی دہلی سے لایا گیا اور حسب وصیت یہیں دفن ہوئے۔ عزیزہ سلیقہ بیگم عباسی مرحومہ کی میت بھی دہلی سے امروہہ آئی اور وہ بھی یہیں دفن ہوئیں۔ اب حال میں اصغری بیگم مرحومہ کا جسم خاکی دہلی سے لاکر یہیں سپرد خاک کیا گیا، ایک اور عزیزہ کو بھی یہیں جگہ ملی غرضیکہ یہ قطعات اراضی خرید کر آپ کے مزار کی اور چبوترہ کی سنگین فرش سے درستی کی گئی ہے، باغ و چمن بندی سے اس مقام کو بارونق کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

۱۷۔ درگاہ شاہ عضد الدین جعفری رح

جانب غرب متصل آبادی محلہ نوگزہ۔ یہ درگاہ عوام میں آپ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ معز الدین المعروف بہ "شاہ موج" کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ قیام الدین علیہ الرحمتہ اور اس خاندان کے بزرگوں کے اکثر مزارات یکجا و پہلو بہ پہلو ہیں۔ درگاہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے اور اسی سے متصل سکونتی مکانات بھی ہیں ۲۸۔ رجب کو شاہ عضد الدین رح اور ۸ شوال کو شاہ موج رح کا عرس ہوتا ہے۔ جلسہ سماع بھی ہوتا ہے امروہہ و بیرونجات میں اس خانوادہ کے مرید اور عقیدتمند پہلے بہ کثرت تھے، اب بھی یہ سلسلہ قایم ہے۔

۱۸۔ درگاہ شاہ عبد الہادی رح

بیرون شہر جانب شمال نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاہ عبد الہادی کی وفات ۱۱۹۰ھ میں مقام کھائی کھیڑہ ضلع بریلی میں ہوئی تھی جہاں سے تابوت امروہہ لایا گیا اور خاندانی باغ میں دفن کرکے وسیع و خوشنما عمارت مزار و درگاہ کی تعمیر کی گئی۔ کچھ حصہ منہدم ہو چکا ہے لیکن بڑا حصہ باقی ہے۔ ماہ شوال میں ۸ سے ۱۰ تک ہر سال عرس ہوتا ہے جس کے مصارف موضع بہادری کی ملک موقوفہ نواب محب اللہ خان سے ادا ہوتے ہیں۔ شاہ عبد الباری رح، شاہ رحمن بخش رح و شاہ غلام مصطفیٰ رح کے مزار اور خاندانی قبرستان

درگاہ حضرت شاہ عضدالدین جعفریؒ دمیاں مجھؒ

روضہ حافظ عباس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ
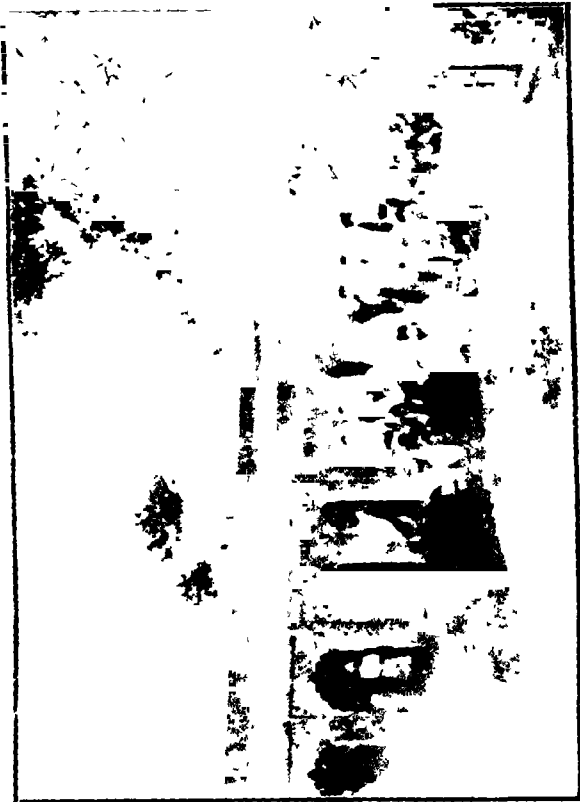
بھی یہیں ہے۔

۱۹۔ شاہ رحمت اللہؒ | مزار متصل محلہ قریشی میں چبوترہ پر واقع ہے۔ ۱۵ شعبان کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کی زوجہ کی قبر بھی پہلو میں ہے۔

۲۰۔ مزار شاہ پیر شمسؒ | متصل مراد آبادی دروازہ بیرون شہر ایک مرتفع چبوترہ پر واقع ہے۔ سابق میں عرس بھی اچھے پیمانہ پر سادات دربار کلاں کی جانب سے ہوتا تھا جن کو آپ سے موروثی عقیدت تھی۔

۲۱۔ حاجی غلام علی شاہؒ | مزار محلہ چلّہ میں لب سڑک دہلی۔ احاطہ میں باغیچہ مسجد امداللان ہے۔

۲۲ مزار تیم شاہؒ | جانب غرب درگاہ شاہ ولایت لب سڑک داؤد سرائے۔ مرتفع چبوترہ پر مختصر سی چہار دیواری میں واقع ہے۔

۲۳۔ مزار سید عبد الغنیؒ | محلہ نل میں لب سڑک دہلی۔

۲۴۔ مولانا سید امانت علیؒ | مزار متصل مزار شاہ عبد الغنیؒ جانب غرب ایک مرتفع چبوترہ پر ہے

۲۵۔ روضہ حافظ عباس علی خانؒ | متصل روضہ درویش علی خان۔ آپ کے لائق فرزند مولانا احمد حسین خان نے ۱۳۳۱ھ میں خانقاہ و مسجد بنوائی ہے جس کے دو درجے اور چار کمرے بازو میں ہیں۔ ایک وسیع باغ بھی نصب کیا ہے۔ ہر سال ماہ میلکہ میں آپ کا عرس ہوتا ہے، سالانہ عرس کے علاوہ معمولی جلسہ بھی ہر مہینہ میں ۵ ویں تاریخ کو سالانہ عرس کے نمونہ پر ہوا کرتا ہے۔ درگاہ و مسجد کے لئے چار قطعات باغ بھی وقف ہیں جن کی مجموعی آمدنی تقریباً ہستمار سالانہ ہے۔

خانقاہیں

امروہہ کی خانقاہوں میں اب معدودے چند کا صرف نام باقی ہے۔ شہر سے ذرا باہر نکلو ہر جہار

طرف خانقاہوں، فقرا کے تکیوں کے کھنڈر اور آثار ملیں گے، کسی زمانہ میں یہ سب آباد تھے۔ وارد، صادر اور مسافر کے قیام اور طعام کا انتظام تھا۔ ان میں بعض کے متعلق اوقاف کی املاک و اراضیات بھی تھیں، جن میں سے بعض پر لوگ غاصبانہ قابض ہو گئے، کچھ فروخت ہو گئیں، ظالموں نے اینٹیں تک بیچ کھائیں۔ اب نہ خانقاہیں باقی ہیں اور نہ تکیے، حضرت شاہ آئن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ کے علاوہ، جو ترمیم و مرمت کے بعد اچھی حالت میں ہے، کسی کا کھنڈر باقی رہ گیا ہے اور کسی کا صرف نام ؎

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں ۔۔۔ وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں ۔۔۔ فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

۱۔ خانقاہ حضرت شاہ ولایتؒ

اس خانقاہ کا نہ اب وجود باقی ہے اور نہ آثار۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ آباد تھی۔ سید محمد ابدالؒ دودھ دھاری، شیخ معین الدین ناگوری اور سید اشرف جہانگیر قدس اللہ اسرارہم کا یہاں افادہ جاری تھا۔

۲۔ خانقاہ شاہ نصیر الدینؒ

یہ خانقاہ محلہ نوگیاں میں واقع تھی، اب اس کا وجود بھی نہیں۔ اسی کے کسی حصہ میں اب امام باڑہ بن گیا ہے۔ آٹھویں و نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ خوب آباد تھی، اس کے بعد عرصۂ دراز تک باقی رہی۔

۳۔ خانقاہ عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ

یہ خانقاہ محلہ کالی پگڑی میں واقع تھی۔ عہد جہانگیر بادشاہ سے عہد عالمگیری کے بعد تک خوب رونق پر تھی۔ کچھ عرصہ سے اہل محلہ نے علم وغیرہ یہاں رکھ لئے تھے پھر ایک صاحب نے عدالتی کارروائی میں اس خانقاہ کو امام باڑہ ظاہر کر کے اس کی تولیت بھی حاصل کر لی۔ اب سے یہ باضابطہ امام باڑہ ہے۔

۴- خانقاہ حضرت شاہ ابنؒ یہ خانقاہ بہ تبدیل ہیئت موجود ہے اور اسی نام سے۔ اب ایک محلہ بھی موسوم ہو گیا ہے۔

۵- خانقاہ حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ ہرگانو (امروہہ) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ "سرائے محمدی" آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ محلہ لکڑہ کے متصل جانب شمال جن قطعات زمین میں اب کاشت ہوتی ہے یہاں آپ کے مکانات، خانقاہ و مسجد تھی۔ اس میں بیس ہزار پانسو پندرہ گز رقبہ شامل تھا۔ حویلیات کے علاوہ خانقاہ کی عمارت کا ذکر کہنہ دستاویزات میں ان الفاظ میں تحریر ہے "یک ایوان و دو حجرہ بابت خانقاہ از خشت پختہ مسقف بہ چوب و خانہائے خام چھپر پوش بابت سرائے آبادانی"۔

حضرت ممدوح کا مرقد منور آگرہ میں ہینگ کی منڈی متصل مندر آریہ سماج لب سڑک واقع ہے۔ آپ کے فرزندان باکمال سعد محمد مکی و روشن محمد مدنی تک یہ خانقاہ خوب آباد رہی لیکن اب نہ یہ خانقاہ باقی ہے اور نہ حویلیات و سرائے آبادانی۔ رہے نام اللہ کا۔ درویشی کا سلسلہ آپ کے بھائی شاہ حامد جعفری کی نسل میں جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ آپ کے پراپوتے اور مرید وخلیفہ تھے۔ جن کے مرید وخلیفہ حضرت شاہ عبد الہادی صدیقیؒ ہوئے شاہ عضد الدین نے محلہ لکڑہ سے جانب جنوب اقامت اختیار کی۔ اب اس خاندان مشائخ میں بھی شاہ علاء الدین جعفری سجادہ پدری پر متمکن ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

خانقاہ محلہ چلہ ابتداءً یہ شاہ گداؒ کی اولاد کا دیوانخانہ تھا، بعد میں اسی جگہ شاہ غلام علیؒ اور دوسرے مشائخ کا یہاں قیام رہا اس وجہ سے یہ مقام خانقاہ مشہور ہو گیا۔ شاہ غلام علیؒ کے مزار کے متصل بھی ایک دالان اور مسجد حکیم حکمت اللہ خان کے خاندان نے تعمیر کرائی تھی جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہے۔

مقبرے

مقبرہ قطب الدین خان یہ مقبرہ قطب الدین خان امروہہ کے ایک حاکم کا ہے جو عوام میں مقبرۂ قطب شاہ سے موسوم ہے[1] اور لکڑوی کے جنگل میں شہر سے متصل واقع ہے۔ بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ دو مینار منہدم ہو گئے دو باقی ہیں۔ گنبد کی چھت میں پلاسٹر کے خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے تھے جس کے چند حصے باقی رہ گئے ہیں وسط گنبد میں اندر کی جانب پیتل کا بڑا قفل لگا ہوا تھا کسی ظالم نے اس کو بھی نکال لیا۔ امروہہ میں اس سے زیادہ خوشنما کوئی عمارت نہیں لیکن افسوس بڑا حصہ اس کا شکستہ ہو گیا ہے۔ کبوتروں کی بیٹ اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ مقبرہ میں دو قبریں ہیں جن کی اینٹیں تک لوگ نکال کے لے گئے۔ عجب حسرت کا مقام ہے۔

دیدم چغدے نشستہ در وقت پگاہ — بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ
فریاد کناں ز روئے عبرت می گفت — کو آں ہمہ حشمت و منال و آں ہمہ جاہ

اہل شہر کو اس کی مرمت و درستی کا خیال نہیں۔ یہ ایک اہم تاریخی یادگار ہے کاش محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو!

مقبرہ درویش علی خان یہ مقبرہ درویش علی خان منصب دار پنجہزاری فرخ سیری المتوفی سنہ ۱۱۳۱ھ کا ہے جو سنہ ۱۱۲۷ھ کے بعد کی تعمیر ہے۔ مقبرہ کے اندر ایک پتھر پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے:۔

"مرقد انور نواب محمد درویش علی خان بہادر است کہ بہ عہد بادشاہ غازی محمد فرخ سیر و محمد شاہ بہادر بمنصب پنجاہ و دو ہزاری سرفرازند بہ خدمت عوض بخشی و نیابت میر بخشی وسالہا دولا شاہی بالاشاہی ممتاز بودہ تمامی پرگنہ امروہہ بہ صرفہ مطلغش جاگیر گردید و بتاریخ ۱۴ محرم سنہ ۱۱۳۱ھ
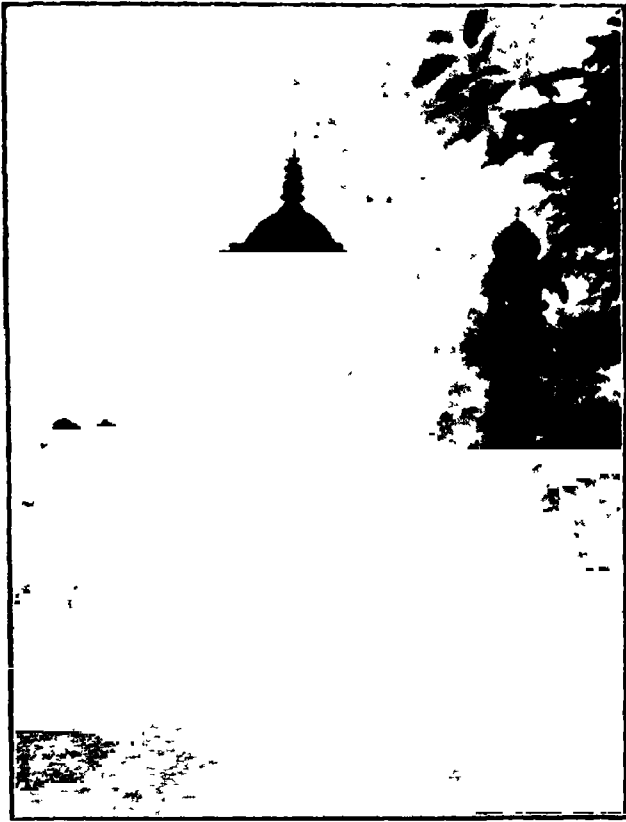
[1] طرز تعمیر زیادہ قدیم نہیں۔ وسط عہد مغلیہ کی معلوم ہوتی ہے۔

مقبرہ قطب خاں

روضہ درویش علی خاں

در جنگ بارہہ شہید شد۔ یہ پہلوے راست فرزند اکبر غلام محی الدین خان المخاطب بہ بخشی علی خان ثانی است و بہ پہلوے چپ فرزند اوسط محمد فخر الدین خان است، ہر دو بتاریخ ۵ ذیقعدہ ۱۲۰۱ھ در معرکہ نادر شاہی شہید شدند۔ و بائیں مرقدش بیرون مقبرہ قبر فرزند اصغر محمد شمس الدین خان است کہ بتاریخ ۲۴ شوال ۱۲۰۸ھ وفات یافت۔

مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو

یہ مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو منصبدار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی کا ہے جو ان کی معمرہ مسجد (محلہ گذری) کے صحن میں بنا ہوا ہے ۱۱۹۲ھ میں تعمیر ہوا۔ کوئی کتبہ نصب نہیں۔

متفرق عمارتیں

دروازہ گھیر مناف

یہ دروازہ ۹۸۵ھ میں شیخ ابوالمناف بن شیخ داؤد مورث شیوخ صدیقی الملقب بہ مناف پوتہ نے اپنے مکانات و حویلیات کا تعمیر کیا تھا۔ مصرعہ تاریخ ہے:۔

درا حاطۂ اعلی البلد شان واند (۹۸۵ھ)

اصلی تعمیر منہدم ہو کر موجودہ دروازہ بعد میں تعمیر ہوا۔

مرادآبادی دروازہ قلعہ معمرہ سید عبد الماجد

یہ دروازہ سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کے قلعہ کا شرقی دروازہ ہے۔ یہاں سے خام راستہ

لہ (متعلق صفحہ ۱۲۰) ان کا منصب باون ہزاری نہیں بلکہ پنج ہزاری تھا جیسا کہ خود ان کے نبیرگان مولوی بشارت علی خان وغیرہ کی عرضی موسومہ شاہ دہلی میں بیان کیا گیا ہے۔ نواب کا خطاب بھی نہیں تھا۔ نواب صمصام الدولہ جن کی فوج میں یہ داروغہ توپخانہ تھے خود آٹھ ہزاری منصب رکھتے تھے ایسی حالت میں انکے ایک ماتحت اور متوسل کا باون ہزاری منصب دار اور نواب کے خطاب سے مخاطب ہونا اور تمام پرگنہ مرادآباد کا انکے باورچی خانہ کے خرچ میں بطور جاگیر عطا ہونا ان افسانوں میں سے ہے جو تفاخر خاندانی کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو حصہ دوم تذکرہ دو بخشی علی خان) یہ کتبہ بھی قدیم نہیں ۱۳۰۰ھ کے بعد کا ہے۔

مرادآباد کو جاتا ہے اسلئے عوام میں "مرادآبادی دروازہ" مشہور ہوگیا۔ قلعہ کے مکانات منہدم ہوکر بے نشان ہوگئے۔ کہیں کہیں اس کی فصیل کے آثار اب تک باقی ہیں۔ دروازہ کے شمالی پایہ پر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر یہ عبارت اور قطعۂ تاریخ کندہ ہے:-

"اللہ اکبر"

"در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ"

"ملکہ سیادت مآب میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔

"شد چو ایں قلعہ خرمی افزائے — خوب و مضبوط و خاص مستحکم

"خواستم سالش از دبیر خرد — گفت بشمار قلعۂ خرم"

"به اہتمام بندۂ کمال خان خانہ زاد۔ شہر رمضان المبارک ۱۰۵۲ھ۔ [معمارطن]"

میراں سید عبدالماجد عہد شاہجہانی کے نامور منصب دار تھے[1]۔ یہ قلعہ انہوں نے اپنی سکونت کے لئے اپنی عمر کے آخری ایام میں ایک گڑھی کی وضع پر بنوانا شروع کیا تھا۔ انکے انتقال کے بعد انکے فرزند دیوان سید محمود نے اس کی تکمیل کی۔ تقریباً چار سال میں تعمیر کا کام ختم ہوا۔ اس کی شرقی حد یہ دروازہ تھا جو اب "مرادآبادی دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ کشک تالاب[2] کے کنارے دور تک فصیل چلی گئی تھی۔ غربی حد وہاں تھی جہاں اب مردانہ شفاخانہ ہے۔ اس فصیل کے اب تک کچھ آثار باقی ہیں۔ تکیہ شیخ پیرکرج کی شرقی حد پر جو دیوار ہے اور رائے بہادر شیونرائن آنجہانی کے مکانات سے

---

[1] تاریخ اصغری میں ان کے منصب کی تعداد چار صدی لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ان کا منصب ہشت صدی تھا جو آخر عہد مغلیہ کے ہشت ہزاری کے برابر سمجھنا چاہئے۔ [2] کشک لفظ "کوشک" سے بگڑ کر کشک ہوا۔ اس قلعہ کے ایوانات اور کوشک کی تعمیر کے لئے مٹی اس مقام سے کھودی گئی تھی اس سے یہاں اتنا بڑا گڑھا ہوگیا جسے بعد میں برسات کے پانی نے تالاب کی شکل میں تبدیل کردیا۔ چونکہ دیوان سید محمود کا کوشک یعنی محل اس کے محاذ میں بنا ہوا تھا اس لئے اس کا نام تالاب کوشک پڑگیا جو اب کشک کے نام سے موسوم ہے۔

مراد آبادی دروازہ
متعلق صہ ۱۲۹
معمرہ
دیوان سید عبدالماجد
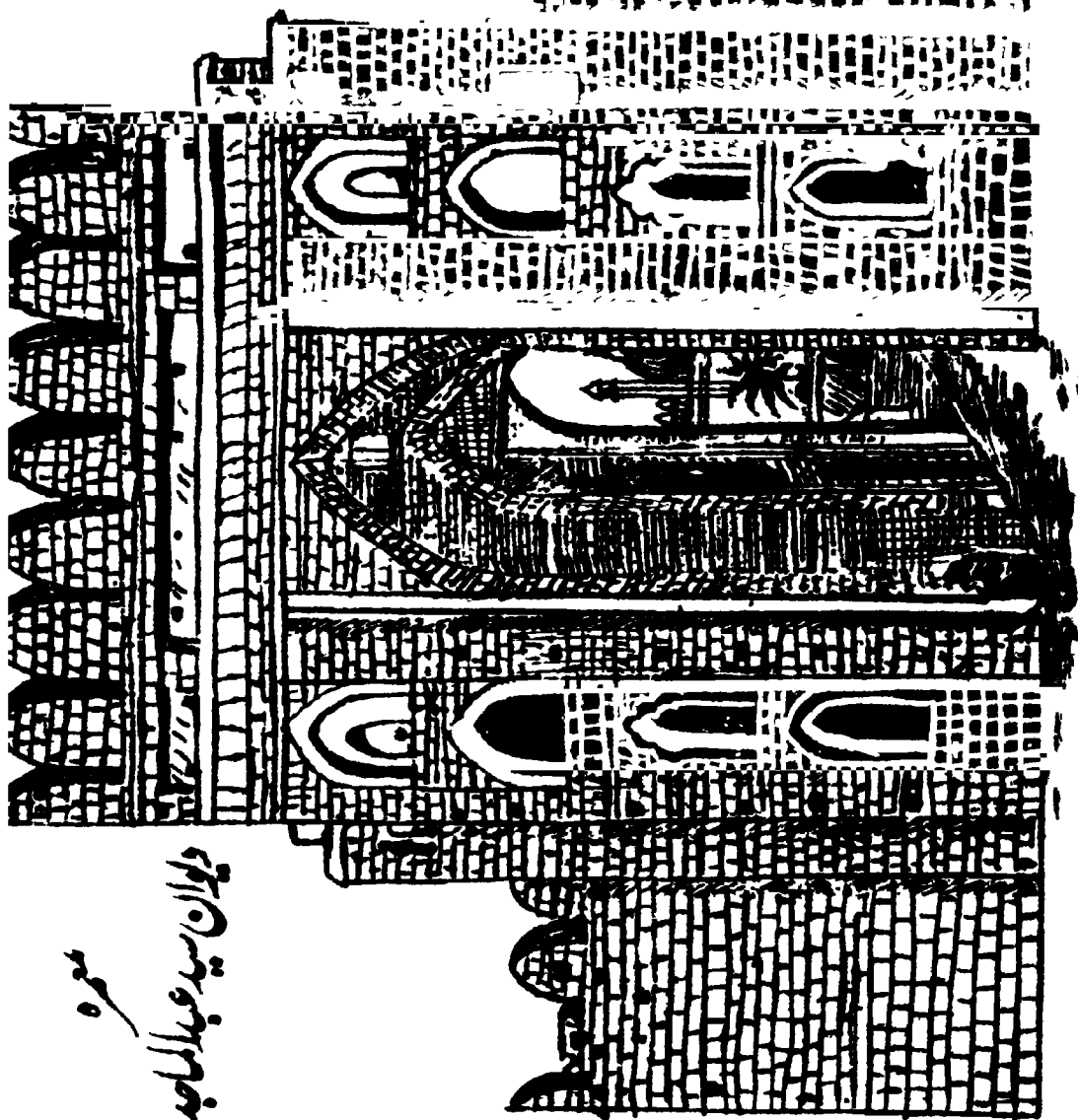
متصل چلی گئی ہے وہ اسی قلعہ کی دیوار ہے۔ جنوبی فصیل کا بقیہ سرائے مچھرٹہ کی شکستہ دیواروں سے چلتا ہے۔ شمالی فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ چھنگا دروازہ بھی اسی قلعہ کی فصیل کا دروازہ سمجھئے بسنہ ۱۰۶۷ھ میں میراں سید عبدالماجد کے فرزند دیوان سید محمود نے اس قلعہ کے اندر بہ اہتمام کمال خان ایک فراخ وکشادہ بازار بنوایا جو اب "بڑے بازار" سے موسوم ہے۔ تاریخ تعمیر کا مصرعہ بھی کسی نے کمال کا موزوں کیا ہے۔ ع

کمال آراستہ بازار محمود

اس قلعہ کے آثار کی تلاش وجستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کٹک پر جا نکلا شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پر بہار منظر سامنے پیش کر دیا جو کبھی عہد شاہجہانی وعالمگیری واقعتاً یہاں ہوگا۔ عالی شان دیوانخانے، وسیع محلسرائیں، پرفضا پائیں باغ، آراستہ بازار، ہر طرف چہل پہل، خوشی وخرمی۔ وجیہ وشکیل باشندے، مہذب وباوقار مجلسیں، سنجیدہ مذاق، علم وعمل کا چرچا، اذان کا شور، تکبیر کی آوازیں، پھر یکایک پردہ ہٹا، ایک نیا منظر سامنے آیا۔ مکان بھی وہ ہی اور مکین بھی وہ ہی لیکن نہ وہ متانت و سنجیدگی، نہ وہ علمی چرچے، دن رات عیش وعشرت کے جلسے، یاران بادہ پیما کے جمگھٹے، طبلہ و سارنگی کے شور، قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا اس کو دیکھکر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم وحیا نے بھی نظریں نیچی کر لیں۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں۔ میں تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر۔ ؎

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ | فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ | پرنور چراغ تھا کبھی یہ

اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے
اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا، چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار بنے ہوئے تھے مگر آج

ہیں مکاں صورتِ شکستہ دلاں در کھلے مثل دیدۂ حیراں

غرضکہ قلعہ کے آثار قدیمہ میں اب صرف دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے

ہیں جو درد مند دلوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلانے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے

پیش کر دیتے ہیں۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرا ہے

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم
کل جہاں پر شگوفۂ گل تھے آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آیندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے۔ ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر مدّت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

چھنگا دروازہ اسکو بھی قلعۂ سید عبد الماجد کا شمالی دروازہ بتایا جاتا ہے۔ اب اس نام سے ایک محلہ موسوم ہوگیا ہے۔ وجہ تسمیہ محقق نہ ہوسکی۔

عیدگاہ بیرون شہر جانب غرب متصل درگاہ شاہ عبد المجید علویؒ ایک مرتفع مقام پر واقع ہے۔ ابتدائً یہ عمارت مختصر تھی۔ شیخ غلام احمد[1] "شاہی گماشتہ و وقائع نگار و ہرکارۂ بادشاہی" نے سنہ [illegible]ھ میں اسکو از سر نو تعمیر کرایا جس کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ ولکندہ ہے

---

[1] صاحب تاریخ اصغری و واسطیہ نے لکھا ہے کہ "عیدگاہ شہر سے غرب کی جانب بہت وسیع بنائی ہوئی شیخ غلام احمد کارندہ سید غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو کی ہے" لیکن یہ بیان محض غلط اور شاید نسلی تعصب کا ثبوت ہے۔ شیخ غلام محمد شاہی عہدہ دار اور متموّل و بارسوخ شخص تھے۔ امروہہ میں خدمات وقائع نگاری پر مامور تھے۔ وہ سید اسد اللہ خان کے زمانہ سے بہت پیشتر سنہ ۱۲[illegible]ھ تک شاہی گماشتہ تھے اور دار رسالِ سا غذات شاہی کی خدمات بھی ان سے متعلق تھیں۔ وہ اگر سید اسد اللہ خان کے، جن کا نام بھی صاحب اصغری نے صحیح نہیں لکھا، کارندہ ہوتے اور اس حیثیت سے عیدگاہ کی تعمیر کرتے تو کتبہ میں جو آج تک عیدگاہ کی دیوار پر نصب ہے "کارندہ" کے بجائے "آقا"

ساخت بہرِ خدا غلام احمد — ایں مبارک اساس نیک بنا
بہرِ تاریخ ایں سروش زغیب — عیدگاہ خجستہ" داد ندا

امروہہ میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کے نتیجہ میں ۱۲۹۹ھ سے شیعوں کو عیدگاہ جانے کی حکومت نے ممانعت کر دی ہے۔ عیدین کی نماز قاضی شہر پڑھاتے تھے۔ عہد سلطنت اسلامی میں "مبلغ پنجاہ روپیہ بہلے خلعت عید الضحٰی منجانب فوجدار امروہہ" قاضی صاحب کو ملتا تھا۔ انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد بھی قاضی شہر نماز پڑھاتے رہے لیکن جب سے اس خاندان کے افراد نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور اسوقت سے امام اہلسنت وجماعت نماز پڑھاتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عیدگاہ کے لئے ایک خادم جاروب کشی کے لئے مقرر تھا۔ ۱۲۱۱ھ میں حمید جاروب کش کو ۱۲ ار درماہہ ملتا تھا۔ اب نہ جاروب کشی کا انتظام ہے اور نہ پوری طرح مرمت ہوتی ہے۔ برجوں کے جو کلس شکستہ ہو گئے ہیں ان کو بھی درست نہیں کرایا جا سکا۔ فرش بھی جا بجا شکستہ ہو گیا ہے۔

شیخ صدّو [1]

امروہہ کے تاریخی حالات یقیناً نا تمام و نا مکمل متصور ہوں گے اگر ان میں اُن بزرگوار کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے جو شمالی ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بعض دور دراز صوبوں میں شیخ صدّو کے نام سے مشہور ہیں مگر افسوس جسقدر شہرت شیخ صدّو کے نام کو حاصل ہے اِن بزرگوار کے تاریخی اور صحیح حالات اتنے ہی زیادہ تاریکی میں مستور ہیں۔ زبانی روایتوں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے سنین میں امروہہ کی قدیم جامع مسجد یعنی مسجد کیقبادی کا

(بقیہ صفحہ ۱۳۲)
کا نام درج ہوتا۔ کتبہ کی عبارت ہی ان "مورخین" کے بیان کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

[1] اکثر لوگ "صدّو" کو "سدّو" لکھتے ہیں۔ "صدّو" چونکہ "صدر الدین" کا عرف تھا اس لئے قدیم تحریرات میں یہ نام "ص" سے لکھا جاتا تھا نہ "س" سے۔

ایک موذن شیخ صدرالدین[1] عرف شیخ صدو تھا۔ اس کے باپ کا نام تو معلوم نہیں، ماں کا نام البتہ آسیا یا عائشہ مشہور ہے۔ اس شخص کو عملیات کا بہت شوق تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ زین خان نام ایک موکل اُسکے تابع تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زین خان موکل نے شیخ صدو کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے یہ حالت ناپاکی قابو پاکر اسے مار ڈالا۔ اس وقت سے اس کی روح آوارہ پھرتی ہے اور یہ بزرگوار خصوصاً عورتوں پر اپنا عمل کرتے ہیں اور جس طرح پنجاب میں حکاریا یار عورتوں پر "سخی سرور" آجاتے ہیں اسی طرح اس صوبہ میں خصوصاً اضلاع ایٹہ، متھرا، علی گڈھ وغیرہ کے ادنیٰ اور جاہل طبقے کے ہندو اور مسلمانوں میں شیخ صدو بدنام ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں شیخ صدو کے میلہ نے خاصی رونق حاصل کرلی تھی لوگ دور دور سے آنے لگے تھے۔ اس سنہ میں امروہہ کے ایک کائستہ لالہ دولت رائے ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ :-

لالہ جے سنگہ رائے معہ قبیلاں برائے ذات میراں (غالباً میاں) صدو در امروہہ آمدہ بودند، ملاقات فدوی کردند...... الخ	لالہ جے سنگھ مع اپنے اہل خاندان میراں (غالباً میاں) صدو کی ذات دینے امروہہ آئے تھے۔ مجھ سے بھی ملاقات ہوئی...... الخ

شیخ صدو کے معتقدین اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عامل کی زندگی میں اس کے موکل خوبصورت اور جوان عورتیں اس کے پاس لایا کرتے تھے اس لئے مرنے کے بعد سے اُس کی روح خوبصورت اور جوان عورتوں پر آجاتی ہے۔ اس سے گلوخلاصی کی تدبیر یہ ہے کہ امروہہ کی اس نہایت قدیم

---

[1] صدو والے شیوخ اپنا سلسلۂ نسب شیخ صدرالدین تک منتہی کرتے ہیں جنہیں وہ امام مسجد جامع بتاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس مسجد کے امام حاجی مولوی محمد امین بن محمد صفی متوطن صوبہ بہار تھے جن کا افادۂ درس یہاں مدتوں جاری رہا اور بعد انتقال وہ اسی مسجد کے پیش دروازہ چبوترہ پر مدفون ہوئے۔ انکی مدد معاش کے لئے ایک ملک محمود پور علاقہ پرگنہ سرسی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوئی تھی۔ ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی خاندان نہیں انکے خادم کا نام شیخ عبدالقادر ولد شیخ مصطفیٰ تھا

مسجد کے اندر، جو ۹۸۶ھ سے ۱۲۰۰ھ کے بعد تک یعنی تقریباً پانسو برس مسلسل امروہہ کی
مسجد جامع تھی اور اب عوام الناس میں "سدّو (صدّو) کی مسجد" یا "شیخ سدّو (صدّو) کی خانقاہ"
کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس میں لوہے کی جو زنجیر[1] بیچ کے گنبد میں لٹکی ہوئی ہے اور جو یقیناً
فانوس کے آویزاں کرنے کی زنجیر ہے اور اب "مُراد کی زنجیر" کہلاتی ہے، اُسے ہاتھ سے مَس
کرلیا جائے، نیز شیخ صدّو، اس کی ماں مسمّاۃ عائشہ اور اسکے موکل زین خاں کے نام پر
چڑھاوا چڑھایا جائے جس کا تناسب یہ قرار دیا گیا ہے کہ شیخ صدّو کے طاق پر اگر پانچ روپے
چڑھائے جائیں تو سوا روپیہ زین خاں کے طاق پر اور پانچ آنہ مسمّاۃ عائشہ کے طاق پر۔
ان لوگوں کے گمان میں شیخ صدّو کا مقام اس خانۂ خدا کے اندر وسط مسجد کا پیش طاق،
اس کی ماں کا شمالی پیش طاق اور موکل زین خاں کا جنوبی پیش طاق ہے، ان مقامات پر
علاوہ زرِ نقد کے بکرا، مُرغ، کپڑا اور مٹھائی وغیرہ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے جس کو ان کی
اصطلاح میں "میاں کی جات (ذات) دینا" کہتے ہیں۔ چڑھاوے میں ایک صحنک، ایک
کوزہ اور "میاں" کا رومال بھی ہوتا ہے۔ جو معتقدین "میاں کی جات" دینے آتے ہیں،
"حاشتی" یعنی حاجتی کہلاتے ہیں۔

تقریباً بیس پچیس سال پیشتر تک ہزارہا ہندو اور مسلمان، جن میں غالب حصّہ
ہندوؤں کا ہوتا تھا، دور دراز مقامات سے "میاں کی جات (ذات) دینے" ہر چہار شنبہ
کو امروہہ آتے اور ہزارہا روپیہ نقد اور چڑھاوے کی چیزوں کی قیمت کی مجموعی رقم تین
چار ہزار روپے تک پہنچتی تھی۔

صدّو کی آمدنی پانچ مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی تھی جن میں سے تین حصے

---

[1] اس زنجیر کو قدیم بتخانہ کی زنجیر بتایا جاتا ہے لیکن اس کی ساخت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں زیادہ
قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ زنجیر مسجد جامع کے فانوس کی زنجیر ہے۔

سیدوں کے اور دو حصّے صدّو والے شیخوں کے قرار دیے گئے۔ یہ خاندان، جو صدّو کی آمدنی کے مالک و مختار بنے، یقیناً امروہہ کی شاہی مسجد جامع کے متوسلین و ملازمین یعنی اُس زمانہ کے امام و مؤذن و جاروب کش وغیرہ کی نسل سے ہیں۔ سادات کے بعض خاندانوں علی الخصوص نبیرگان سید محمد میر عدل اور سید مبارک کو شہنشاہ اکبر کے زمانے سے خالصہ کا حق زمینداری عطا ہوا تھا جس سے مراد یہ تھی کہ علاوہ دیگر سادات و شرفاء کے، جو معافیدار تھے، باقی جملہ اجلاف و پیشہ در اقوام باشندگان امروہہ سے جو بطور رعیت خالصہ کی آراضی میں آباد ہوں، نیز سرایوں، بازاروں، میلوں وغیرہ کی آمدنی سے حق زمینداری ان سادات کو حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں صدّو کے میلہ کی آمدنی کا ایک حصّہ بھی بطور حق زمینداری ان سادات کو ملتا رہا۔ آمدنی جب وافر ہونے لگی تو وہ ایک ایسی جائداد بن گئی جس کو ان لوگوں نے "معافی" کے لفظ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ چڑھاوے کی اشیا کا نام "ابواب" قرار دیا گیا۔ حصّے سہام پر منقسم ہوئے، جو بطور وراثت و ترکہ تقسیم ہونے لگے۔ ان حصص و سہاموں کی بیع و شرا بھی مثل دیگر املاک و جائداد کے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ بعض خاندانوں کی معاش کا انحصار کلیتاً اسی آمدنی پر ہو گیا۔ اور کچھ افراد اس کی بدولت صاحب جائداد اور رئیس بن گئے۔

سوا سو برس تک شیخ صدّو کے میلہ کا ہنگامہ خوب پُر رونق رہا، اسلامی عبادتگاہ میں مشرکانہ رسمیں دھڑلّے سے ادا ہوتی رہیں، لیکن امروہہ کے دیندار، غیرتمند مسلمان، جو مساجد کے سامنے باجا بجائے جانے، رام ڈول کے جلوس کے کسی شرک پر گزر دہ گزر جانے یا ایام عشرۂ محرم میں کسی برات کے باجے کی آواز تک سننے کے متحمل نہیں، ان باتوں پر جو مارنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، وہ حمیّت دینی کا دم بھرنے والے مسلمان، خانۂ خدا کی بےحرمتی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جس متبرک مقام پر کبھی امروہہ کے ان ہی سیادت و مشیخت مآب مسلمانوں کے آبائے کرام کی پیشانیاں معبودِ حقیقی کی عبادت میں جھکتی تھیں، جہاں

کبھی حضرت شاہ ولایت، حضرت شاہ نصیر الدین چشتی، حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس اللہ اسرارہم نے بلکہ یہاں کے مختلف خاندانوں کے مورثوں نے نمازیں پڑھی ہونگی، جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ کی حالت میں مس کرتی ہونگی آہ! ثم آہ! اسی متبرک مقام کو مشرکوں، پنیچ ذات کے ہندؤں حتیٰ کہ بھنگی چماروں کے گرد آلود پیروں کی خاک نجس و ناپاک کرتی رہی اور بعض مسلمان تانبے، چاندی کی چند ٹکلیوں کے حصول کے لئے ہاتھ پھیلائے ان کے پیچھے دوڑتے رہے!! خدائے قدوس کی عبادت اور تکبیر کی آوازوں کی بجائے شیخ صدو موکل زین خان اور مسماۃ عائشہ کی علاً پرستش ہوتی اور ان کے نام کی جے پکاری جاتی رہی اور باوجود ان تمام مشرکانہ افعال و اعمال کے یہ "مسلمان" مسلمان ہی رہے اور دین و ایمان کے مدعی بھی! ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر | جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو قبلہ اپنا تو کافر | کواکب میں مانے کرشما تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

امروہہ کے مسلمان توحیت دین کی آزمائش میں پورے نہ اترے، علانیہ شرک پرستی کے سدباب کے لئے انھیں کسی عمل کی توفیق نہ ہوئی، غیرتِ دین اور جوشِ ایمان کے اظہار کا زریں موقع انھوں غفلت اور مداہنت کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا بالآخر خود غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور خانۂ خدا کو شرک و بدعات سے پاک کرنے کا ذریعہ پیدا ہوا۔ اترولی کے موقع شناسوں نے امروہہ کے صدو والوں کو شکست فاش دی۔ صدو کے معتقدین نے امروہہ آنا چھوڑ دیا، اب شاید کوئی بھولا بھٹکا ادھر آنکلتا ہو ورنہ کثیر تعداد اترولی (ضلع علی گڈھ) جاتی ہے۔

امروہہ کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک قیمتی موقع ہے! کیا وہ اب بھی اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہونگے؟ یاد رکھو! اسلام کے نزدیک شرک سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ٥

اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگذر کرسکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کرسکتا کہ تم اُس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

ہاں، اے امروہہ کے مسلمانو! اے صدو والے شیخو اور سیدو!! اور آہ، اے غارتگرانِ دُزدانِ حقیقت توحید اسلامی!!! اسلام تم سے تمہارے ادائے فرض کا طالب ہے، خدائے ابراہیم و محمد علیہما السّلام کی شریعت شرک کی نجاست سے توحید کی حفاظت چاہتی ہے، قرآن کریم اسی کو حقیقت اسلامی بتاتا ہے، تمہارے بزرگوں کی، بانیان مسجد کی روحیں بےچین و بیقرار ہیں، خدارا اب بھی اپنا فرض پہچانو! اٹھو اور اسی خانۂ خدا کو مشرکانہ رسموں کی نجاست سے پاک کرو!! اور

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ٥

اُن لوگوں کی طرح مت بنو، جنھوں نے خدا کو بھلایا نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے کو بھول گئے۔ وہ یقیناً فاسقوں میں سے تھے۔

عہد اسلامی میں موجودہ زمانہ کی طرح مدارس کے لئے جداگانہ عمارتیں بنانے کا دستور نہ تھا، مسلمانوں کا پہلا مدرسہ حقیقت میں وہ مسجد نبوی تھی جس کو حضور سرورِ کائنات صلعم نے مدینہ منورہ میں بنایا تھا، مسجد نبوی کے بعد سے دنیا میں جتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں انہیں اسلامی عبادتگاہ ہونے کے علاوہ آپ اسلامی مدارس سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ امروہہ کے اسلامی مدارس بھی زیادہ تر یہی مساجد تھیں طریقہ تعلیم بھی سادہ تھا، استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بندھ جاتا۔ علم پڑھانے کے سلسلہ کسی نوع کے ظاہری اہتمام

فیس کے، محض خالصاً لِلّٰہ درس دیتے۔ اسلامی سلطنت ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ ان ہی مدارس کے تعلیم یافتہ چٹائی کے فرش پر بیٹھکر پڑھنے والے وہ علمائے عظّام ہوئے جن کے فضائل وکمالات سے تذکروں اور تاریخوں کے صفحات پُر ہیں لیکن افسوس نہ وہ مدارس باقی رہے اور نہ وہ خالصاً لِلّٰہ تعلیم دینے والے استاد اور نہ وہ علم کے سچّے شیدائی شاگرد۔ ہر چند دینی مدارس اب موجود ہیں کافی سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیمی وانتظامی حالت قابل اطمینان نہیں۔

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں ۔۔۔ مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں

وہ ارکان شرعِ متیں کے کہاں ہیں ۔۔۔ وہ وارث رسولِؐ امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی امّت کا ملجا نہ ماوا

نہ قاضی، نہ مفتی، نہ صوفی، نہ مُلّا

۱۔ مدرسۂ معزّیہ مسجد کیقبادی کی تعمیر کے ساتھ یہ مدرسہ بھی اسی مسجد میں جاری ہوا جو غالباً امروہہ کا سب سے پہلا مدرسہ تھا، لیکن افسوس سوائے نام کے مدرسہ کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا، دیرینہ کاغذات کے مطالعہ سے البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ مسجد کے جنوبی و شرقی حصہ میں، جہاں اب بعض لوگوں کے مسکونہ مکانات وعمارتیں ہیں، طلبہ کے رہنے کے حجرے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ جنوبی حصہ کے متصل حضرت شاہ نصیر الدینؒ کی خانقاہ تھی وہاں آباکنان محلّہ بوکیاں کے مکانات ہیں۔ سنہ ۱۲۳۹ھ تک اس مدرسہ میں علماء کا افادۂ درس جاری رہا۔ مدرسہ کے غالباً آخری مدرس حاجی مولوی محمد آمین بن مولوی محمد علی متوطن صوبۂ بہار کے انتقال کے بعد، جو مسجد جامع کے پیش دروازہ مدفون ہوئے اس مدرسہ کی تعلیمی حالت اچھی نہیں رہی۔ بعد میں سیّد اسد اللہ خاں عرف میر کلّو نے اسی ضرورت کی وجہ سے اپنا مدرسہ جاری کیا۔

۲۔ مدرسۂ مولوی دوست محمد مولوی دوست محمد بن شیخ محمد شاکر بن شیخ نور محمد بن شیخ کبیر بن شیخ گدائی نے یہ مدرسہ ابتدائے عہد عالمگیری میں غالباً

متصل محلہ قریشی جاری کیا تھا جو عرصہ تک جاری رہا۔ مولوی دوست محمد کے بعد ان کے شاگرد رشید مولوی شیخ سلطان الدین محمد بن شاہ قیام الدین محمد درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس زمانہ میں مدارس کے ہونہار اور غیر مستطیع طلبہ کو اسلامی حکومت کی جانب سے وظائف بھی ملتے تھے۔ ذیل میں اس مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم شیخ فیض محمد برادرزادہ مولوی سلطان الدین محمد کے موسومہ ایک پروانہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے خیال سے درج کی جاتی ہے۔

محمد فرخ سیر بادشاہ غازی افضل الدین قدرو

حضرت ظل سبحانی

چوں بوضوح پیوست کہ یک روپیہ ماہیہ باسم فیض محمد طالب علم از تلامذہ شیخ سلطان الدین بموجب اسناد حکام سابق بر محصول سایر قصبہ امروہہ از قدیم مقرر است و سوائے آں ہیچ ممر وجہ معیشت نہ دارد بنا بر آں تصدق فرق مبارک بندگان حضرت قدر قدرت قضا صولت خداوند گیہاں خداوند زمین و زمان بحال داشتہ شد

باید کہ درماہ مذکور ماہ بماہ مشار الیہ می رسیدہ باشد کہ صرف مایحتاج خود نمودہ بہ دعائے دولت ابد مواصلت مواظبت نمودہ باشد۔

بتاریخ ہشتم شہر ذی قعدہ سنہ جلوس والا قلمی شد نقل۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی فیض محمد کو بموجب پروانہ مہری "عظمت اللہ خان بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" دو روپیہ یومیہ بطور مدد معاش ملتے رہے۔ اس کے بعد اس مدرسہ کے حالات دریافت نہ ہو سکے۔

مولوی فیض محمد کے کوئی عقب نہیں ان کے بھائی شیخ بشارت اللہ عرف شیخ مبارک کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک تبارک علی جن کی اولاد میں شیخ محمد اختر بن شیخ احمد علی بن نیاز علی مذکور ہیں

(متعلق صفحہ ۱۳۹)

لہ مولوی دوست محمد کے خاندان کا شمار قوم کلال میں ہوتا ہے لیکن ایک دستاویز مورخہ عہد عالمگیری میں اس خاندان کو شیخ صدیقی لکھا ہے

دوسرے ولایت علی جن کی اولاد میں منشی عبدالقیوم عطار بن حکیم عبداللہ و عبدالسلام و عبدالحکیم و عبدالقدیر و عبدالعزیز بن حافظ سعداللہ بن ولایت علی مذکور ہیں۔ تیسرے حکیم منور علی جن کے پوتے شیخ نور محمد بن حکیم برکت اللہ ہیں۔

۳۔ مدرسۂ میر کلّو | میر اسد اللہ خان عرف میر کلّو منصب دار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی نے، جو سُنّی المذہب تھے، اپنے مکانات سے متصل ۱۱۷۲ھ میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی۔ اسی میں یہ مدرسہ بھی جاری کیا۔ ۱۱۸۳ھ میں موضع جھجرن کے بیس بسوے مسجد و مدرسہ کے مصارف کے لئے وقف کئے۔ وقف نامہ مرقومہ ۲ شعبان ۱۱۸۳ھ میں مصارف وقف کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

"در وجہ کفاف مؤذن و امام و مدرس و علماء و طلباء و حفاظ جہت اذان و اقامت و قیام نماز و درس و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث"

اسلامی حکومت کی جانب سے بھی ایک روپیہ یومیہ مدرسہ کو امداد ملتی تھی۔ میر کلّو کی وفات (۱۱۹۳ھ) کے بعد بھی عرصہ تک یہ مدرسہ اسی عمدگی کے ساتھ جاری رہا لیکن بعد میں متولی صاحبان کے تبدیلی عقائد کی وجہ سے مدرسہ کے انتظامات میں کچھ خلل پیدا ہوگیا تھا۔ اب ۱۳۴۴ھ سے عزیزی محبوب احمد عباسی کی کوششوں کی بدولت مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے۔

۴۔ مدرسۂ خورشید جاہی | سید سعید حسن بن سید ظہور حسن نبیرۂ سید دوست علی (محلہ گھکولی) کی تحریک سے ۱۲۹۹ھ میں یہ مدرسہ جاری ہوا۔ نواب خورشید جاہ بہادر اس زمانہ میں حیدرآباد دکن سے شمالی ہند کی سیر و سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے۔ کسی تقریب سے ان کا مرادآباد بھی آنا ہوا وہاں سے امروہہ تشریف لائے اور ان ہی کے نام سے یہ مدرسہ بھی موسوم کیا گیا۔ سید سعید حسن مرحوم نے اجراء مدرسہ کے متعلق ایک پمفلٹ لکھا، جس میں پرانے طرز کے مکاتب کی تعلیم کے نقائص اور طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر بحث کی گئی تھی اور اہل شہر سے مدرسہ کے اجراء، مقاصد و اغراض، نصاب تعلیم و نظم و نسق مدرسہ کے متعلق مشورہ بھی طلب کیا گیا تھا۔

جو جوابات موصول ہوئے ان کو بھی ایک رسالہ کی صورت میں طبع کرا کے شائع کیا گیا۔ غرضکہ بڑے اہتمام سے یہ مدرسہ ابتداءً سید مرتضیٰ علی کے مکان (محلہ گذری) میں جاری ہوا لیکن افسوس صرف چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۵۔ تاج المدارس مدرسۂ خورشید جاہی کے ساتھ ہی ساتھ یہ مدرسہ بھی بعض اکابر شہر کی تحریک پر ابتداءً مولوی سبحان علی (پیرزادہ) کے مکان (محلہ چاہ شور) میں جاری ہوا۔ حکیم زین العابدین منتظم اور شیخ عبداللہ و شیخ عظیم اللہ (قوم کلال) سیکرٹری تھے۔ چند سال تک یہ مدرسہ بہت اچھی حالت میں جاری رہا، کسی اختلاف کی وجہ سے شیخ عبداللہ نے انتظامات سے دستکشی اختیار کر لی تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم مدرسہ کے سیکرٹری ہوئے بعد میں اس مدرسہ کا الحاق جامع مسجد محلہ مولانہ کے مدرسہ سے ہو گیا۔

۶۔ تاج المدارس ثانی شیخ عبداللہ نے پہلے مدرسہ سے دستکش ہو جانے کے بعد منشی امام الدین (کمبوہ) کے مکان (محلہ شاہی چبوترہ) پر یہ مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسہ کو نواب **وقار الملک** مرحوم و مغفور کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ اس وقت سے اس مدرسہ نے اچھی ترقی حاصل کی، انگریزی کی تعلیم کا بھی اس مدرسہ میں اجراء ہوا۔ امروہہ گورنمنٹ اسکول کی حالت جب ایسی خراب ہو گئی کہ سررشتۂ تعلیم نے اس کی اعلیٰ جماعتوں کے بند کرنے کا قصد کیا تو نواب صاحب ممدوح نے اس مدرسہ کا الحاق بھی سرکاری اسکول سے کر دیا اور اس زمانہ میں نواب صاحب کی مساعی جمیلہ کی بدولت سرکاری اسکول میں مسلمان طلباء کی مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا جس کے اخراجات ممدوح ہی ادا کرتے رہے۔

۷۔ مدرسہ اسلامیہ مسجد جامع (واقع محلہ مولانہ) ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امروہہ تشریف لائے تو آپ کی تحریک پر مسجد جامع میں مدرسہ قائم ہوا جس کا نام "قاسم العلوم" رکھا گیا۔ اس کے مہتمم مولوی محب علی خان عباسی اور مولوی رافت علی (دربار کلاں) تھے اور مولانا آل حسن بخشی اور مولوی

محمد حسین جعفری اس کے اساتذہ میں سے تھے۔ چند سال بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ ۱۳۰۱ھ میں جب حضرت
مولانا مولوی احمد حسن محدث امروہوی مرادآباد کے مدرسہ اسلامیہ واقع شاہی مسجد سے مستعفی ہوکر
امروہہ تشریف لائے اور اپنے مکان پر طلبہ کو درس دینا شروع کیا تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم
حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی مرحوم کی تحریک پر مدرسہ قاسم العلوم کا پھر احیا کیا گیا۔
حضرت مولانائے محدث امروہوی کے علم و فضل کی شہرت اور آپ کی زبردست شخصیت نے اس مدرسہ
کو چند ہی روز میں اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت دور دور پہنچی، بنگال و بہار، پنجاب و صوبۂ
سرحدی بلکہ بیرونِ ہند سے طلبا جوق جوق آنے لگے اور امروہہ کے فیضِ علم کا سرچشمہ جو
حوادثِ روزگار سے خشک ہوگیا تھا پھر جاری ہوا۔ اہلِ شہر نے بھی مسافر نوازی و علم دوستی کا
ثبوت دیا، طلبا کے قیام و طعام کا بھی بحسن و خوبی انتظام کیا۔ مسٹر نول، مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر
اس مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ مدرسہ عربیہ ہمیشہ سے مرکز علم رہا ہے اور اس میں ہندوستان
کے ہر حصہ سے طلبہ کھنچ کر آتے ہیں"۔ مدرسہ کے انتظامات کا بار شروع زمانہ سے زیادہ تر مولوی نادر شاہ خان
مرحوم کے ذمہ رہا، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے منشی عبدالحمید عباسی بھی مہتمم رہے، سید امتیاز علی
منصف مرحوم اور بعض دیگر حضرات نے بھی وقتاً فوقتاً مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن جب
بعد میں اس قدیم مدرسہ کی کشتی اختلافات کے بھنور میں جا پھنسی تو پھر اسی کہن سال جواں ہمت
بزرگ مولوی نادر شاہ خان نے باوجود پیرانہ سالی اور معذوری کے انتظامات کا بار اپنے کندھوں
پر اٹھا لیا لیکن افسوس بعض ترفع پسند اور کوتاہ اندیش لوگوں نے اختلافات کو یہاں تک وسعت
دی کہ بالآخر ایک کے بجائے دو اور دو کے بجائے تین مدرسے اسی ایک شہر میں قائم ہوگئے۔ جداگانہ
مدرسوں کا قائم ہونا اور اجتماعی کوششوں کا انتشار بجائے خود باعثِ ضعف و اختلال ہے لیکن
رقیبانہ چشمک اور تفرقہ اندازی اس سے بھی بدتر۔ تینوں مدرسوں کی مالی اور انتظامی
حالت خراب ہے۔

پڑے ہیں جا بجا ٹوٹے ہوئے اطرافِ عالم میں   کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب

مولوی نامدر شاہ خان مرحوم کے انتقال کے بعد سے اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولوی حاجی سید مظلم حسنین اب مہتمم ہیں اور مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب شاگرد رشید مولانا کے محدث امروہوی صدر مدرس - تعداد اساتذہ ۱۱' تعداد طلبا ۲۵۰' اخراجات ماہانہ تقریباً [illegible] -

۸ - مدرسہ محمدیہ رشیدیہ | یہ مدرسہ اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ نہ تھا' ایک بڑا مکتب خانہ تھا جسے حکیم عبدالسلام صدیقی مرحوم نے محلہ قریشی میں سنہ ۱۳۰۰ھ کے قریب جاری کیا تھا - نصاب تعلیم وہی طرز قدیم کا تھا - حافظ محمد حسین جو بعد میں مدرسہ "قاسم العلوم" میں پڑھاتے تھے اس کے مدرس تھے - چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا -

۹ - سید المدارس | سید المدارس کی بنیاد بطور ایک معمولی اردو مکتب کے محض چندہ سے بتحریک حکیم محمد علی خان ۱۶ اگست سنہ ۱۸۹۲ء کو قایم ہوئی - سنہ ۱۸۹۴ء میں علاوہ اردو کے فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی جاری ہو گئی' عربی تعلیم کا بھی اضافہ ہوا اور اس طرح یہ مکتب ایک مستقل عربی مدرسہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور صرف ماتحت دفعات میں اتنا اردو نصاب باقی رکھا گیا جس سے طلبہ نکلکر اگر گورنمنٹ مدارس میں داخل ہونا چاہیں تو اُن کو سہولت و آسانی ہو -

شیعان امروہہ کے لئے یہ سب سے پہلا مبارک موقع تھا کہ اپنی زبان اور مذہبی تعلیم کی درسگاہ سرزمین امروہہ پر صورت پذیر ہوئی - مولوی سید نذر حسین مرحوم ساکن محلہ مجیڑہ نے بتحریک اپنے لائق داماد مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اپنی کل معقول جائداد مدرسہ کے حق میں وقف فرما دی' پھر ایک وقف مسماۃ ہاجرہ خاتون زوجہ علی ابن الحسین ساکنہ محلہ شفاعت پوتہ کی طرف سے مکمل ہوا اور اس طرح مدرسہ کے دائمی بقا کے اسباب فراہم ہو گئے -

سنہ ۱۹۰۳ء میں مدرسہ کی موجودہ عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالی گئی جو چھ کمروں اور ایک وسیع ہال اور دو برآمدوں پر مشتمل ہے اسکی تعمیر حکیم سید محمد صاحب اور ان کے خاندان کی عالی توجہہ کا نتیجہ ہے -

اس عمارت کا افتتاح سنہ ۱۹۰۱ء میں سر جیمس لیٹوش بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے فرمایا اور اسی موقع پر یہ حکم نافذ ہوا کہ سادات امروہہ کی تعلیم گاہ سے آٹھ لڑکے ہر سال گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ میں بلا فیس تعلیم پا سکتے ہیں۔

عرصۂ دراز تک مدرسہ میں عربی کا نصاب قدیم جاری رہا۔ اب چند سال سے علاوہ درس نظامی کے الہ آباد یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب درجۂ مولوی و عالم و فاضل بھی جاری ہے اور انتہائی درجہ بخطاب سید الافاضل قائم ہے۔

مدرسہ کی مستقل آمدنی میں علاوہ جائداد موقوفہ کے سرکاری امداد، میونسپل بورڈ امروہہ کی امداد اور ہز ہائنیس نواب صاحب بہادر رامپور کی کافی اعانت بھی ہے۔

مدرسہ میں دس ۱۰ مدرس اور ایک سو انیس ۱۱۹ طلبہ ہیں۔ اس مدرسہ سے صوبہ بہار، پنجاب، بمبئی وغیرہ کے بہت سے تشنگان تعلیم سیراب اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب مجتہد، جو وسیع الاخلاق اور روشن خیال عالم ہیں، صدر مدرس ہیں۔

۱۰۔ نور المدارس اصل میں اس مدرسہ کا نام "اشرف المدارس" تھا۔ سنہ ۱۳۰۶ھ میں یہ مدرسہ حضرات شیعہ نے محلہ دانشمندان میں جاری کیا تھا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں حاجی سید نور الحسن محلہ دانشمندان کے ایک شیعہ بزرگ نے اپنی اور اپنی زوجہ کی کل جائداد بذریعۂ وقف نامہ مورخہ ۲۸/۹/۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء مدرسہ کے لئے وقف کر دی اس لئے اس مدرسہ کا نام بھی ان کے نام پر "نور المدارس" رکھا گیا۔ مذہب اثنا عشری کی دینیات کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے فارسی و عربی امتحانات کے لئے طلبہ کا تیار کرنا اس مدرسہ کی خصوصیت ہو گیا۔ مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اپنا تمام وقت عزیز طلبا کی درس تدریس میں صرف کیا، ان کی محنت و جانفشانی سے مدرسہ نے خوب ترقی کی، متعدد طلبہ امتحانات میں کامیاب ہو کر برسر روزگار ہوئے۔ سررشتۂ تعلیم نے بھی مدرسہ کی پوری امداد کی لیکن افسوس کچھ عرصہ سے باہمی اختلاف کی بنا پر مولانائے ممدوح نے مدرسہ سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا اور اب مدرسہ کی تعلیمی حالت بھی پست ہو گئی ہے۔

۱۱ اِمام المدارس ابتداءً تو یہ مدرسہ امامیہ مذہب اثنا عشریہ کی دینی تعلیم کی غرض سے ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا۔ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ نے افتتاح کیا۔ ۱۹۰۳ء میں بیادگار جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم انگریزی تعلیم کے درجے بھی کھولے گئے۔ ۱۹۰۸ء میں آٹھویں جماعت تک تعلیم دی جانے لگی۔ سید تقی حسن مرحوم کی کوششوں کی بدولت جو اس زمانہ میں تاحیات مدرسہ کے مینجر رہے ۱۹۱۶ء میں مدرسہ کا سررشتہ تعلیم سے الحاق ہوگیا اور ۱۹۱۸ء سے مبلغ لعہ ماہوار مدرسہ کو سرکاری امداد ملنا شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب دو سو دس روپیہ ماہوار امداد ملتی ہے۔ یہ مدرسہ اپنی تعلیمی اور انتظامی حالت کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے۔ اس کا اجراء، قیام و استحکام اور ترقی سب کا دار و مدار سادات محلہ ارزانی پوتہ (بنگلہ) کی مآل اندیشی اور تعلیمی دلچسپی کی بدولت ہے۔ مدرسہ کے بانیوں میں حاجی سید مقبول احمد، حکیم مولوی سید مصطفیٰ اور سید محمد باقر کے نام خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ موجودہ مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ معروف بہ مولوی سید چاند ہیں اور ہیڈ ماسٹر سید محمد تقی بی اے (علیگ) ایل ٹی ہیں۔ فی الحال مدرسہ کا کچھ حصہ امام باڑہ کی عمارت اور کچھ کرایہ کے مکانات میں ہے۔ لیکن اس کی شدید ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اپنی عمارت ہو جس کے لئے غالباً زمین پہلے سے موجود ہے۔ کیا مسلمانان امروہہ کبھی خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے بچوں کی تعلیم کا معقول بندوبست کرنے پر آمادہ ہوں گے؟

امروہہ میں ایک ہندو اسکول ہے اور ایک یہ مسلم اسکول لیکن دونوں اسکولوں کی حالی حالت ان کی رفتار ترقی دونوں قوموں کی ذہنیت، ان کے قول و عمل، ان کے غفلت و بیداری کا عبرتناک اور سبق آموز ثبوت پیش کر رہی ہے۔ ہندو اسکول اس مسلم اسکول سے تقریباً بارہ برس بعد قائم ہوا ہے۔ آج اس کی عمارت کی تعمیر شروع ہو رہی ہے۔ اس کے لئے اسکول کے پاس تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی مجموعی رقم اسکول فنڈ اور گورنمنٹ کی امداد کی موجود ہے۔ مسلم اسکول کے پاس عمارت کے "تعمیر فنڈ" میں بھی کچھ ہے؟ اس کا جواب اور حسرتناک جواب ذرا

اسکول کے مہتمم مولوی سید محمد مجتبےٰ کے پاس جا کر ان کی زبان سے سنئے !! واحسرتا !!!

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا   ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

کیا امروہہ کے تیس ہزار مسلمان، جن میں بعض ایسے دولتمند اور ایسے ایسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل ہیں جو آج اس بیسویں صدی میں بھی شادی کی تقریبات کے موقع پر دور دور سے رنڈیاں بلوا کر ناچ کرا لیتے اور ان خرافات میں سیکڑوں روپیہ صرف کر دینے میں تامل نہیں کرتے آئے دن ڈپٹی صاحب اور جنٹ صاحب اور کوتوال صاحب اور نہ معلوم کن کن صاحب کی دعوتوں، ٹی پارٹیوں، ڈراموں اور ناٹکوں میں بیدریغ خرچ کرنے کو موجود ہیں، تو کیا یہ مسلمان دولتمند، تعلیم یافتہ، ضروریات زمانہ سے باخبر مسلمان، چند ہزار روپیہ اسکول کی عمارت کے لئے جمع نہیں کر سکتے؟ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اسکول کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔

مسلم اسکول

۱۹۱۲ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم، جو اس زمانہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکریٹری تھے، انجمن سادات امروہہ کے جلسہ کی صدارت کے لئے امروہہ تشریف لائے۔ خاکسار مؤلف بھی جناب ممدوح کی معیت میں حاضر ہوا۔ اس وقت اپنے وطن کی تعلیمی پستی کا جو احساس مجھے ہوا اس سے متاثر ہو کر ایک رسالہ "مسلمانان قصبہ امروہہ کی خدمت میں انکے تعلیمی حالات اور ضروریات کے متعلق ایک ضروری التماس" کے عنوان سے لکھا جسے کانفرنس نے اپنے صرف سے شایع کرا کے مارچ ۱۹۱۲ء میں امروہہ میں تقسیم کیا۔ رسالۂ مذکور کے آخر میں مسلم اسکول کے قائم کرنے کی تحریک کی گئی تھی۔ رسالہ کی اشاعت کے بعد اسکی کوشش کی گئی کہ امام المدارس کو ترقی دی جائے اور اس کے انتظام و اہتمام میں مسلمانان شہر کی کافی نیابت ہو۔ اس سلسلہ میں خاکسار مؤلف بار بار علیگڑھ سے امروہہ حاضر ہوا، لیکن افسوس مسلمانان شہر کو متفقہ و متحدہ کام کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اسلئے مئی ۱۹۱۳ء میں بہ سرپرستی نواب وقار الملک مرحوم "مسلم اسکول" کا آغاز ہوا۔ رفتہ رفتہ اسکول نے اچھی ترقی کی۔ شیخ کریم بخش بہنشیز انسپکٹر سکریٹری اور مکرمی رئیس الدین احمد و حکیم اسرار الحق

معاون سیکریٹری تھے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں ہزآنر سر جیمس مسٹن لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ
جب بہ تقریب دورہ امروہہ تشریف لائے اس اسکول کے جلسہ میں بھی شرکت فرمائی اور
جیب خاص سے چندہ بھی عنایت کیا۔ اسکول کے معاون سیکریٹری رئیس الدین احمد صاحب
نے ایک مکان بھی اسکول کے لئے وقف کیا' طلبہ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگئی' مڈل کلاس
تک تعلیم کا انتظام تھا اساتذہ بھی قابل اور سند یافتہ تھے' اہل شہر کو اسکول کے ساتھ
دلچسپی تھی' چندہ کے علاوہ سرکاری امداد بھی کافی ملتی تھی لیکن افسوس مدرسہ کے منتظمین کے
آپس کے لایعنی جھگڑوں اور کش مکش نے بالآخر اسکول کا خاتمہ کردیا اور چند سال جاری
رہ کر یہ مدرسہ بھی بند ہوگیا۔ واحسرتا!

ہزاروں باغ ویراں ہوگئے آپس کے جھگڑوں میں پلٹ کر بھی نہیں آئی جہاں فصل بہار اک بار

۱۳۔ ہندو اسکول: اس مدرسہ کا پورا نام "تیج رام جارج کارونیشن ہندو اسکول" ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا۔ لالہ تیج رام قوم ویش مہیسری نے جو لالہ چھبا لال
کے چچا تھے لاولد انتقال کیا۔ لالہ چھبا لال نے پنڈت لال گوپال وکیل کے مشورہ سے دان پن (خیرات)
کی رقم بجائے پنڈتوں کے دینے کے ایک مدرسہ کے قایم کرنے میں صرف کی۔ ابتداً پنڈت لال گوپال
سیکریٹری اور لالہ چھبا لال منیجر رہے۔ ملک معظم کی تخت نشینی کے زمانہ میں یہ اسکول جاری
ہوا تھا اس لئے "جارج کارونیشن اسکول" سے موسوم کیا گیا۔ فی الحال اسکول میں مڈل
کلاس تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے لئے بھی چندہ بیس ہزار روپیہ جمع ہے۔ کل
عمارت کی لاگت کا اندازہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے جس میں سے نصف رقم کے عطیہ کا گورنمنٹ
نے وعدہ کیا ہے۔ زمین بھی حاصل کرلی گئی ہے۔ آج کل ڈاکٹر پریم ناتھ سیکریٹری اور لالہ چھبا لال
منیجر ہیں طلبہ کی تعداد تقریباً سو ہے۔ تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان ہے۔

۱۴۔ گورنمنٹ ہائی اسکول: یہ اسکول سنہ ۱۸۹۳ء میں ابتداً اینگلو ورنیکلر اسکول کے طرز پر قایم ہوا۔ پھر ہائی اسکول کے درجہ تک ترقی ہوئی۔ عرصہ دراز تک

یہ اسکول اسی عمارت میں رہا جہاں اب منصفی کی عدالت ہے۔ سنہ ۱۹ء میں موجودہ عمارت متصل ریلوے اسٹیشن تعمیر ہوئی۔

امروہہ کی صنوعات

مٹی کے برتن امروہہ کی یہ بہت مشہور اور قدیم صنعت ہے۔ چکنی مٹی سے جسے "گوال جنا" کہتے ہیں، برتن بنائے جاتے ہیں۔ یہ مٹی تالابوں کی تہ میں سے نکلتی ہے جو بہت باریک اور ہلکی اور رنگ میں سیاہی مائل ہوتی ہے پکنے کے بعد سرخ ہو جاتی ہے۔ یہ صنعت ہندو کوزہ گروں کی مخصوص صنعت ہے۔ طرح طرح کی چیزیں بناتے اور طلائی و نقرئی کام ان پر کراتے ہیں۔ صاحب "مرأت آفتاب نما" لکھتے ہیں[1]

امروہہ شہرے مطبوع است، اکثر قوم سادات در آنجا سکونت پذیرفتہ اند۔ ظروف گلی بنہایت نازک و باریک منقش بہ نقوش گوناگون و مذہب بوقلمون در آنجا می سازند حتیٰ کہ حقہ گلی مع سرپوش و چلم و چنبر بہ قیمت یک اشرفی تا دو سہ می ارزد، کوزہ و کاسہ ہم بریں قیاس	امروہہ ایک اچھا شہر ہے، سادات کی اکثر قوموں نے وہاں سکونت اختیار کی ہو۔ مٹی کے برتن بنہایت نازک اور باریک جن پر طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے اور جنہیں طرح طرح سے سجاتے ہیں وہاں بنائے جاتے ہیں حتیٰ کہ مٹی کا حقہ مع سرپوش و چلم و چنبر بھی بنتا ہے جس کی قیمت ایک اشرفی سے دو یا تین اشرفی تک ہوتی ہے۔ کوزہ اور پیالہ کا اسی پر قیاس کیجئے

تقریباً ستر اسی برس پیشتر تک امروہہ کی یہ صنعت خوب رونق پر تھی۔ مٹی کے برتن تحفۃً دور دور بھیجے جاتے تھے حتیٰ کہ خدیو مصر کے محل میں بھی امروہہ کے ان برتنوں کو جگہ دی گئی تھی[2]۔ شروع عملداری قوم برطانیہ میں امروہہ کے روسا "صاحبان عالی شان" کو

---

[1] مرأت آفتاب نما (قلمی) مصنفہ سید عبدالرحمٰن المخاطب بہ شاہ نواز خان ہاشمی بنانی ثم الدہلوی در زمان ابوالمظفر شاہ عالم بادشاہ غازی۔ [2] سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان مرحوم۔

یہ برتن تحفہ میں بھیجا کرتے تھے۔ سید امان علی خاں (گھڑیال والے) کے موسومہ جنھیں اس زمانہ کے انگریز "نواب" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے، ایک انگریز عہدہ دار کی فارسی تحریر کا عکس اس موقع پر درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دیکھئے اعلیٰ طبقہ کا ایک انگریز امروہہ کی اس صنعت کا کن تعریفی الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے:۔

نرگس دان وغیرہ ظروف سفالی..... مرسول شدہ ..... بطبع خاطر افتاد۔ الحق ہر ہمہ قابل تحسین و آفرین اند بعد خوش قسمی و شستگی یکے زیادہ از دیگرے بنظر در آمدند و تعریف صنعت کارستانی کاریگران آنجا از خامۂ دوزبان نمی تواند گردید۔

نرگس دان وغیرہ مٹی کے برتن جو ارسال فرمائے نہایت پسند آئے۔ سچ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک قابل تعریف اور توصیف ہے۔ عمدگی اور شستگی میں ایک سے ایک بڑھ کر۔ وہاں کے کاریگروں کی صنعت اور کام کی تعریف زبان قلم سے نہیں ہو سکتی۔

افسوس اس صنعت کے قدردان نہ رہے تو یہ صنعت بھی مٹ گئی۔ خاندانی کوزہ گروں میں سے جو چند افراد باقی ہیں وہ اب بھی مٹی کے برتن بناتے ہیں مگر اب وہ بات کہاں!

بقچے کے پلنگ

بقچہ کا پلنگ بھی امروہہ کی قدیم صنعت تھی۔ بنانے والے اب بھی موجود ہیں مگر بنوانے والے کہاں۔ عہد محمد شاہ بادشاہ کے ایک عہدہ دار میر یعقوب مراد آباد سے امروہہ کے ایک اہلکار لالہ کشن چند سے ایک تحریر میں آم کے مربہ و اچار کے بھیجنے کے ساتھ "چارپائی بقچہ کلاں" کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ ذرا اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں کے رابطۂ اتحاد و تعلقات کا اندازہ طرز تحریر سے کیجئے، القاب میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہیں۔ "در حفظ الٰہی بودہ" کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور آج کی تنگ ظرفی بھی ملحوظ خاطر رہے۔

"عزت و خصوصیت دستگاہ لالہ کشن چند در حفظ الٰہی بودہ بعافیت باشند۔ ......

تحریر آنکہ..... و اچار و مربائے انبہ و چارپائی بقچہ کلاں تیار کنانیدہ ارسال حضور نمایند۔ ہر چند زودی برسد بجرائے شماست و برائے انبہ از حضور بسیار تاکید است باید کہ درختہائے انبہ کہ قسم اول و کلاں باشند خرید نمودہ در قید خود نگاہ دارند و قیمت آں نقد

بدھ ہند۔ دریں خدمت تغافلے نباید کرد۔"

تحریر فی التاریخ یازدہم شوال سنہ جلوس مثلی (مطابق ۱۲۱۱ھ ۱۷۹۸ء)

بنچ کے پلنگوں کے سوائے اور قسم کے پلنگ تسبیح اور پنج سیجہ بھی بنتے تھے۔

رتھ اور بہلی | رتھ اور بہلی کی صنعت بھی یہاں قدیم عہد سے ہے۔ یہاں کے بڑھئیوں میں بعض خاندان صرف رتھ اور بہلی بنانے کا کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خوب بناتے ہیں۔ دور دور کے میلوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اگرچہ زمانہ حال میں سواری کی دوسری ایجادوں نے اس صنعت پر خاص اثر ڈالا ہے لیکن پھر بھی یہ صنعت بالکل معدوم نہیں ہوئی۔

ڈھولک اور پتیاں | امروہہ میں ڈھولک اور پتیاں بھی اچھی بنتی ہیں اور دور دور جاتی ہیں آم کی لکڑی ان کی ساخت میں استعمال ہوتی ہے۔

قالین سازی | امروہہ میں اس صنعت کے موجد صادق علی تھے جنھوں نے بیکانیر میں مرزاپور کے ایک جولاہے سے اس صنعت کو سیکھا اور امروہہ میں جاری کیا۔ نہایت خوبصورت اور سستے قالین یہاں تیار ہوتے ہیں ان کے لئے اون یہیں تیار کیا جاتا ہے۔ گڈریہ عورتیں اس کو کاتتی ہیں۔

امروہہ کی کشتی نما ٹوپیاں | تقریباً پچیس برس پیشتر تک امروہہ میں ریشم اور کلابتون کے کام کی کشتی نما ٹوپیوں کی صنعت خوب رونق پر تھی۔ صدہا اشخاص اور بالخصوص بعض بیوہ عورتوں کی معاش کا انحصار اسی کام پر تھا۔ جب سے ترکی و ایرانی ٹوپیوں کے نئے نئے فیشن نکلنے لگے اس صنعت پر بھی اوس پڑ گئی۔

امروہہ کے باشندے

عہد قدیم کے باشندگان امروہہ کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا بہت دشوار ہے، تاہم لشکر اسلامی کی موجودگی سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ موجودہ آبادی سے اس وقت تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے موجودہ زمانہ تک یہاں کے باشندوں کی جو تعداد مختلف سنین میں رہی ہے اس کا گوشوارہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

سنہ	کل تعداد باشندگان	کمی	بیشی
سنہ ۱۸۴۷ء	۷۱،۶۶۷ ※	۰	۰
سنہ ۱۸۵۳ء	۳۵،۲۸۳	۳۷،۳۸۴	۰
سنہ ۱۸۶۵ء	۳۲،۳۱۴	۲،۹۷۰	
سنہ ۱۸۷۲ء	۳۴،۹۰۴	۰	۲،۵۹۰
سنہ ۱۸۸۱ء	۳۶،۱۴۵	۰	۱،۲۴۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۳۵،۳۲۰	۸۲۵	۰
سنہ ۱۹۰۱ء	۴۰،۰۷۷	۰	۴،۷۵۷
سنہ ۱۹۱۱ء	۴۲،۴۱۰	۰	۲،۳۳۳
سنہ ۱۹۲۱ء	۴۰،۴۴۸	۱،۹۶۲	۰

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے منجملہ کل تعداد باشندگان نصف سے قدرے زائد عورتوں کی تعداد ہے اور نصف سے کچھ کم مردوں کی۔ شہر میں کل مکانات کی تعداد ۹۵۵۹ ،۴ ہے۔ مختلف مذاہب کے پیرؤں کی تعداد حسب ذیل ہے:-

---

※ معلوم ہوتا ہے یہ اعداد صحیح نہیں ورنہ آٹھ سال میں تقریباً اڑتیس ہزار باشندوں کی تعداد کم ہو جانا قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

مجموعی تعداد باشندگان امروہہ		ہندو			مسلمان			آریہ، عیسائی وغیرہ		
مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت
۱۹،۹۸۵	۲۰،۳۶۴	۱۰،۱۷۸	۵،۲۷۹	۴،۸۹۹	۲۹،۵۶۰	۱۴،۳۴۴	۱۵،۲۱۶	۶۱۰	۳۶۲	۲۴۸

ہندو باشندے

امروہہ کے ہندو باشندوں کی تعداد ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۱۰،۱۷۸ ہے، جن میں ۵،۲۷۹ مرد اور ۴،۸۹۹ عورتوں کی تعداد ہے۔

اس شہر کے ہندوؤں میں چھ مختلف قوموں کے لوگ ہیں یعنی (۱) برہمن (۲) ویش (۳) کھتری (۴) جاٹ (۵) کالستھ (۶) شودر۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے بہت سے گوتر اور آل (خاندان) ہیں۔

برہمن

برہمنوں میں یہاں سب سے زیادہ تعداد گوڑ برہمنوں کی ہے، اس کے بعد سارسوت کی۔ کان کبج، گوتم اور گجراتی برہمنوں کے صرف چند گھر ہیں۔

۱۔ گوڑ برہمن:۔ ان کا نکاس چونکہ ملک گوڑ (نواح بنگال) سے ہے اسلئے اس نام سے مشہور ہوئے۔ امروہہ میں ان کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہے۔ ان میں تقریباً آٹھ ہی آل (خاندان) ہیں یعنی جوشی۔ تباری۔ شکل، چترویدی۔ مصر، پوٹھیہ۔ پانڈے اور کالئے۔ یہ لوگ ہندوؤں کے اکثر محلوں میں ساکن ہیں۔

ان میں زیادہ قدیم خاندان پنڈت بھگوت دت ساکن بھاگیرت ٹولہ کا ہے۔ پنڈت جی کے اجداد میں نتھل داس مصر منجم، طبیب اور مذہبی علوم میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ عہد محمد شاہ بادشاہ میں حسب ذیل پروانہ کے ذریعہ ان کو قوم ہنود ساکنان امروہہ کا عہدہ چوکرایتی دیا گیا تھا:۔

نقل پروانہ

عاملان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل معاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بدانند۔ دریں ولا بظہور پیوست کہ نتھے مل مصر در طریقہ برہمنی خیلے خبردار و بحسب منجمی و طبابت بسیار ہوشیار لہذا نظر بر استحقاق او نمودہ چوکراتی قوم برہمنان ششم حصہ و در سوم یک تنکہ شادیانہ ہنگام شادی کتخدائی و کار خیر و تولد فرزند شرفا و غربا قوم ہنود ساکنان قصبہ مذکور مقرر نمودہ شد باید کہ مشار الیہ را در چوکراتی دخیل کنانیدہ وجہ مقررہ می دہانیدہ باشند بوجہے اہمال نسازند۔ دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔

تحریر فی التاریخ بست و ہفتم شہر صفر سنہ ۹ مطابق سنہ ۱۱۵۰ھ

پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل متعلق صوبہ دارالسلطنت شاہجہان آباد (دہلی) کے حکام کو معلوم ہو کہ ہمارے سامنے ظاہر کیا گیا ہے کہ نتھے مل مصر ہندوؤں کے مذہبی علم سے خوب واقف ہیں اور منجمی اور طبابت میں بھی بہت ہوشیار ہیں لہذا اس کے استحقاق کو مد نظر رکھکر برہمنوں کی چوکراتی کا چھٹا حصہ اور امروہہ کے ہندوؤں میں بیاہ شادی کے موقع پر اور کار خیر میں اور ہندوؤں کے شرفاء اور غریبوں میں بیٹے کے پیدا ہونے کی تقریب کے موقع پر ایک ٹکہ بطور حق دیا جانا مقرر کیا گیا لہذا چاہئے کہ نامبردہ کو چوکراتی پر دخل کرا کے مقررہ حق دلاتے رہیں اور کسی وجہ سے اس میں دریغ نکریں اور اس معاملہ میں تاکید جانکر حسب ہدایت عمل کریں۔

مورخہ ۲۷ ماہ صفر سنہ ۹ جلوس مطابق سنہ ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

نتھے مل داس مصر کے لال من داس مصر ان کے کیسری مل مصر ہوئے۔ کیسری مل مصر کے پانچ بیٹے ہوئے۔ راجی مل، ہر سہائے، رام نرائن، رام پرشاد اور سالگ رام۔ راجی مل کے پوتے پنڈت بھاگوت دت مصر ہیں۔ دوسرے اشخاص کی اولاد میں پنڈت برج بلبھ ولد سندر لال وغیرہ ہیں۔

شاہان اسلام کی جانب سے جہاں مسلمان فقرا و مشائخ کو روزینے ملتے تھے وہاں اہل ہنود کے پروہتوں اور پنڈتوں کی بھی مدد معاش مقرر تھی۔ روزینہ کی فہرست میں امروہہ کے متعدد برہمنوں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً سنہ ۱۱۸۲ھ میں امروہہ کے حسب ذیل پنڈتوں کو مدد معاش میں اسلامی سلطنت کی جانب سے روزینہ ملتا تھا۔

رام کشن چوبے	مجن سکھ مصر	صاحب بداٹ	نندرام گجراتی	انگن برہمن	والی مصر	سکھا مصر
۲۰ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۰ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۴۰ دام

اس قسم کی مدد معاش بہت پہلے سے مقرر تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی بدستور ملتی رہی۔ مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کے افسانے تراشنے والے ذرا ان باتوں پر بھی نظر رکھیں، سلطنت اور رعایا کے ان تعلقات کو بھی تو دیکھو اور پھر جو دل چاہے کہو۔

جنہیں لے دے کے ساری داستان تاریخ دہرانا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

گوڑ برہمنوں میں پنڈت ہرپرام تیواری، پروہت جیدتی لال ساکنان محلہ چوک، چودھری مدن لال ساکن محلہ کوٹ، قابل تذکرہ ہیں۔ ان ہی میں جوشی بھی شامل ہیں۔ جوشی حقیقتاً جوتشی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان میں پنڈت گلاب سنگھ جوشی بی۔ اے سب جج پرتاب گڈھ اور ان کے بھائی پنڈت نند کشور جوشی وکیل امروہہ نامور ہیں۔ چترویدیوں میں چوبے بھاگوت داس ولد چوبے موہن لال کا خاندان ہے جو اپنے زمانہ کے بڑے ساہوکار تھے۔ ان کی ہنڈی چلتی تھی۔ ان کی نسل میں چوبے کنج بہاری ہیں جو ملکی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

۲۔ سارسوت برہمن:۔ ان کے بزرگ ابتداءً دریائے سرسوتی (پنجاب) کے قریب کے رہنے والے تھے اسلئے سارسوت کہلائے۔ ان میں بھی مختلف آل (خاندانوں) کے لوگ ہیں امروہہ میں ان کے تقریباً سات آل ہیں یعنی سنندھ، شوہری، کلسہ، پاٹھک، بھارت دواجی ترویدی اور جوتسی۔ ان کی تعداد بمقابلہ گوڑ برہمنوں کے بہت کم ہے یعنی امروہہ میں تقریباً تین سَو کی تعداد ہے جو زیادہ تر محلہ کالا کنواں، بڑا بازار اور چوک وغیرہ میں رہتے ہیں۔ محلہ کالا کنواں پر پنڈت کامتا پرشاد اور ان کے فرزند پنڈت گیا نند اور محلہ جاٹ بازار میں ڈاکٹر جنیدی پرشاد اور ان کے بھائی حکیم روپ کشور ان میں نامور ہیں۔ ڈاکٹر جنیدی پرشاد ترویدی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے فرقہ کی قدامت پسندی کے خیالات کے خلاف سمندر پار جاکر انگلستان سے D.P.H. (ڈپلوما آف پبلک ہیلتھ) کی سند حاصل کی۔ فی الحال کانپور میں ہیلتھ آفیسر کے

عہدہ پر مامور ہیں۔

۲۔ کان کبج برہمن ان کا نکاس قنوج سے ہوا سلئے کان کبج کہلائے۔ ان کی تعداد امروہہ میں بہت کم ہے۔ ان میں ایک شخص جوگل کشور ساکن محلہ منڈی چوب ایام غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے نامور طبیب تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا مگر شعر ایسا کہتے تھے کہ بظاہر موزوں ہوتا تھا مگر مطلب خبط۔ یہ شعر ان کا مشہور ہے سے

اس کے غم میں مجکو اک رونا بہانا ہو گیا — اشک جو آنکھوں سے نکلا جنبہ دانا ہو گیا

اس کے علاوہ گوتم اور گجراتی برہمنوں کے بھی چند گھر امروہہ میں ہیں جو محلہ کوٹ و کالا کوئیاں میں ساکن ہیں۔

اس کے علاوہ ڈپٹے بھی امروہہ میں ہیں جو برہمن ہونے کے مدعی ہیں لیکن برہمن ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت سے یہ نسل چلی۔ یہ لوگ عام طور سے جوتشی کا پیشہ کرتے ہیں اور خیرات لیتے ہیں۔

ویش ویشوں میں اگروال، گہنی، مہیسری، کھنڈیل وال خاندانوں کے لوگ امروہہ میں ساکن ہیں۔ ان میں کوئی خاندان یہاں زیادہ قدیم نہیں ہے۔ مہاجنی ساہوکاری اور غلہ وغیرہ کی تجارت ان کا عام پیشہ رہا ہے۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے اچھی دولت اور زمینداری و جائداد معافی پیدا کی۔ محلہ کوٹ کے اگروال ویشوں میں چند افراد نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

۱۔ اگروال :- ان کا نکاس اگروہہ (علاقہ ہریانہ) متصل ضلع حصار (پنجاب) سے ہے اسلئے اگروال کہلائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے قدیم وطن سے منتشر ہوئے۔ ان کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹرہ غلام علی، بیگم سرائے، بڑا بازار اور محلہ کوٹ میں ہے۔

کٹرہ غلام علی کے اگروال ویشوں میں لالہ ہند کشور ولد لالہ گنگا رام کا خاندان ہے۔ ان میں

ساہو ونکٹیش پرشاد امروہہ میونسپلٹی کے سب سے پہلے چیرمین اپنے عادات خصائل کے اعتبار
سے نیک نام و ہردل عزیز ہیں۔ اسی محلہ میں ڈاکٹر شیام سرن، لالہ بدھ سرجی وغیرہ میں بیگم سرائے
میں خزانچی نند کشور اور لالہ بابو لال کا خاندان ہے۔

محلہ کوٹ میں اگروال ویشیوں کے دو خاندان ہیں۔ پہلا خاندان لالہ جوہری مل کا ہے جو ایام
۱۸۵۷ء میں امروہہ کے متمول اور مشہور ساہوکار تھے۔ ان کے فرزند لالہ گوبند پرشاد کے
اولاد صلبی نہ تھی اسلئے ساہو دیوکی نندن کو جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، اپنا متبنیٰ کیا۔
ساہو موصوف کے بھی اولاد پسری نہیں۔ اسی خاندان میں لالہ جگموہن سرن اور لالہ برج
نندن پرشاد میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ اگروالوں کے اسی خاندان کی دوسری شاخ میں ساہو
بنواری سرن کا خاندان ہے جن کے لائق فرزند رام بلب سرن بی۔اے بی۔ٹی آنجہانی
غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ۹ر مارچ ۱۸۹۱ء میں
پیدا ہوئے اکیس سال کی عمر میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کی سند حاصل کی
انگریزی علم ادب اور اقتصادیات (Political Economy) کے ساتھ عربی فارسی
ان کے مضامین میں داخل تھی۔ درس تدریس سے خاص دلچسپی کی بنا پر ہندو اسکول امروہہ
کی ہیڈ ماسٹری کا عہدہ قبول کیا، ایل۔ٹی کا امتحان بھی پاس کیا اور اپنے فرائض کو نہایت
خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ وسیع الخیال اور ہندو مسلم اتحاد کے عملاً حامی تھے۔
افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ عین عالم جوانی میں ۱۷ر اگست ۱۹۲۱ء کو عالم آخرت کو کوچ کیا۔
ان کے دونوں بھائی ساہو بابو رام اور ساہو برج موہن بھی اپنے کاروبار میں ہوشیار ہیں
اسی خاندان میں ڈاکٹر پریم ناتھ اور بابو سوم ناتھ بی۔اے پسران لالہ بھولا ناتھ اور بابو رام
کشن بی۔اے ایل ایل بی، وکیل امروہہ انکے برادر حقیقی بابو کشوری لال بی۔اے ایل
ٹی بھی ذی لیاقت ہیں۔ لالہ منا لال اور لالہ بدری پرشاد بھی اسی خاندان سے ہیں۔
محلہ کوٹ میں اگروال کا دوسرا خاندان بابو رام سروپ پروفیسر کرسچن ٹریننگ کالج

لکھنو کا ہی انکے بھائی بھی محکمہ جنگلات میں کنسرویٹر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

۲۔ گھیئی:۔ ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک روایت یہ ہی کہ گھی کا روزگار زیادہ کرنے سے اور دوسرے یہ کہ ویشیوں میں گہنیا ہیں اسلئے گھیئی کہلائے یہ لوگ زیادہ تر محلہ کالی گڑی، کالاکنواں اور چوک میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض خاندانوں نے دادوستد کے کاروبار کی بدولت جائداد معافی و زمینداری بھی پیدا کرلی ہی۔ ان میں لالہ جھبالال ولد لالہ جیا کھتہ منیجر ہندو اسکول، انکے برادرزادہ لالہ مدن موہن میونسپل کمشنر، لالہ جوگل کشور ولد لالہ کنہئی لال انکے بھائی لالہ بحث بہاری، لالہ رگھبیر سرن بی اے ایل ایل بی آنریری اسسٹنٹ کلکٹر لالہ موہن چند پسران لالہ بالک رام، لالہ مہابیر پرشاد ولد لالہ جھاؤمل و لالہ جگت نرائن ممتاز ہیں۔ محلہ کوٹ میں گھیئی ویشوں کا ایک خاندان لالہ ملپام کا جن کی اولاد میں بابو بنزاری لال قانون گو اور بابو رام سیکرٹری آریہ سماج اور لالہ جگدیش سرن ہیں۔

۳۔ مہیشری:۔ ان کا نکاس رہتاس گڈھ سے بتایا جاتا ہی۔ زیادہ تر یہ لوگ ٹبا بانار اور جاٹ بازار میں رہتے ہیں۔ لالہ نانک چند میونسپل کمشنران میں نامور ہیں

۴۔ کھنڈیل وال:۔ ان کا نکاس بھرت پور سے ہی۔ امروہہ میں ان کی تعداد کم ہی اور زیادہ تر محلہ کوٹ میں ساکن ہیں۔ ان میں ایک نوجوان گریجویٹ ہی[۱]۔

کھتری

کھتریوں کا شمار بعض لوگ ویشوں میں کرتے ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہی کہ راجپوت مرد اور ویش عورت سے جو نسل چلی وہ کھتری کہلائی۔ یہ لوگ زیادہ تر کوچہ کھتریان، بڑا بازار میں ساکن ہیں، ان میں ٹنڈن وغیرہ کئی اہل کے لوگ ہیں۔ مہاجنی، کپڑے و غلہ وغیرہ کی تجارت عام پیشہ ہی۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے کافی جائداد بھی پیدا کی ہی۔ لالہ انند سروپ آنریری مجسٹریٹ اور انکے برادرزادہ لالہ رام رام لالہ منگل سین میونسپل کمشنران میں متمول اور نمودار ہیں۔

---

[۱] ضمیمہ مہو ٹرس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۲۹۹۔

جاٹ

اس قوم کے نسب کے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض ان کو راجپوتوں کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ غیر آرین ہیں، بعض ان کو انڈو سیتھین (Indo Scythian) کہتے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ گڈھ غزنی (کابل) سے ہندوستان آئے۔ غزنی میں یوتی Yue-chi نام ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانہ میں وہاں سے ہندوستان آئی [۱] عربی تاریخوں میں بھی "زط" یعنی جٹ قوم کا تذکرہ ملتا ہے جو قدیم زمانہ میں جنوبی ایران سے عراق عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے جاٹوں کی خاندانی روایتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نکاس گڈھ غزنی سے ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی صحیح ہو ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی دیس والے اور پچھادے۔ امروہہ اور یہاں کے قرب وجوار کے جاٹ زیادہ تر پچھادے ہیں یعنی پچھم سے آئے ہوئے۔ پنجاب میں جاٹوں کا زیادہ حصہ مسلمان ہے۔ امروہہ میں پہلے ان کی آبادی زیادہ تر جاٹ بارہ میں تھی جسے اب جاٹ بازار کہا جاتا ہے۔ یہاں ناظر (بعد میں راجہ) گور سہائے والد ہربت سنگھ کی سکونت بھی تھی۔ بعد میں یہ لوگ مراد آباد جا رہے۔ اب ان جاٹوں کی آبادی زیادہ تر محلہ قریشی میں ہے۔ ان میں چودھری ہیت رام اور چودھری منگل سین نمودار ہیں۔

کائستھ

کائستھوں کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ منو جی کے قدیم تقسیم اقوام کے مطابق کائستھوں کا شمار ان چار ذاتوں یعنی برہمن، چھتری، ویش اور شودر میں سے کسی میں نہیں ہوتا لیکن جو لوگ ان کا شمار شودروں میں کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں [۲] کائستھ ہندوستان کی شریف قوم ہیں ان میں سے سورج وج خاندان کچھ عرصہ امروہہ پر حکمراں رہا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب پرسرام نے چھتریوں کی نسل کا قلع قمع کر دیا تو ان کی حاملہ عورتیں غنیم کے خوف سے مفرور اور روپوش ہو گئیں اور جو بچے ان سے پیدا ہوئے وہ کائستھ یعنی جسموں کے اندر چھپے ہوئے کہلائے۔

---

[۱] میموائرس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۱۳۳ — [۲] "جواہر مالا" کے مصنف نے کائستھوں کا شمار شودروں میں کیا ہے۔

کائستھ کا لفظ سنسکرت زبان کے الفاظ [illegible] بمعنی جسم اور [illegible] باقی یا پوشیدہ سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی قابل قبول ہو یہ قوم ذہانت اور علم و دانش میں ایک نامور اور ممتاز قوم ہے۔ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں دفاتر اور دارالانشاء کا کام زیادہ تر اسی قوم کے افراد کرتے تھے۔ ان میں صدہا اشخاص فارسی کے خوش استعداد ادیب شاعر اور عالم ہوئے، عربی و فارسی کی تعلیم ان میں عام تھی۔ اکثر کائستھ خاندانوں کے افراد اسلامی دینیات قرآن شریف وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے، مشائخ اور اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے اور بعض اسلامی طرز سے عبادت بھی کرتے تھے۔ امروہہ کے بعض کائستھ خاندانوں کو حضرت قطب عالم شاہ اعز الدینؒ اور شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت تھی۔ نصف صدی پیشتر تک یہ لوگ ان حضرات کے عرس کا انتظام بھی اچھے پیمانہ پر کرتے تھے اور بعض اب بھی کرتے ہیں۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے کائستھوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اور مغربی طرز معاشرت کے اختیار کرنے میں بہ نسبت اور اقوام کے فوقیت حاصل کی ہے۔ امروہہ کے کایستھوں میں بھی بعض افراد نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور اچھے عہدوں پر مامور ہیں۔

کایستھوں میں بھی ہندوؤں کی اور قوموں کی طرح متعدد شاخیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں:۔ ماتھر، بھٹناگر، سکسینہ، سورج دھج، سریباستب، گور، کرن، نگم، بالمیک، اشٹ، اینھانہ، کالسرشٹ، ان میں اول الذکر چار خاندانوں کے لوگ امروہہ میں آباد ہیں۔

۱۔ ماتھر کایستھ:۔ ماتھر کائستھوں کا نکاس متھرا سے بیان کیا جاتا ہے اسلئے ماتھر کہلائے۔ ان میں بھی یہاں تین خاندان ہیں ایک خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک کا دوسرا

(گذشتہ سے پیوستہ)

کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک شخص بہوتی دت نامی اپنے فرائض کی بجا آوری میں ایسا ہوشیار اور کارگذار تھا کہ جس شاہزادے کا ملازم تھا اس نے "کایستھ" کا خطاب اسے دیا۔ سنسکرت میں "کے" کے معنی "گھر" کے اور "ستھتی" کے معنی توطن پذیر ہونے کے تھے۔ خاکسار مؤلف کو اس توجیہ سے اتفاق نہیں ہے۔ (میموائرس سر ہنری ایلیٹ)

ٹرہ تلے والے کائستھوں کا، تیسرا خاندان ساکنان محلہ کالاکنواں کا۔

خاندان قانون گویان کے مورث لالہ متھرا داس ولد لالہ رام داس بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر دہلی سے امروہہ آئے اور تیرہ مواضعات پرگنہ امروہہ کے عہدۂ "چودھرائی و قانون گوئی و مقدمی" پر مامور ہوئے۔ لالہ متھرا داس کے دو فرزند ہوئے لالہ پرمانند اور لالہ سری رام یہ دونوں بھائی بعد وفات اپنے والد لالہ متھرا داس کے حسب فرمان شہنشاہ نور الدین جہانگیر مجریہ ۲۷ ماہ ابان سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۱ھ خدمت آبائی "یعنی" چودھرائی و قانون گوئی و مقدمی پر مامور رہے۔ لالہ سری رام کو سنہ ۱۰۲۵ھ میں ایک سو بیگھہ آراضی معافی حسب فرمان مندرجہ ذیل نسلاً بعد نسل مدد معاش میں عطا ہوئی۔ اللہ اکبر۔

> دریں وقت میمنت اقتران فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار و عز ایراد یافت کہ موازی یک صد بیگہ زمین یک حصہ مزروع و سہ حصہ افتادہ از موضع سر رام پور بیٹہ تودہ من اعمال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل از ابتدائے خریف اودئیل در وجہ انعام سری رام با فرزندان حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ ماحصلات آں را فصل بفصل و سال بہ سال در وجہ معیشت خود خرچ و صرف نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال نمودہ باشند می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار ایں حکم اقدس و اعلیٰ کوشیدہ آراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف مشار الیہم بازگذاشتہ اصلاً تغیر و تبدل بداں راہ نہ دہند......... الخ۔
>
> تحریر بتاریخ غرہ اُردی بہشت ماہ الٰہی سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۵ھ۔

لالہ سری رام کی اولاد امروہہ میں نہیں ہے ان کے بھائی لالہ پرمانند کی نسل میں قانون گوئی کا

۱؎ رائے بہادر بابو شیو نرائن آنجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر میں بیان کیا ہے کہ لالہ پرمانند کے فرزند برج ناتھ داس "آخر زمانہ شاہجہاں اور شروع زمانہ اورنگ زیب بادشاہ میں وزیر تھے"۔ اس عہد کی مستند کتب تاریخ مطبوعہ و قلمی موجود ہیں اور تقریباً تمام کتب خاکسار مؤلف کے زیر مطالعہ رہی ہیں لیکن ان میں

عہدہ متوارث ہوگیا اور اسی وجہ سے یہ خاندان "قانون گویوں" کا خاندان مشہور ہے۔ ان میں لالہ محکم سنگھ قانون گو تھے جو رائے بہادر بابو شیو نراین کے اجداد میں چھٹی پشت میں ہوئے ہیں ان کے نام سے "محکم سرائے" آج تک مشہور ہے۔ لالہ محکم سنگھ کے فرزند لالہ شیام لال، ان کے فرزند لالہ جواہر لال اور ان کے فرزند لالہ جے گوپال ہوئے یکے بعد دیگرے آبائی عہدے پر مامور رہے۔ آخر الذکر ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے قانون گو تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں دوسرے قانون گو مہر پرشاد تھے جو خاندان ساکن محلہ کالا کنوئیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی شہادت بھی سید شبیر علی خان کے خلاف مقدمۂ بغاوت میں ہوئی تھی۔ لالہ جے گوپال کے دو لائق فرزند تھے لالہ چھید الال اور بابو جگت نراین۔ اول الذکر ابتداءً شکوہ آباد کے منصف اور بعد میں سب جج رہے۔ ان کے دو ہی فرزند ہوئے یعنی رائے بہادر بابو شیو نراین اور بابو دھرم نراین۔ رائے بہادر موصوف حکومت کے خیر خواہ، نیک نام رئیس، درباری، اسپیشل مجسٹریٹ درجۂ اول، چیرمین امروہہ میونسپل بورڈ، اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے ہر دل عزیز تھے۔ مفاد عامہ کے کاموں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ صرف کرتے تھے، ان ہی خدمات کے اعتراف میں انکو ۱۹۲۰ء میں "رائے بہادر" کا خطاب حکومت نے عطا کیا۔ ۱۹۲۴ء میں انتقال ہوا۔ ان کے لائق

(گذشتہ سے پیوستہ)

کوئی تذکرہ لالہ برجناتھ کی وزارت یا کسی اعلیٰ منصب پر مامور ہونے کا نہیں ملا۔ ایک دوسری مطبوعہ انگریزی تحریر میں بیان کیا گیا ہے کہ رائے بہادر موصوف کے اجداد شاہان مغلیہ کے عہد میں خطاب یافتہ اور جاگیر دار تھے۔ اس کا بھی خاکسار مؤلف کو کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملا اور نہ کوئی فرمان دکھلایا گیا۔ "قانون گوئی" وجود ہرائی د متقدی" کا عہدہ دار تو منصبدار بھی نہیں ہوتا تھا اور خطاب صرف اعلیٰ منصبدار کو عطا ہوتا تھا اور جاگیر بھی منصبدار کو ملتی تھی۔ ملک مدد معاش اور معافی جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "سیورغال" کہتے تھے البتہ اس قسم کے عہدہ داروں کو دی جاتی تھی مثلاً ملک مندرجہ فرمان موسومہ لالہ سریرام ہندوستان کے اکثر مقامات پر کائستھ خاندان کے افراد عہد حکومت اسلامی میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور رہے ہیں۔ کفایت شعاری و سلامت روی سے اکثر نامناقل ابھی تک ......

دو ہونہار فرزند بابو کاشی نرائن بھی ذی لیاقت اور ہر دلعزیز ہیں۔ رائے بہادر کے برادر حقیقی بابو دھرم نرائن ذی لیاقت و خوش اخلاق ہیں، علی گڈھ کالج کے ابتدائی دور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں کلکٹری مرادآباد میں کچھ عرصہ عہدہ دار رہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ مرادآباد کے چیرمین منتخب ہوئے تین سال تک عمدگی سے ان خدمات کو انجام دیا۔ آج خانہ نشین ہیں۔ انکے ایک صاحبزادے برج نرائن سلمہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں • سنہ ۱۹۲۵ء میں بی۔ اے کی سند حاصل کی۔

بابو چھیدا لال کے بھائی بابو جگت نرائن باوجود متمول اور ذی مقدرت ہونے کے محض دلچسپی کے لحاظ سے اپنے موروثی عہدۂ قانون گوئی کا کام بذات خود انجام دیتے رہے۔ امروہہ میں بڑے نیکنام اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے بھی دو ہی فرزند ہوئے بابو ہر نرائن اور بابو رام نرائن۔ بابو ہر نرائن صاحب سنہ ۱۹۱۳ء میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے، سنہ ۱۹۲۵ء سے اسپیشل مجسٹریٹ ہیں۔ میونسپل اور پبلک معاملات سے دلچسپی ہے۔ اپنے اصول کے پابند اور فرض شناس ہیں امسال رائے بہادر خطاب ملا ہے۔

دوسرا قدیم اور ذی وجاہت خاندان ٹرتلے والے ماتھر کایستھ صاحبان کا ہے۔ خاکسار مؤلف نے اس خاندان کے دیرینہ کاغذات دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً صاحب تاریخ اصغری کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں، وہ اس خاندان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔ [1]

> اگرچہ کوئی شجرہ یا فہرست یا فرمان دستیاب نہیں ہوا مگر بعض اولاد رائے بختاور سنگھ سے سنا گیا کہ مہیا رام جن کے باپ صورت سنگھ ملقب بہ کروری تھے سہارنپور سے امروہہ میں آئے جس کو تخمیناً ساڑھے تین سو برس کا عرصہ ہوا بیٹے ان کے دولت رائے دفتر بادشاہی کے افسر مقرر رہے اور حسن خدمت کے صلہ میں یہ خطاب رائے سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے رائے بختاور سنگھ جن کے نام سے بکلہ مشہور ہے، وکیل بادشاہ ہوئے اور رائے کا خطاب پایا۔ انکے پانچ بیٹے ہوئے، ایک رائے سلامت سنگھ دوسرے راؤ نعمت سنگھ تیسرے راحت سنگھ چوتھے امانت سنگھ پانچویں ٹیک رائے۔ یہ پانچوں بھائی بادشاہ کی معزز نوکریوں پر تھل

رسالداری وغیرہ کے مامور رہے۔ نعمت سنگھ کو راؤ کا خطاب ہوا اور عہدہ نواب وزیر بہادر میں رائے سلامت سنگھ نے پچیس برس تک بجوئی وغیرہ کی تحصیلداری کی اور امان سنگھ کو کام سائر کا ملا اور عملداری صاحبان عالی شان (ایسٹ انڈیا کمپنی) میں بھی اکثر لوگ اس خاندان کے عمدہ عمدہ عہدوں پر متقرر ہوتے رہے الخ"۔[1]

موجودہ زمانہ میں بھی بابو چھیل بہاری لال بی اے۔ عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اب کسی ریاست میں دیوان ہیں، پرانی تہذیب کا نمونہ اور با اخلاق شخص ہیں۔ بابو شیو ناتھ سنگھ اور بابو گلشن بہاری مختار عدالت اسی خاندان میں ہیں۔ منشی سنگن لال بھی جو کچھ عرصہ سے داد و ستد کا کاروبار کرتے ہیں اسی خاندان سے ہیں۔

تیسرا خاندان ماتھر کائستوں کا محلہ کالا کوئیں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث لالہ گھنشیام داس[2] عرف ٹھاکر کنہا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدائے عہد مغلیہ میں امروہہ کے عہدۂ قانون گوئی پر مامور تھے اور ۲۰ مواضعات ان کے حلقۂ قانون گوئی میں شامل تھے[3]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۸۔ [2] ان کا نام تاریخ اصغری نے لالہ کہن راج عرف ٹھاکر کنہا تحریر کیا ہے۔ [3] بابو بھگوتی سہائے وکیل امروہہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث ٹھاکر گھنشیام داس نے جو متھرا میں سکونت رکھتے تھے، ہمایوں بادشاہ کو اس وقت کہ شاہ موصوف شیر شاہ سور سے شکست کھا کر سندھ جاتے ہوئے متھرا سے گذر رہے تھے مدد دی تھی جس کے صلہ میں اس بادشاہ نے ہندوستان پر دوبارہ تسلط کرنے کے بعد ۱۵۵۵ء میں ٹھاکر گھنشیام کو امروہہ میں ۲۰ مواضعات جاگیر میں دیئے اور عہدۂ قانون گوئی پر مامور کیا۔ عطائے جاگیر کا کوئی فرمان نہیں دکھایا گیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات جاگیر میں نہیں دیئے گئے تھے بلکہ ان مواضعات کی قانون گوئی پر ان کا تقرر ہوا تھا۔ قانون گو کے پروانۂ تقرری میں مواضعات کی تفصیل درج ہوا کرتی تھی، فارسی تحریر سے ناواقفیت کی بنا پر ان مواضعات کو جاگیر سمجھ لیا گیا۔ قانون گو کے کسی عہدہ دار کو ایسی بڑی جاگیر کا دیا جانا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ علاوہ ازیں ۱۵۴۲ء جس میں یہ جاگیر عطا ہونا بیان کی جاتی ہے، مطابق ہوتا ہے ۹۴۹ھ سے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا تھا

بابو بھگوتی سہائے بی-اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اس وقت جبکہ کتاب کی طباعت کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا عہد جہانگیری کا اصل فرمان خاکسار مؤلف کو دکھایا جس کے ذریعہ ان کے اجداد میں سے سندر داس اور مہر رائے پسران رگھو داس کو بارہ مواضعات کا عہدہ چودھرائی و مقدمی اور پرگنہ امروہہ کا عہدہ قانون گوئی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوا تھا۔

فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس خاندان کے مورث جو ابتداً ان عہدوں پر مقرر ہوئے "گھنشام داس عرف ٹھاکر کہنا" نہیں تھے بلکہ ان کا صحیح نام رگھو داس تھا۔ نیز عہدۂ چودھرائی و مقدمی کے مواضعات کی تعداد ۲۵ نہیں بلکہ صرف ۱۲ تھی۔ ان بارہ مواضعات کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "پتہ کنہال" سے موسوم کیا جاتا تھا۔ چونکہ اس فرمان کی عبارت سے خاندان کایستھ صاحبان ساکنان محلہ کالا کنواں کے خاندانی حالات پر یک گونہ روشنی پڑتی ہے اسلئے فرمان مذکور کے اندراج کی بدقت تمام ایک صورت نکالی گئی:-

چوں خدمت چودھرائی و مقدمی پتہ کنہال و قانون گوئی پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل که دوازده مواضع از پتہ مذکور حسب الضمن برگھو داس قانون گوئی متعلق بوده چنانچہ دریں باب اسناد معتبر فرزندان او بدست دارند در ینولا سندر داس و مہر رائے پسران موی الیہ بدرگاہ گیتی پناہ آمده منظر اشرف اقدس اسلی

گذشتند و بعرض مقدس رسید که راگهوداس فوت شد حکم جهان مطاع گردید
ارتفاع بلیه[1]............ به پدر آنها متعلق بوده بشار الیها مفوض و
مرجوع بوده باشد که کماینبغی بلوازم مذکور قیام و اقدام نموده در آبادانی و
[2]............ سعی و دولت خواهی بجا آورند و نگذارند که در پته مذکور رعایه
و ستم شریکی واقعه شود - الخ -

پشت فرمان پر حسب ذیل عبارت مع تفصیل مواضعات پته کنهان درج ہے

تفصیل مواضع پته کنهان بموجب یادداشت بدستخط جدة الملکی مدار المهامی
اعتماد الدوله آنکه یادداشت چون مواضع ذیل از اعمال پرگنه امروهه را که پته کنهان
نام است به راگهوداس چودهرائی و مقدمی آن مواضع و قانون گوئی امروهه سرکار
سنبهل تعلق داشته چنانچه اسناد معتبر بدست دارند.........
سال بسال .... اعلی اشرف همبرین منوال صورت می
یافته است درین ولا که مشار الیه ودیعت حیات سپرده سندرداس وهرراے
فرزندان مشار الیه بدرگاه معلی آمده حکم شد که تعلقات مواضع مذکور بدستور سابق
به سندرداس وهرراے فرزندان موصی الیه و اولاد مقرر و مسلم دارند - شرح
حاشیه بدستخط جدة الملکی مدار المهامی - اسناد خود را بنظر در آورده بر طبق آن فرمان
عالی شان درباب چودهرائی مواضع مذکوره مرقوم سازند -

دوازده مواضع با مزرعه متعلقه پته کنهان :-
(۱) کهسوپور (۲) موهن پور (۳) عسکری پور (۴) رامپور (۵) نصیرپور با مزرعه شیام پور
(۶) محمود پور (۷) بشهله (۸) مسعود پور (۹) رائے پور (۱۰) داس پور (۱۱) لماتا -
(۱۲) دولپه [illegible]

---

[1] و [2] کاغذ دریده -

...لینا کے پوتے کی شادی خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک میں ہوئی تھی' وہ اپنا نابالغ لڑکا ...فوت ہو گئے تھے' زمانۂ نابالغی میں تمام کام ننھیال والوں نے کیا' بالغ ہونے پر جب انھوں نے اپنا کام واپس چاہا تو ننھیال والوں نے حق پرورش کا استغاثہ عہد جہانگیر میں کیا اس وقت ننھیال والوں کی خدمت کا لحاظ کر کے قانون گوئی کے مواضعات نصف نصف ان دونوں خاندانوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ یہ روایت بابو بھگوتی سہائے بی۔اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں قلمبند کر کے بھیجی ہے مگر خاندان قانون گویان کے اس فرمان عہد جہانگیری کے مضمون کے لحاظ سے' جس کا حوالہ کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے' یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال واقعات جو کچھ بھی ہوں قانون گوئی کا عہدہ اس خاندان میں بھی عرصۂ دراز تک رہا۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لالہ سمیر پرشاد قانون گو اس خاندان کے تھے' ان کے فرزند لالہ سنت پرشاد بھی قانون گو رہے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی خاندان میں منشی من موہن لال بوقت ضبطی ملک اودھ لکھنؤ میں سرشتہ دار تھے' اس خاندان کے اور لوگ بھی حکومت انگریزی کے اچھے اچھے عہدوں پر مامور رہے ہیں موجودہ زمانہ میں بابو گوبند سروپ جج' بابو گوپال سروپ ڈپٹی کلکٹر' رائے صاحب جمید الال دیوان ریاست ناگود' جن کے چھوٹے بھائی بابو بھگوتی سہائے امروہہ میں وکالت کرتے ہیں' اس خاندان میں نامور ہیں۔

سکسینہ کائستھ :- ان کی آبادی زیادہ تر محلہ منڈی چوب میں ہے۔ ان میں اکثر لوگ پٹواری

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور سلطان فریدخان الملقب بہ شیر شاہ سریر آرائے سلطنت تھا اس سے پندرہ سال بعد ہمایوں ہندوستان واپس آیا ہے۔ ٹھاکر موصوف نے ہمایوں بادشاہ کی کوئی بڑی خدمت کی ہوتی جس کے صلہ میں وہ ۱۰۵ مواضعات کی جاگیر کے مستحق ہوتے تو قانون گوئی جیسے معمولی عہدہ کی بجائے ان کو کوئی بڑا منصب عطا ہوتا۔ اس اعتبار سے یہ روایت بھی ان روایتوں میں سے معلوم ہوتی ہے جو امروہہ کے ہندو مسلمانوں کے اکثر خاندانوں میں تعزز خاندانی کے سلسلہ میں مشہور ہیں لیکن کوئی تاریخی حیثیت ان کو حاصل نہیں۔

ہوتے تھے میں اور اب بھی ہیں جن میں لالہ بھولا ناتھ، اور لالہ دلواری لال وغیرہ منودار ہیں۔

بھٹناگر کائستھ ان کا نکاس بھٹنیر سے ہو اسلئے بھٹناگر کہلائے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ سے اس قوم کے لوگ مسلمان بادشاہوں کے دفاتر میں ملازم رہے۔ سلطان موصوف کے فرزند نصیر الدین قراخان کی عنایت اس قوم کے بعض اشخاص پر مبذول رہی صوبہ بنگال کی عنان حکومت جب اس شہزادہ نے اپنے ہاتھ میں لی بھٹناگر کائستھوں کے متعدد اشخاص اس کی ملازمت میں تھے۔ بعض مقامات پر اس قوم کے لوگوں نے قانون گوئی وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔ شراب خوری کا رواج ان میں زیادہ تھا۔ امروہہ میں یہ خاندان بھاگیرت ٹولہ میں ساکن ہے۔ ان میں بھی لوگ پٹواری رہے ہیں۔ لالہ روشن لال تھانہ دار ان میں منودار تھے۔

اہیر براہما پُران میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ چھتری مرد اور دیش عورت کی نسل سے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ اہیر راجپوتوں کی اُس یادوبنسی شاخ سے نکلے ہیں جن کا پیشہ مویشی چرانے کا تھا۔ رامائن و مہابھارت میں اہیرا (Abhiras) کا ذکر آتا ہے۔ دریائے تاپتی سے دیوگڈھ قطعات زمین کو اہیرانہ مویشی چرانے والوں کا ملک کہا جاتا تھا۔ ابتداً اس قوم کو سیاسی اقتدار بھی حاصل رہا۔ فرشتہ اور خزانہ عامرہ میں قلعہ اہیر گڈھ کو ان کی راجدھانی بتایا اور کہا گیا ہے۔ الغرض ان کی تین بڑی شاخیں ہیں نند بنس یادو بنس اور گوال بنس۔ امروہہ میں یادوبنسی اہیروں کی آبادی ہے جو زیادہ تر متصل محلہ نوگزہ رہتے ہیں اور کچھ اہیر محلہ سرائے وغیرہ میں آباد ہیں۔ روساء اور زمینداروں کے یہاں ملازمت زور بیلی بانی کی خدمت کرنا ان کا عام پیشہ رہا ہے۔

کاشتکاری پیشہ اقوام ہندوؤں کی کاشتکاری پیشہ اقوام میں کاچھی (باغبان) اور لودھ قوم کے لوگ ہیں۔

کاچھی: یہ قوم نہایت محنتی قوم ہے اور ہندوستان کے بڑے

حصہ میں باغبانی وغیرہ ان کا موروثی پیشہ ہے۔

لودہ:۔ یہ بھی کاشتکاری پیشہ ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں، ایک یہ چھتری عورت اور اہیر مرد کی نسل ہیں دوسرے یہ چھتری مرد اور نیچ قوم کی عورت کی اولاد ہیں۔

شودر اقوام

۱۔ **بھڑبھونجا:۔** ان کے متعلق روایت ہے کہ کہار مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان میں بھی سات کوری یا شاخیں بیان کیجاتی ہیں یعنی کنوجیا، سکسینہ اور اترایا وغیرہ امروہہ میں یہ لوگ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ تعداد بھی مختصر ہے۔

۲۔ **ہندو حلوائی:۔** ان میں مختلف گوتر ہیں یعنی چھیلا، بکرا، دوبے، کنوجیا، تلیھو تجا وغیرہ امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور اپنا پیشہ کرتے ہیں۔

۳۔ **دھوبی:۔** دھوبیوں میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی گہیا، کنوجیا، مگھیا، سیلوار، باتھم سری باتھم، ہیرکا، اجودھیا اور گوسر۔ امروہہ میں دھوبی زیادہ تر گہیا گوتر کے ہیں۔ ہیرکا گوتر کے تین چوتھائی دھوبی مسلمان ہیں جو زیادہ تر لکھنؤ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں امروہہ میں صرف دو چار دھوبی مسلمان ہیں جو حال ہی میں باہر سے آگئے ہیں ورنہ زیادہ تر ہندو ہیں۔ ان کے عورت اور مردوں کی اخلاقی حالت بھی پست ہے۔ شراب نوشی کا بھی ان میں رواج ہے۔

۴۔ **چمار:۔** بڈما، درایا اور برتھا ویورتا وغیرہ، ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ملاح اور چنڈال عورت سے جو نسل چلی وہ چمار کہلائی۔ ان کی بھی سات گوتر بیان کی جاتی ہیں یعنی جتوا، کیان، کورل، جلیوارہ، جھوسیا، برہیریا اور کوری یا کوجرا۔ آخر الذکر زیادہ تر اودھ میں ہیں اور جولاہہ کا پیشہ کرتے ہیں۔ چماروں کا عام پیشہ چمڑے کا کاروبار ہے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے یہ قوم سیاہ فام بیان کی گئی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندمی رنگ چمار اور سیاہ فام برہمن شاذ ہوتا ہے۔

कोरिया ब्राह्मन और चमार । इनके साथ न उतरिये पार

مرورِ ایام مختلف اقوام کے میل سے ان کے بعض افراد کے رنگ و روغن میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ امروہہ کے مختلف مقامات پر کنارہ آبادی ان کی سکونت ہے۔

۵۔ بھنگی:۔ پرانوں میں کہا گیا ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی اولاد بھنگی کہلائی۔ ہندوستانی قومیت کا سب سے ادنیٰ عنصر یہی مظلوم قوم ہے۔ مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہیں یعنی بھنگی، لال بیگی، خاکروب، حلال خور، مہتر، چوہڑا وغیرہ۔ ان میں جو لوگ اپنے ہندو آباؤ اجداد کے طریقہ پر رہے وہ لال گرو کی پوجا کرتے ہیں اور جو مسلمانوں کے تمدنی اثرات میں آ گئے لال بیگ کو مانتے ہیں۔ ان میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی بنی وال، بیلپروار، ٹانک، گہلاٹ، کھوکی، گاگرا، ہمروہی، چنڈالیہ، سرساوال، سرپیار۔ بھنگی بھی چند قوموں مثلاً ڈھانک، سیکری، راوت اور ہیلوں کو اپنے سے نیچ سمجھتے ہیں۔

مذہباً بھنگی نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ بعض رسمیں مسلمانوں کی انھوں نے اختیار کر لی ہیں۔ مردوں کا دفن کرنا، لال بیگ کے نام کی قربانی کرنا اور مردوں کے تیجے کی رسمیں ان میں عام ہیں۔ عشق و محبت کے جذبہ کی قوت نے ہندو مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ اور اونچی ذات کے بعض لوگوں کو سوسائٹی کے قواعد توڑنے پر بارہا مجبور کیا ہے۔ آج بھنگیوں میں خوبصورتی کے جو نمونے نظر آتے ہیں وہ ان ہی تعلقات کا نتیجہ سمجھیے۔ یہ لوگ بھی شہر کی آبادی کے کنارے ہر چہار طرف آباد ہیں۔ بڑے خدمتی اور محنتی ہیں۔ ان کے علاوہ کوٹے، کمہار وغیرہ یہاں آباد ہیں۔

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں امروہہ کے مسلمانوں کی تعداد ۲۸۵۶۰ تھی، جن میں مرد ۱۴۰۳۴ اور عورتیں ۱۴۵۲۶ شامل ہیں۔ بہ اعتبار نسب مسلمانانِ امروہہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی عربی النسل، عجمی النسل اور ہندی الاصل۔

عربی النسل

ان میں بھی تین مختلف شاخوں کے لوگ امروہہ میں ہیں یعنی ہاشمی، قریشی اور انصاری۔ ہاشمیوں اور قریشیوں کے تو یہاں متعدد خاندان ہیں لیکن صحیح النسب انصاریوں کے صرف چند گھر ہیں۔

سادات بنی ہاشم:۔ امروہہ میں جتنے ہاشمی ہیں وہ سب ایک ہی دادا یعنی جناب عبدالمطلب کی نسل سے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جناب ہاشم کے فرزندوں میں سوائے عبدالمطلب کے اور کسی کی نسل دنیا میں باقی نہیں۔

لیس فی الارض هاشمی الا من ولد عبد المطلب بن هاشم [1]	سوائے اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کے دنیا میں اور کوئی ہاشمی نہیں۔

جناب عبدالمطلب کے بھی صرف دو بیٹوں یعنی جناب ابو طالبؑ و حضرت عباسؓ کی نسل میں سے چند خاندان یہاں ہیں یعنی اولاد حضرت علیؑ، اولاد حضرت عقیلؓ، اولاد حضرت جعفر طیارؓ ابنائے جناب ابو طالب اور اولاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔

بہ اعتبار حسب و نسب اہل عرب میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے بنو عبدالمطلب کو جو شرف و فضیلت حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے:۔

خیر العرب مضر و خیر مضر قریش و خیر قریش بنو عبد مناف و خیر بنی عبد مناف بنو هاشم و خیر بنو هاشم بنو عبد المطلب والله ما افترق فرقتان منذ خلق الله آدم الا کنت فی خیرهما [2]	بہترین عرب کے بنی مضر ہیں اور بہترین بنی مضر کے قریش اور بہترین قریش کے بنو عبد مناف اور بہترین بنو عبد مناف کے بنو ہاشم اور بہترین بنو ہاشم کے بنو عبدالمطلب خداوند کریم نے جب سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور فرقے بنائے مجھکو بہترین فرقوں میں پیدا کیا۔
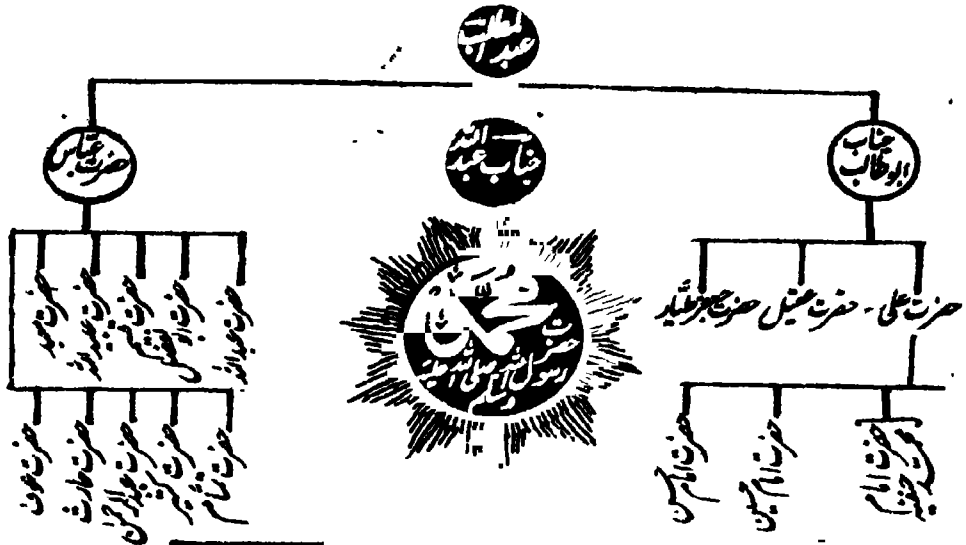
---

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۳۷۔

یہی خاندان، خاندان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہی لوگ اہل بیت و آل محمد ہیں، یہی خمس و ذوی القربیٰ کے مستحق ہیں اور ان ہی پر صدقہ و زکوٰۃ حرام ہے ؎

بسانِ محمد علیہ السّلام — زکوٰۃ است بر آلِ ہاشم حرام
پسند است ایں قوم را زاں شرف — کہ پاک اند چوں دُر بجوفِ صدف

ان ہی میں خواجہ کونین حضرت محمد مصطفےٰ امام الثقلین علی مرتضیٰؓ، سیدۃ النساء فاطمہ زہراؓ، سید الشہدا حضرت حمزہؓ، سید العرب و عم حضرت شفیع الناس حضرت عباسؓ، ذو الجناحین حضرت جعفر طیارؓ، افصح العرب حضرت عقیلؓ، سید شباب اہل الجنہ حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ

حبرالامۃ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ تھے۔ اس خاندان کا حسب و نسب بزرگی و شرف اظہر من الشمس ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ؎

نَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ شَجَرَۃُ النُّبُوَّۃِ ۞	ہم اہل بیت خانۂ نبوت کے ستون ہیں، ہمارا ہی گھر
مُخْتَلِفُ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَاَھْلُ بَیْتِ اللّٰہِ ۞	فرشتوں کی گذرگاہ تھا کہ یکے بعد دیگرے نزول کرتے
وَاَھْلُ الْبَیْتِ الرَّحْمَۃِ ۞	رہتے تھے۔ ہم رسول اللہ کے گھر والے ہیں۔ ہم
مَعْدَنُ الْعِلْمِ ۔[1]	رحمت و معدن علم کے اہل بیت ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔[2]

تعالی اللہ زہے قوم سرافراز	مقیمانِ حریم لطف و اعزاز
ازیشاں خانۂ دیں گشت پرنور	وزیشاں ملکِ احساں گشت معمور
فلک روشن ز نورِ رائے ایشاں	ملک بوسیدہ خاکِ پائے ایشاں
بود سر خیلِ ایں قوم مکرم	وصیِ سرورِ اولادِ آدم
علی مرتضیٰؓ کز رفعتِ قدر	سپہرِ شرع را شد چوں مہ و بدر
دگر آں نور چشم اہلِ بینش	حسنؓ مہرِ سپہرِ آفرینش
دگر از جملۂ ایشاں حسینؓ است	کہ مہرش مومناں را فرض عین است
دگر آں سیدِ اہلِ شہادت	کہ عم مصطفیٰ بود از سعادت[3]
دگر عباسؓ کو عمِ نبی بود	ز اربابِ حبر ایم اجنبی بود
دگر جعفرؓ کہ از غایاتِ اعزاز	نمایدر در بہشتِ عدن پرواز
دگر اولادِ ایں جمعِ گرامی	کہ ملکِ شرع را بودند حامی
علوئے قدرِ ایں قومِ شرفناک	بود برتر ز وصفِ عقل و ادراک
سلامے عطرساں چوں نافۂ چیں	درودے چوں نسیمِ صبحِ مشکیں

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۲۰۷ [3] یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نثارِ تربتِ پُر نورِ ایشاں قرینِ روضۂ معمورِ ایشاں

لفظ سید کا اطلاق عربی زبان میں سید کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سید اللہ تعالےٰ کو بھی کہتے ہیں، آقا کو بھی، رئیس و مقدم کو بھی اور حلیم وکریم کو بھی۔

صاحب لسان العرب کہتے ہیں :۔ [۱]

السید یطلق علی الرب والمالک والشریف والفاضل والحلیم ومتحمل اذی قومہ والزوج والرئیس والمقدم ۔	سید رب اور مالک کو کہتے ہیں اور شریف، فاضل اور بُردبار کو بھی نیز اُس شخص کو جو اپنی قوم کی تکالیف برداشت کرے اور شوہر، رئیس اور مقدم کو بھی۔

سید کے معنی افضل اور سردار کے بھی ہیں، ایک بدوی عرب جو اکثر حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کی نسبت حضور نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :۔

هٰذا سید اهل الوبر (یہ جنگل کے لوگوں کے سردار ہیں)

اسی طرح یوم جمعہ کی نسبت فرمایا گیا سید الایام یوم الجمعۃ (یعنی دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے) یا سید الطعام اللحم (یعنی کھانوں میں افضل کھانا گوشت ہے) یہاں سید کے معنی افضل کے ہیں۔ سید اور شریف ہم معنی ہیں۔

السودد والشرف معروف [۱] (یعنی سیادت وشرافت مترادف المعنی ہیں)

غرضکہ سید کا لفظ عربی زبان میں حسب موقع ومحل مختلف معنی میں آتا ہے۔ اصطلاحاً تمام بنی ہاشم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر ہاشمی بلا تخصیص الشریف یا السید سے ملقب کیا جاتا ہے۔ صاحب ضاحیۃ الطرب لکھتا ہے :۔ [۲]

اما بعد الاسلام فقد انحصر الشریف العربی فی سلالۃ الهاشمیۃ ویعبر عنها باهل البیت کما جاء فی الاسلام ۔	بعد اسلام کے عربی شرف خاندان ہاشم کے لئے مخصوص ہوگیا ہے یہی اہل بیت کے نام سے تعبیر کئے جاتے تھے (یعنی صاحب شریعت اسلامیہ کے گھر والے)۔

---

[۱] لسان العرب [۲] ضاحیۃ الطرب فی تقدمۃ العرب ۔ مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۰۸۔

فلا يعرف الشريف رسمًا و يطلق عليه لقب السيد الا اذا كان نسبه متصلا باحد من اهل البيت بدون التفات الى حالته و لا الى صنعته۔

پس رسمی کوئی شریف نہیں کہلائیگا کہ اس پر لقب سید کا اطلاق ہو، مگر اس وقت کہ اسکا نسب اہلبیت میں سے کسی کے ساتھ متصل ہو بغیر اس کی دنیوی حالت اور اسکے فن و پیشہ کے خیال کئے ہوئے۔

چنانچہ علامۂ جلال الدین سیوطی نے رسالۂ زینبیہ میں اس کی تصریح کی ہے :۔

اسم الشريف يطلق فى الصدر الاول على كل من كان من اهل البيت سواء كان حسنيًا ام حسينيًا ام علويًا من ذرية محمد بن الحنفيه وغيره من اولاد على بن ابى طالب ام جعفريًا ام عقيليًا ام عباسيًا و لهذا تجد من تاريخ الحافظ الذهبى مشحونًا فى التراجم بذلك يقول الشريف العباسى الشريف العقيلى الشريف الجعفرى الشريف الزينبى فلما ولى الفاطميون بمصر قصروا اسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط واستمر ذلك بمصر الى الآن ۔ [1]

شریف (یعنی سید) کے لفظ کا اطلاق صدر اول میں تمام اہلبیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی، اولاد محمد بن حنفیہ سے ہوں یا سوائے ان کے حضرت علی ابن ابی طالب کی دوسری اولاد سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں انکے ساتھ یہ الفاظ کہا جاتا ہے ان کو سید عباسی، سید عقیلی، سید جعفری و سید زینبی لیکن جب بنی فاطمہ کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی تو انہوں نے لفظ شریف (یعنی سید) کو مختصر کردیا اولاد جناب حسن و جناب حسین کے لئے فقط اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے۔

ہندوستان میں بھی اہل مصر کی تقلید کی گئی اور سید کا لقب بالعموم بنی فاطمہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔ علامۂ جلال الدین سیوطی آگے چلکر لکھتے ہیں کہ :۔

[1] اسعاف الراغبين صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر۔

قال الحافظ ابن حجر فی کتاب الالقاب الشریف ببغداد لقب لکل عباسی وبمصر لقب لکل علوی ولا شک ان المصطلح القدیم اولیٰ وھو اطلاقہ علی کل علوی وجعفری وعقیلی وعباسی کما صنعہ الذھبی وکما اشار الیہ الماوردی من اصحابنا والقاضی ابو یعلی الفراء من الحنابلۃ کلاھما فی الاحکام السلطانیۃ ونحو قول ابن مالک فی الالفیۃ [1]

حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کتاب القاب میں کہ شریف (یعنی سید) بغداد میں ہر عباسی کا لقب ہے اور مصر میں ہر علوی کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلح بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اطلاق اسم شریف (یعنی سید) کا ہر علوی و جعفری و عقیلی و عباسی پر ہوتا ہے جیسا کہ ذہبی نے تحریر کیا ہے اور جس طرح ماوردی نے کہ ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابو یعلیٰ فرا نے جو حنبلیوں میں سے ہیں احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے۔

نسباً تمام بنو عبد المطلب مساوی الحیثیت ہیں اور باعتبار نسب ایک کو دوسرے پر قطعاً کوئی فوقیت نہیں۔ ان سب پر لفظ شریف اور سید کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے۔ [2]

بنو عبد المطلب سادات اھل الجنۃ ﴿ عبد المطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید کا لفظ اپنے اہل بیت کے مختلف افراد کے لئے مختلف موقعوں پر استعمال فرمایا ہے مثلاً حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے لئے **سیدۃ النساء اھل الجنۃ فاطمۃ** یا اپنے عم محترم حضرت حمزہ کے لئے **سید الشھداء حمزہ** یا حضرات حسنین علیہما السلام کے لئے **سید الشباب اھل الجنۃ الحسن والحسین** یا حضرت عباس رضی اور حضرت علی علیہ السلام کے لئے **انما سید العرب** یا حضرت جعفر طیار کے لئے **سید الشھداء جعفر**۔ حضرت ابن مسعود رضی سے یہ حدیث مروی ہے اور تقریباً ان ہی الفاظ میں دوسری حدیث حضرت علی سے مروی ہے:۔ [3]

---

[1] اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر [2] ینابیع المودۃ از جامع الصغیر علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۵۱۔

قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت کو دیکھا کہ حضرت
اخذ بید العباس بن عبد المطلب	عباس کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا کہ یہ میرے
قال ھذا عمی وصنو ابیہ وسید	چچا ہیں، میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے اعمام
عمومتی من العرب وھو معی فی	میں عرب کے سید (سردار) ہیں اور یہ میرے
السنام الاعلیٰ من الجنۃ۔	ساتھ ہونگے جنت کے درمیانی اعلیٰ حصہ میں۔

صاحب ناسخ التواریخ شیعی مذہب لکھتے ہیں :۔

"عباس رضی اللہ عنہ ابن عبد المطلب عم رسول خدا نیست و سید از سادات اصحاب علی علیہ السلام است[1]"

سید شریف رضی برادر علم الہدیٰ سید مرتضیٰ فاطمی جو بغداد میں نقابت الاشراف[2] کے معزز عہدہ پر مامور تھے، امیر المومنین القادر باللہ العباسی رحمہ اللہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں[3]

عطفاً امیر المومنین فاننا	فی دوحۃ العلیاء لا نتفرق
ما بیننا یوم الفخار تفاوت	ابداً کلا انا فی المعالی معرق
الا الخلافۃ میزتک فاننی	انا عاطل منھا وانت مطوق

یعنی اے امیر المومنین متوجہ ہو کر سن، ہم دونوں نسب کے شجرۂ بلند میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ ہم دونوں میں فخر بیان کرنے کے وقت کسی قسم کی جدائی نہیں ہے خلافت نے تمہیں امتیاز بخشا ہے میں اس سے بے بہرہ ہوں اور وہ تمہارے گلے کی آرائش ہے۔

غرضکہ نسب کے معاملہ میں ایک ہاشمی کو دوسرے ہاشمی پر مطلق کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص کسی عباسی، کسی جعفری، کسی عقیلی، کسی علوی کو کسی فاطمی سے نسبی معاملہ میں جدا کرتا ہے وہ بربنائے جہالت ایسا کرتا ہے۔ ان سب کا نسب قطعاً ایک ہے۔ کتاب حملہ

---

[3] (متعلق صفحہ ۱۲۴) ابن النجار از کنز العمال صفحہ ۶۸]

[1] ناسخ التواریخ جلد ۳ از کتاب دوم صفحہ ۹۰۔ [2] نقابت الاشراف کا عہدہ بغداد میں بہت معزز عہدہ خاندان نبوت کی تولیت کے امور سے متعلق تھا۔ [3] تاریخ تمدن جرجی زیدان۔

حیدری مصنفہ سید مصطفےٰ شیعی مذہب ہیں، جو جناب سلطان العلماء سید محمد مجتہد لکھنو کے ایماء سے شایع ہوئی اور آپ نے دیباچہ لکھا۔ حضرت عباس عم رسول خدا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے تذکرہ میں مختلف اشعار درج ہیں جن میں سید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔[1]

که عباس آں سید نامور | مرا هست اکنوں بجائے پدر
بخندید حجاج از خشمی | بدو گفت ای سید ہاشمی
دگر باعث شہرت آں خبر | چنیں گفت کاے سید نامور
بگفتند باخندۂ وخشمی | کہ اے نامور سید ہاشمی

صاحب عماد السعادت، جو شیعی مذہب فاطمی سید ہیں، ایک عباسی سید، نواب ثابت جنگ میر علی قلی خان عباسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اگرچہ خان مشار الیہ سید عباسی النسب و برادرزادہ حسن قلی خان وزیر شاہ طہماسپ صفوی ثانی است"۔[2]

خلاصہ کلام یہ کہ سید و شریف کا لقب ہر ہاشمی کا لقب ہے خواہ وہ حسنی و حسینی ہو یا علوی و عقیلی یا جعفری و عباسی۔ یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے عصبہ و ہم کفو ہیں۔ سلطنت کی رقابتوں اور جھگڑوں نے البتہ بھائی بھائی میں بُعد و جدائی پیدا کردی تھی ورنہ پہلے سب ایک ہی خاندان تھا، باہم ارتباط و اتحاد اور محبت و خلوص تھا۔ آج امر واقعہ ہے کہ ایک شیعہ فاطمی اور سُنّی عباسی میں بدقسمتی سے بُعد و مخالفت کی ایک خلیج حائل ہے لیکن پہلے ان ہی کے مورثوں میں باہم کسی الفت

---

[1] حملۂ حیدری مطبوعہ صفحہ ۴۱۲ و ۵۰۰۔ [2] عماد السعادت مطبوعہ

ومحبت تھی۔ ذرا چچا بھتیجے کے تعلقات محبت کا حال تاریخ میں دیکھئے۔[1]

عن صهيب قال رأيت عليًا يقبل يد العباس ورجله	حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو دیکھا کہ حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر کو بوسہ دیتے تھے

پھر حضرت عباسؓ کو جو محبت اپنے اس فخر خاندان اور لائق بھتیجے حضرت علیؓ سے تھی اور جس درجہ وہ ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے اُن مقولوں سے ہو سکتا ہے جو کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حضرت عباسؓ کے بعد آپ کی اولاد امجاد بھی خلافت کے جھگڑوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہی حالانکہ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیل جناب امیر معاویہ کے ساتھی تھے اور جنگ صفین تک میں اپنے بھائی سے علیحدہ رہے۔[2] اس زمانہ میں شادی بیاہ بھی صرف اپنے خاندان میں محدود تھا۔

كان سائر بنات علي عند ولد العقيل وولد العباس[3]	حضرت علیؑ کی سب صاحبزادیاں حضرت عقیل اور حضرت عباسؓ کے صاحب زادوں کو منسوب ہوئی تھیں۔

نسب باپ سے لیا جاتا ہے یا ماں سے

علم نفسیات و تشریح الابدان وان تمام مباحث سے قطع نظر کرکے جو نطفہ و استقرار حمل کے مسائل سے متعلق ہیں محض اقوام عالم کے دستور و رواجات پر اگر نظر کی جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ متمدن دنیا کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں نسب باپ سے نہ لیا جاتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں تک کی نسل بھی نر ہی کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔

اس حقیقت مسلمہ عالم کے خلاف جن اشخاص نے بنو ہاشم یا بنو عبد المطلب میں فاطمی وغیر فاطمی کی تفریق شروع کی تھی انھوں نے اُس زمانہ کی سیاسی ضرورتوں اور مقاصد حالیہ کی بنا پر ایسا کیا تھا اور اس پروپگنڈے کا منشاء و مقصد بھی صرف اس قدر تھا کہ ایک

---

[1] کنز العمال از ابن المقری فی الرخصة [2] شهد عقیل صفین مع معاویه (عمدة الطالب) [3] معارف ابن قتیبه مطبوعه مصر صفحه

ہی خاندان کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ کی کوئی وجہ فضیلت قرار دیکر اپنے طرفداروں کی جماعت میں اضافہ کیا جائے ۔ اس سیاسی بر دگیندے کا ثبوت اُن بہت سی موضوع احادیث سے چلتا ہے جو بنو فاطمہ و بنو عباس کی مدائح میں اُس زمانہ میں تصنیف ہوتی تھیں

نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کے اصول کو اگر اہمیت دی جائے تو وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر صاحب عماد السعادت نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ :-[1]

در توران رسمی است کہ سیادت از طرف مادری گیرند وبحث ہا بریں دارند، اگر پدر شیخ است یا مغل ومادر شخص سیدہ باشد سید است، شیخ نیست بہ خلاف اہل ایران کہ آنجا چنیں کس راکہ از بطن سیدہ متولد ہست شریف می نامند از ہمیں جہت اکثر تورانیاں در توران داصف جاہیاں وامیر الدین خان در ہند ملقب بہ میر اندبا آنکہ نسب شاں منتہی بہ شیخ شہاب الدین سہروردی است وشیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ از نسل محمد بن ابوبکرؓ بودہ ۔ ملکہ ہیں ہم موقوف نیست کہ مادر شخص سیدہ باشد چرا مادرِ مادر و مادرِ پدر ہم باشد، مانع کیست و عوئے سیادت باید کرد ۔

ملک توران میں یہ دستور ہے کہ سیادت ماں کی جانب سے لی جاتی ہے ۔ وہاں کے لوگ ۔ اس کے متعلق بحثیں کرتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص کا باپ شیخ یا مغل ہو مگر ماں سیدانی ہو تو وہ شخص شیخ نہیں ہوگا بلکہ سید ہوگا برخلاف اس کے اہل ایران، ایسے شخص کو جو کسی سیدانی کے بطن سے پیدا ہو شریف کہتے ہیں ۔ اسی وجہ سے تورانیا کے اکثر باشندے، اور ہندوستان کے آصف جاہی اور امیر الدین خان میر کے لقب سے ملقب ہیں حالانکہ ان کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردی پر منتہی ہوتا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ محمد بن ابوبکرؓ کی نسل سے تھے ۔ جب یہ بات ہے تو اسی پر کیا موقوف ہے کہ ماں سیدانی ہو بلکہ کسی کی نانی یا دادی بھی سیدانی ہو تو سے سیادت کا دعویٰ کرنا چاہئے، اس طرح سید بننے میں آخر مانع کیا بات ہے ۔

ہندوستان کے بعض مقامات پر بھی اس مہمل دستور کی تقلید کی گئی اور شاید اب تک کیجاتی

[1] عماد السعادت صفحہ ۶۱ ۔

ہے کہ کسی شیخ یا مغل نے کسی سیدانی سے نکاح کر لیا، اور اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی سید کہلانے لگی، گویا آباؤ اجداد شیخ یا مغل تھے ان کی اولاد نے نسبِ مادری کی بنا پر نسبی ترقی حاصل کی اور شیخ یا مغل سے سید ہو گئے۔ یہ نتیجہ ہے اسی مادری نسب کے اہمیت دینے کا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب نسب کا انحصار ماں پر رکھا جاتا ہے تو سادات کے وہ سیکڑوں خاندان جن کا مادری نسب غیر کفو کی عورتوں حتّٰی کہ کنیزوں سے چلتا ہے وہ کیوں سید کے سید بنے ہوئے ہیں، یہاں کیوں نسبِ مادری ترک کیا گیا۔ کسی ایک اصول کی پابندی ہونی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول ہی لغو اور مہمل ہے۔ نسب کی نسبت ماں سے نہیں باپ سے ہے اور یہی اصول مسلمہ اقوام عالم ہے۔

لیکن اس سے زیادہ لغو اور مہمل و مضحکہ یہ ہے کہ بعض لوگ سیادت کا انحصار سلسلۂ نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر کرتے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک شیعیت اور سیادت مترادف المعنی ہے۔ مثلاً بعض شیعہ حضرات لفظ سید کا اطلاق بنی ہاشم و بنو عبدالمطلب میں سے صرف بنی فاطمہ کے لئے مخصوص کرتے ہیں لیکن غیر بنی فاطمہ خواہ بنو ہاشم ہوں یا غیر بنو ہاشم جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت سیادت کا دروازہ ان کے لئے کھل جاتا ہے اور وہ میر صاحب یا سید صاحب سے مخاطب ہونے لگتے ہیں لیکن ان ہی کے ہم جدی، جو شیعیت قبول نہیں کرتے، شیخ صاحب کہلاتے ہیں۔ اس کی ایک مضحکہ انگیز مثال صاحب تاریخ واسطیہ کی تحریر صفحہ نمبر ۳۰ پر ہے۔ بنو عقیل رضی اللہ عنہ فاطمی نہیں اور اسلئے امروہہ کے اکثر شیعہ حضرات کے نزدیک جو بنی عبدالمطلب میں سے غیر بنی فاطمہ کو مستحق سیادت نہیں سمجھتے، سید نہیں ہیں لیکن امروہہ کے عقیلی چونکہ اب مذہباً شیعہ ہیں اسلئے صاحب واسطیہ کے نزدیک سید ہیں، سادات امروہہ کی برادری میں شامل ہیں، ان سے ان کے رشتے ناتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صاحب تاریخ واسطیہ نے ان کو سیادت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا ہے، ان کا نسب نامہ سیادت گو وہ غلط ہی سہی، مؤلف واسطیہ نے جو بقول خود "قدوۂ ارباب محترم، صاحب قلم آلِ

رسول، حضرۃ الزہرا آل البتول علی نسب والاحسب السید رحیم بخش صاحب امروہوی نے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے لہٰذا یہ سندی شدہ ہیں۔ صاحب تاریخ واسطیہ اگر بقید حیات ہوتے تو خاکسار مؤلف ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا کہ جناب کے نزدیک عقیلی اگر نسباً سید کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر جعفری کیوں نہیں، تو پھر علوی کیوں نہیں، تو پھر عباسی کیوں نہیں؟ نسباً تو یہ سب ایک ہیں، پھر ان میں یہ تفریق کیوں؟ غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ صاحب ہمارے نزدیک ہر شیعہ خواہ وہ شیخ ہو، مرائی ہو، نائی ہو غرض کوئی ہو سید اور ہر سنی خواہ وہ ہاشمی و مطلبی کیوں نہ ہو شیخ ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں امروہہ ہی میں متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔

حضرات حسنین علیہم السلام کو جو شرف اور بزرگی جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے متولد ہونے میں حاصل تھی وہ صرف ان ہی حضرات تک محدود تھی، اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے بھی یہ دونوں بزرگ ہستیاں مسلمانوں کے نزدیک محبوب ہستیاں تھیں، وہ بیشک سید الشادات تھے۔ لیکن نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کو ان کی اولاد امجاد میں بھی اہمیت دی جائے تو پھر سوچئے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

امروہہ کے ہاشمی خاندان

امروہہ میں حضرت علیؓ کی نسل سے زیادہ تر حسنی و حسینی سادات ہیں، بعض لوگ اپنے کو آپ کے نامور فرزند امام محمد ابن حنفیہ کی اولاد سے بھی بتاتے ہیں، جو اہل ہند کی اصطلاح میں "علوی" مشہور ہیں۔

حسنی:- ان میں بڑا خاندان اولاد سید سراج الدین قادری کا ہے جن کا سلسلۂ نسب حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ ان کی زیادہ تر سکونت محلہ چلہ میں ہے کچھ لوگ محلہ شاہ علی سرائے میں بھی ساکن ہیں۔

دوسرا خاندان حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری دستار سیاہ (کالی پگڑی) کا ہے حضرت

شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب شاہ ابوتراب شیرازی قدس سرہٗ سے متصل ہوتا ہے۔ اس خاندان میں اب صرف چند اشخاص باقی ہیں۔

حسینی:۔ ان میں سب سے قدیم، تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایت کا ہے۔ حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی رضہ سے متصل ہوتا ہے۔ ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلوں میں ہے۔ آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلہ لکڑہ، حقانی میں اور کچھ گھر محلہ قاضی زادہ، محلہ صندو، اور محلہ چیدن میں ملقب بہ متولی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اغوانپور، شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔

آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلہ دربار کلاں، سٹی گذری، شفاعت پوتہ، مجاپوتہ، ارزانی پوتہ[1] (محلہ بنگلہ) چھیوڑہ، کٹرہ غلام علی، راجہ سرائے میں ساکن ہیں اور کچھ گھر محلہ سرائے کہنہ، حقانی وگھیر کرم علی خان میں ہیں اور کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل، فیروز پور و کنور پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

دوسرا خاندان حسینی سادات کا قاضی زادگان کا ہے۔ تاریخ واسطیہ کی اشاعت سے پیشتر تک اس خاندان کے حضرات اپنے کو حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد بتاتے رہے۔

تا اینکہ مسن رسیدہ معمرات قاضی زادہ نیز می گویند کہ ما از اولاد برادر صاحب ولایت بودند[2]	اس وقت تک حضرات قاضی زادگان کے بڑے بوڑھے بھی کہتے رہے ہیں کہ ہم حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد ہیں

امروہہ کے تاریخی حالات میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف "آئینۂ عباسی" ہے جو اب سے تقریباً ۱۲۵ برس پہلے شایع ہوئی تھی، اس میں مختلف خاندانوں کے نسب کے متعلق وہی روایات درج کی گئی ہیں جو زمانہ حال کے جدت پسند طبائع کے اختراعات سے

---

[1] اس شاخ کا سلسلۂ نسب مندرجہ تاریخ واسطیہ صحیح نہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ سوم۔ [2] بیاض قلمی مولانا سید محمد حسن مرحوم

بہت پیشتر سے خود ان خاندانوں اور سکنائے شہر میں سلف سے مشہور چلی آتی تھیں۔
قاضی زادہ صاحبان کے نسب کے متعلق صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں:۔

"ایک گروہ ملقب بہ قاضی زادہ' ان کے بزرگ پہلے سیّد صاحب (یعنی حضرت شاہ ولایتؒ) یا ہمراہ ان کے یہاں آئے ہیں اور سیّد صاحب سے عقیدت حاصل کی۔ بڑے شریف اور معزز ہیں۔ الخ" [۱]

لیکن تاریخ واسطیہ کے مؤلف نے' جو خاندان قاضی زادگان میں سے تھے' اپنے خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ ولایتؒ کے فرزند اکبر قاضی سیّد امیر علی سے جا ملایا ہے جو از روئے تحقیق ہرگز صحیح نہیں' ان کی سکونت زیادہ تر محلہ کوچہ قاضی' محلہ جھوکہ و چھوٹے والا' مجاپوتہ و بچپدرم و صدو میں ہے ایک گھر کندر کی ضلع مراد آباد میں ساکن ہے (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)

تیسرا خاندان ملقب بہ نوگیاں حضرت شاہ نصیر الدین چشتی قدس سرہ کی نسل سے ہے' جن کا سلسلۂ نسب سیّد عمر اشرف بن امام زین العابدینؓ تک منتہی ہوتا ہے' امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور زیادہ تر محلہ نوگیاں میں ساکن ہیں۔ شاہ صاحب کے عم محترم سیّد عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان موضع نوگانوہ میں ساکن ہے' ان ہی میں سیّد عبد الرؤف بن ڈاکٹر سیّد خادم علی بھی ہیں جو محلہ نوبت خانہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

حضرات نخشبیؒ کا خاندان بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے' تاریخ اصغری نیز نخبۃ التواریخ میں' جو اسی خاندان کے ایک ذی استعداد عالم مولانا آل حسن نخشبی کی تالیف ہے' اس خاندان کا

---

[۱] آئینۂ عباسی مؤلفہ مولوی محب علی خان عباسی [۲] نخشبی سے مراد ہے "نخشب کا رہنے والا" ساتویں صدی ہجری کا مشہور شاعر شیخ ضیاء الدین نخشبیؒ جس نے بدایوں میں اقامت اختیار کی تھی' اپنے اصلی وطن کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ زہر شہرے وہر جائے متاع قیمتی خیزد ؛ ضیا از نخشب و شکر ز مصر و سعدی از شیراز۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس نسف بھی لکھتے ہیں۔ یہ مقام سندھ کے علاقہ میں بخارا و سمرقند کے مابین واقع ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس مقام پر شہر "قرشی" بسا ہوا ہے

سلسلۂ نسب حضرت خواجہ مودود چشتیؒ سے متصل کیا گیا ہے، اور بعض کتب سیرۃ المشائخ میں حضرت
خواجہ ممدوح کو امام علی نقیؑ کی نسل سے بتایا گیا ہے، تقریباً ڈھائی تین سو برس پیشتر اس خاندان
کے بزرگ اپنے ناموں کے ساتھ سیّد یا مودودی کا لفظ نہیں لکھتے تھے نیز قدیم کاغذات میں اس
خاندان کے بعض اشخاص اپنے ناموں کے ساتھ "شیخ" کا لفظ بھی لکھتے رہے ہیں غالباً اسی
وجہ سے مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شمول سادات امروہہ میں نہیں کیا۔ (تفصیلی
بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصّہ سوئم) اس خاندان میں بھی اب صرف چند گھر امروہہ میں ہیں، کچھ
محلہ نخشبی میں باقی ایک دو محلّے بچدرہ و بیگم سرائے میں ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ یہاں حسینی سادات کے چند اور خاندان ہیں جن کے مورث
عہد مغلیہ میں وقتاً فوقتاً بیرونجات سے امروہہ میں آکر متوطن ہوئے۔ ان میں بڑا اور معزز
خاندان، خاندان **دانشمندان** ہے۔ اس خاندان کے جدّ القبیلہ **مولٰنا سیّد اشرف**
دانشمند[1] عہد جہانگیری میں امروہہ آئے، سلسلۂ نسب سیّد موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی
الجوادؑ تک پہنچتا ہے۔ سیّد موصوف کی اولاد "رضوی" کہلاتی ہے۔ اس خاندان کی زیادہ تر سکونت

(گذشتہ سے پیوستہ)

نخشب وہی مقام ہے جہاں دوسری صدی ہجری کا مشہور مدعی نبوت المقنع پیدا ہوا۔ اس شخص کا اصلی نام عطا
تھا، وہ کوتاہ قد و کریہہ المنظر تھا۔ ابتداءً ابو مسلم خراسانی، خاندان عباسیہ کے مشہور نقیب، کے ساتھیوں میں سے
تھا بعد میں ماوراالنہر کا پیغمبر بن گیا، اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مصنوعی چاند "ماہ نخشب" ہر شب کو "چاہ نخشب"
سے نکالتا تھا۔ اسی وجہ سے اہل فارس اس کو "سازندہ ماہ" کہتے تھے۔ اس کے ماننے والوں کی بڑی کثیر تعداد ہو گئی
تھی جو "مبیضی" کہلاتے تھے۔ یہ لوگ چار سال تک خلیفۂ عباسی کی فوج کے مقابل آتے رہے بالآخر امیر المومنین مہدی باللہ
العباسی نے دو ہزار سواروں کی جمعیت بھیجکر اس مدعی نبوت اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کرا دیا۔ امروہہ کے خاندان
نخشبی کے مورث بھی اسی مقام نخشب سے اپنے کو منسوب کرتے تھے اسلئے نخشبی کہلائے اور انکی اقامت گاہ محلہ نخشبیان سے موسوم ہوئی

[1] (صفحہ ۱۳۴) ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو "دانشمند" سے ملقب

محلہ دانشمندان میں ہے۔

اسی طرح خاندان سادات بارہہ ملقب بہ جڑودیہ' جو حضرت زید بن امام زین العابدینؑ کی اولاد میں ہیں' ابتداءً ان کی سکونت اس مقام برکتی جوان کے نام سے جڑودیہ مشہور ہوا۔ ان کی ایک شاخ کی سکونت عرصۂ دراز سے محلہ چھپر ٹھہ میں رہی' ان ہی میں بخششی والے بھی ہیں جن میں سے ایک خاندان اب محلہ نوگیان میں ساکن ہے۔ ان کے مورث مقام جڑودہ سے آئے اسلئے جڑودیہ مشہور ہوئے۔[۱] ان کے علاوہ خاندان سادات کاظمی ساکن محلہ کنکوئی اولاد سید محمد اشرف ہے جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے متصل ہوتا ہے۔ نیز خاندان ہمدانی ساکن محلہ دانشمندان جو اپنے کو اولاد سید علی ہمدانی بتاتے ہیں' نیز خاندان سادات سامانہ ساکن محلہ صابون گران گولی والے سید نگلی والے سید وغیرہ وہ خاندان ہیں جن کا شمول علیٰ وجہ الشہرۃ امروہہ کے سادات فاطمی میں ہوتا رہا ہے' ان کے علاوہ بعض اور خاندان مثلاً دکھنی سید جن میں سید محمد الطاف وغیرہ ہیں نیز دلی والے[۱] سید ساکنان محلہ دربار کلاں' نیز خاندان حفاظ ساکنان محلہ مولانہ' بھی اپنے کو فاطمی سید بیان کرتے ہیں لیکن ان کا شمار مندرجہ بالا گروہ سادات میں نہیں ہوتا۔

اول الذکر خاندانوں کی باہم قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں اور عرف عام میں انکے مجموعہ پر "سادات" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خاندان بخششی کا شمار البتہ تقریباً دو ڈھائی سو برس سے اسی گروہ سادات میں ہونے لگا ہے' اس سے پیشتر ان کا قبیلہ ایک جدا گانہ تھا جو "قبیلۂ بخششیاں" سے معروف و مشہور تھا اور ان کی قرابتیں بھی دوسرے قریشی شرفا میں ہوتی ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ)
کرتے تھے۔ اسے زمانہ حال کے ایم۔اے۔ کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانا موصوف کی اولاد اسی لقب کی بنا پر خاندان دانشمندان سے مشہور ہوئی اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا۔ | [۱] یہ مقام سادات بارہہ کی بستیوں میں ہے۔ [۱] اس خاندان کے علاوہ سادات بارہہ میں سے چند اور اشخاص بعض مقاموں سے آکر ساکن ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ دوم محلہ شاہی چبوترہ

مندرجۂ بالا خاندانوں کے علاوہ یہاں چند خاندان ایسے بھی ہیں جو باوجودیکہ مختلف زمانوں اور وقتوں میں اپنے کو سادات فاطمی کہتے ہیں لیکن عرصہ دراز سے باستثناء چند نہایت قدیم قرابتوں کے جوان مؤخر الذکر خاندانوں میں سے بعض کی مقدم الذکر فاطمی سادات سے ہو گیا اور جن کا علم بھی اب کسی کو نہیں لیکن جنکے ثبوت میں بعض قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، ان کے تمامتر تعلقات رشتہ داری و برادری یہاں کے ہاشمی غیر فاطمی اور قریشی خاندانوں سے ہوتے رہے اور اب تک ہوتے ہیں اور انکا شمار مروجہ کے "طبقہ شرفاء" میں کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر اور بعض دوسری وجوہ سے، جنکی تفصیل دوسرے موقع پر کی گئی ہے، ان خاندانوں کی سیادت و فاطمیت میں عام طور سے تردد اور مقدم الذکر فاطمی خاندانوں کی طرف سے اظہار انکار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ تردد اور انکار کہاں تک صحیح اور تاریخی واقعات و حالات پر مبنی ہے اسکے متعلق حصہ سوئم ملاحظہ ہو۔۔۔

مؤخر الذکر خاندانوں میں سب سے بڑا خاندان حضرت پیرزادگان اولاد قدوۃ العارفین حضرت شاہ اتن چشتی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یہ حضرات اپنے کو فاطمی النسب کرمانی الاصل سید کہتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت امام علی الرضاؑ تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت شاہ اتن اور آپ کی اکابر اولاد کے جو تذکرے اور حالات مختلف کتب تاریخ اور مشائخ کے تذکروں میں ملتے ہیں انمیں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ عموماً لفظ شیخ پایا جاتا ہے حتی کہ ابتداءً یہ تمام حضرات بھی تقریباً دو صدی تک اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ کا اور بعد میں لفظ پیر کا بذات خود استعمال کرتے رہے بعض فرامین منصب میں قوم شیخزادہ چشتی بھی تحریر ہے لیکن برخلاف اسکے ملا عبد القادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے حضرت شاہ اتن کے تذکرے میں "سید مشار الیہ" تحریر کیا ہے اور اس کتاب کے ایک قلمی نسخہ میں سید اتن بھی تحریر ہے نیز ایک قدیم پروانہ کی نقل میں اس خاندان کو ایک

(گذشتہ سے پیوستہ) ۔۔۔
میں کچھ اور لوگ بھی اپنے کو دلی والے سید کہتے ہیں مشہور ہے کہ ان کے بزرگ خاندان اکبو لان کے ساتھ دہلی سے امروہہ آئے تھے

بنگ کے نام کے ساتھ لفظ سید کا بھی اطلاق کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلسلۂ طریقت میں مشیخت چند پشت تک اس خاندان میں متوارث رہا اس بنا پر ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال اگر اسکے خلاف دوسرے شواہد موجود نہوں منافی دعاوی سیادت و فاطمیت نہیں ہوسکتا۔ بہرحال خاکسار مؤلف نے حصۂ سوم میں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی ہے کہ اس خاندان کا دعوی سیادت و فاطمیت کہانتک صحیح اور تاریخی شواہد اور واقعات پر مبنی ہے اور یہ خاندان نسبا کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا قدیم خاندان حضرات دستار کلاں ڈبریچہ، ساکنان محلہ مولاً و چاہ ملا امان کا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا دعوی سیادت بھی تقریباً نصف صدی یعنی تحفۃ التواریخ کی تصنیف و اشاعت کے زمانہ سے ہے۔ اس گروہ میں حقیقتاً دو جداگانہ خاندان شامل ہیں جو نسباً مختلف ہیں یعنی ایک خاندان اولاد شیخ داؤد (ڈبریچہ) ان میں مولانا حکیم محمد حسن مرحوم کا خاندان ہے اور دوسرا ملا امان اللہ کی اولاد کا جس میں منشی ابراہیم علی مرحوم کا خاندان ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم۔

علوی:- سابق میں یہاں سادات علوی اولاد حضرت محمد حنفیہ بن حضرت علی ابن ابیطالب میں حضرت شاہ عبدالمجید علوی کا ایک خاندان تھا لیکن اس خاندان کا کوئی فرد اب عرصہ دراز سے امروہہ میں موجود نہیں۔ حضرت شاہ بہاء الدین کے خاندان والے البتہ اپنے کو علوی کہتے ہیں۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں[1]۔

> ایک گروہ ملقب بہ "سنگرہ علوی حنفی" کہتے ہیں۔ ان میں شاہ جی بہاء الدین، خلیفہ صاحب علی، خلیفہ روشن علی وغیرہ ہیں۔

صاحب تحفۃ التواریخ نے اور مولوی شاہ ضیاء الدین ابن حضرت شاہ بہاء الدین نے اس خاندان کو بھی حضرت شاہ عبدالمجید علوی کے خاندان کی دوسری شاخ ظاہر کیا ہے لیکن دیگر کاغذات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مولوی شاہ ضیاء الدین نے اپنی تالیف "مرآۃ الانساب" میں جو بڑے اہتمام کے ساتھ ١٩١٠ء میں شائع ہوئی تھی یوں تو دنیا بھر کے نسب ناموں کی تحقیق کی ہے لیکن خود اپنے خاندان کا جو نسب نامہ درج کیا ہے اس میں

---

[1] آئینۂ عباسی۔

نہایت شدید غلطیاں کی ہیں مثلاً اپنا سلسلۂ نسب انھوں نے حضرت امام محمد حنیفہ کے صاحبزادہ امام ابو ہاشم عبد اللہ سے متصل کیا ہی حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں ابو ہاشم کو غیر معقب بتایا گیا ہی، معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں انکے متعلق لکھا ہی کہ لاعقب لہ[1] یعنی ان کے کوئی عقب نہیں تھا، پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی ہی کہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابو ہاشم عبد اللہ کی اولاد میں ظاہر کرکے ان سے اپنے خاندان کا نسب جا ملایا ہی حالانکہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔ ہندوستان کے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ نوعمری میں انہوں نے شہادت پائی، اس وقت تک انہوں نے نکاح بھی نہیں کیا تھا، بعض مقامات پر تو وہ "بالے میاں" کے نام سے موسوم ہیں۔ مشہور ہی کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی اسلئے شادی کی یادگار کے طور پر بعض مقامات پر یہ رسم بھی ادا کی جاتی ہی مجھے شاہ ضیاء اللہ صاحب کی علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔

یہ خاندان، جیسا کہ صاحب آئینہ عباسی نے لکھا ہی عرف عام میں "سنگڑہ" مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری سنگڑہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:[2]

"مورث اعلیٰ ان کے شاہ خداوند غازی مقام سنگڑہ علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہذا سنگڑے کہلائے۔"

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا۔ البتہ سنگڑہ[3] ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام ضرور ہے

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] تاریخ اصغری صفحہ ۱۲۷ [3] سنگڑھ۔ یہ راجپوتوں کی مشہور قوم ہی قدیم زمانہ میں حوصلہ مندانہ تک ان کا راج رہا ہی۔ یہ لوگ اپنا مورث اعلیٰ آسنگھی یا سرنگی رشی کو بتاتے ہیں جس کی شادی قنوج کے راجہ

ممکن ہے کہ کسی علوی بزرگ نے، جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے، سنگڑہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو اور بطور ولادہ "سنگڑہ علوی حنفی" مشہور ہو گئے ہوں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

جعفری | حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب کی اولاد میں یہاں کئی خاندان ہیں۔ پہلا اور مشہود و معروف خاندان حضرت شاہ محمد فیاض قدس سرہ کا خاندان ہے۔ حضرت ممدوح کے صلب سے تو کوئی فرد امروہہ میں باقی نہیں البتہ انکے برادر زادہ اور مرید و خلیفہ حضرت شاہ عضد الدین کی نسل سے خاندان میاں شاہ موج ہے۔ ان میں یہاں اب صرف مجتبیٰ شاہ علاء الدین جعفری کی ایک ذات ہے، خدا سلامت رکھے۔

دوسرا خاندان مولوی محمد حسین جعفری ساکن محلہ چاہ شور کا ہے، ان کی اولاد میں مولوی سید علی زمنی وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان چودھری صاحبان ساکنان محلہ چاہ شور کا ہے جو آخر عہد اکبری میں قصبہ سکیت سے آکر امروہہ میں آباد ہوئے اسلئے سکیتی مشہور ہیں۔ اگرچہ اس خاندان کا کوئی قدیم

(گذشتہ سے پیوستہ) کی بیٹی سے ہوئی تھی جس سے پدم رشی پیدا ہوا، اس کا بیٹا پورن دیو تھا جس نے دکھن میں ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۷ پشتوں تک سنگڑوں کی سلطنت دکھن میں رہی اس کے بعد یہ لوگ مقام دھار میں آئے یہاں بھی عرصہ دراز تک رہے۔ ان کے ایک مورث بھگہ دیو کی شادی قنوج کے راٹھور راجہ جے چند کی بیٹی راجکماری دیو کلا سے ہوئی۔ اسی جے چند کو سلطان شہاب الدین غوری نے سنہ ۱۱۹۴ء میں شکست دی۔ اس قوم کے لوگ اضلاع اٹاوہ وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے ہیں (دیکھو اٹرس سرہیری ایلیٹ)۔

[۱] صاحب تحفۃ التواریخ نے محلہ قاضی زادگان میں اولاد سید مظہر علی و نیاز علی و جہانب علی کو شاہ موج کا ہم جد بھی لکھا ہے، خاکسار مؤلف کو اس کی پوری تحقیق نہ ہو سکی، دیرینہ کاغذات سے سوائے شاہ موج کی ایک شاخ کے اور کسی شاخ کا پتہ نہیں چلتا۔

ان حضرات میں منشی آل علی عرف پیرا کا خاندان ساکن محلہ قاضی زادگان کا ہے۔

شجرۂ نسب باوجود جستجو کے خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوا تاہم یہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ :۔[1]

"اور کچھ اشخاص جعفری بھی اسی محلہ (یعنی محلہ بخشی) کے ایک حصے میں سکونت پذیر ہیں جن کے مورث مقام سکبٹ سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا ان کو سکبٹی کہتے ہیں۔ یہ لوگ خاندان شاہ تموچ کے ہم جدی ہیں۔ محمد اکبر اور جان محمد اور عبد الحی بن مبارک اور مبارک ولد عبد القادر اس گروہ میں نامور شخص اور معزز عہدہ دار شاہی گذرے ہیں الخ"

صاحب تحفۃ التواریخ اس خاندان کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔[2]

"سیادت جعفری (یعنی) ایں جماعت بدرجۂ شہرت معتبرہ است واز قدیم بزرگان ایشان معزز و ممتاز بودہ اند"	اس گروہ کی سیادت جعفری (یعنی) شہرت معتبرہ کے درجہ پر ہے اور ان کے بزرگ قدیم سے معزز و ممتاز رہے ہیں

ان میں منشی سبط علی آنریری مجسٹریٹ، چودھری غلام صادق، چودھری سعید حسن اور منشی انوار الحق وغیرہ کا خاندان ہے۔

عقیلی :۔ ابتداءً ان کی سکونت محلہ مولانہ میں تھی، سابق میں اس خاندان میں نامور طبیب ہوتے رہے، نبو شاہ جن کا مزار درگاہ شاہ اعز الدین میں ہے اسی خاندان سے تھے۔ کچھ عرصہ سے ان کے بزرگ محلہ شفاعت پوتہ میں ساکن ہوگئے، اب صرف چند افراد اس خاندان میں ہیں۔ اس خاندان کی سیادت عقیلی علی وجہ الشہرت مسلم ہے لیکن صاحب واسطیہ نے جو شجرۂ نسب صفحہ ۱۲۱ پر درج کیا ہے اس میں اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت عقیل کے مشہور صاحبزادے حضرت مسلم سے ملا یا ہے جو صحیح نہیں۔ حضرت مسلم غیر معقب ہیں۔ حضرت عقیل کا عقب صرف انکے ایک صاحبزادے محمد سے باقی رہا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم) مشہور ہے کہ ابتداءً امروہہ میں اس خاندان کے مورث آگرہ سے آئے جہاں ان کی سکونت محلہ نائی کی منڈی میں تھی۔

عباسی امروہہ میں صرف دو بھائیوں کی اولاد سے عباسیوں کے تقریباً پچاس گھر ہیں جو

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۸۸ [2] تحفۃ التواریخ صفحہ ۱۷۵

زیادہ تر محلہ مولانہ، سرائے کہنہ اور محلہ حقانیہ میں ہیں۔ اس خاندان کے تاریخی حالات تاریخ اصغری وغیرہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے خاندان کے حالات میں خود اپنے قلم سے لکھوں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی غیر شخص نے جو لکھا ہے اسے نقل کر دوں۔ مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول، آئی۔ سی۔ ایس، مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزٹیر، امروہہ کے خاندان عباسیہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔[1]

"۱۲۶۱ء (مطابق ۶۵۹ھ) میں (امیر المومنین) معتصم باللہ آخری خلیفہ عباسی جب مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تو اس خاندان کے صرف چند افراد باقی بچے، ان میں سے ایک فرد محمد احمد نامی بھاگ کر مصر گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے پھر خلافت و سلطنت قائم کی۔ دوسرے شخص محمد یوسف براہ سمندر ملک سندھ میں آئے، یہاں (سلطان) غیاث الدین بلبن نے (امیر المومنین) ہارون الرشید اعظم کے پوتے کی حیثیت سے ان کا بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ ان کے فرزند ملک تاج الدین عباسی نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان کے بیٹے ملک معین الدین ہوئے جن کے فرزند مخدوم زادہ شرف الدین عباسی کو سلطان محمد بن تغلق نے عمدۃ الملک اور مخدوم زادہ[2] کے خطابات سے سرفراز کیا۔ ان کے بیٹے شمس الدین ہوئے جو سلطان فیروز شاہ کے ارکین میں سے تھے لیکن ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے جب دہلی کے بہت سے اعلیٰ خاندان وہاں سے منتشر ہو گئے تو یہ بھی مع اپنے صاحبزادوں کے امروہہ آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ان کے اخلاف میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماء فضلا میں سے ہوئے مثلاً مولانا رکن الدین بہ زمانہ ہمایوں .... الخ"

---

[1] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزٹیر مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۹۔ [2] اس زمانہ میں میر عباسی کو مخدوم زادہ کے لقب سے ملقب کرتے تھے صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے "دراں عصر ہر کہ از خاندان خلفائے عباسی بود بہ مخدوم زادہ ملقب می گشت" صفحہ ۱۴۰۔

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ مخدوم زادہ شمس الدین عباسی بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے[1] فتنۂ تیمور کے بعد مع دیگر اعزا کے پنجاب چلے گئے جہاں اس خاندان کی ایک شاخ جو کھالیاں ضلع گجرات میں اب تک آباد ہے۔

کچھ عرصہ پنجاب میں رہنے کے بعد ان کے فرزند مولانا رکن الدین عباسی مع اپنے خاندان کے امروہہ آ گئے۔ ان ہی کی نسل سے دو خاندان یہاں آباد ہیں۔ اس خاندان کے علاوہ محلہ مولانہ کے کچھ اور لوگ بھی اپنے کو عباسی کہتے ہیں لیکن خاکسار مؤلف کو باوجود تفحص و تلاش ان کے قدیم کاغذات جن سے ان کے نسبی حالات پر روشنی پڑتی بہم نہیں پہنچے۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں[2]:-

"ایک گروہ ملقب بہ چڑیا[3] عباسی کہتے ہیں، عظمت علی وغیرہ ان میں ہیں قرابت سب سے ہے اور سب صاحب شریف ہیں"

شیوخ قریشی

امروہہ کے قریشیوں میں صحیح النسب صدیقیوں اور فاروقیوں کے چند خاندان ہیں بعض لوگ اپنے کو عثمانی بھی کہتے ہیں۔

عرب میں خاندان قریش کو جو مرتبہ اور فضیلت حاصل رہی ہے اس کا اجمالی تذکرہ کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے۔ حضور سرور کائنات[ؐ] کا ارشاد ہے کہ۔

---

[1] مخدوم زادہ شمس الدین عباسی کے ایک پوتے کا نام بھی شمس الدین تھا اور عرف مولانا بابن وہ امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ غالباً صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیر کو اسی مماثلت اسمی کی وجہ سے دھوکہ ہوا۔ [2] آئینۂ عباسی صفحہ ۲۵ —

[3] بعض حضرات لفظ چڑیا کی تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے امروہہ آئے اسلئے چڑیا کوٹی عباسی کہلائے کثرت استعمال سے چڑیا کوٹی کا صرف چڑیا باقی رہ گیا۔ واللہ اعلم لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

فضل اللہ قریشا بسبع خصال، أنی منھم وأن النبوۃ فیھم وأن الحجابۃ فیھم والسقایۃ فیھم ونصرھم اللہ علی الفیل وعبدوا اللہ عشر سنین لا یعبدہ غیرھم وأنزل فیھم سورۃ من القرآن لم یذکر فیھا أحد غیرھم لإیلاف قریش

یعنی قریش کو تمام اقوام پر یہ جو فضیلت حاصل ہوئی اس کی سات وجوہات ہیں، میں ان میں سے ہوں، نبوت ان میں ہے، بیت اللہ کی دربانی و آبرسانی ان میں ہے، حجاج کی سقایہ ان میں ہے، اصحاب فیل (حبشہ کا جابر اور قوی قوم) پر خداوند عالم نے ان کی مدد کی، انہوں نے دس سال کامل خدا کی عبادت کی حالانکہ اور لوگ شرک میں مبتلا تھے، خدا نے ان کے متعلق ایک کامل سورت اتاری جس میں سوائے ان کے اور کسی کا ذکر نہیں وہ سورۂ "لایلاف قریش" ہے

صدیقی ان میں زیادہ قدیم خاندان ساکنان محلہ قریشی کا ہے، ان کے مورث قاضی **نظام الدین صدیقی** قبل تشریف آوری حضرت شاہ ولایتؒ امروہہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ قاضی نظام الدین سے چند خاندان متفرق ہوئے۔ ایک خاندان نگینہ میں ہے، دوسرا خاندان اودھ میں مہاراجہ صاحب محمود آباد و تعلقداران ہیتو متعلقان اسی نسل سے ہے۔ تیسرا خاندان پنجاب میں ساکن ہے۔ چوتھا خاندان امروہہ میں ہے۔

صدیقیوں کا دوسرا قدیم خاندان شیخ **معین الدین** ناگوریؒ کا ہے جو بارہ پوتیوں کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اب صرف معدودے چند لوگ ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ صدیقیوں کا ایک خاندان مناف پوتوں کا ہے، ان میں حاجی خورشید علی ساکن محلہ سرائے کہنہ کا خاندان ہے۔

دوسرا خاندان اولاد شیخ **برہان الدین** شہید ساکنان محلہ صدو کا ہے جو "مرزا" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں مرزا رفعت اللہ وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان اولاد شیخ **عبدالحکیم** بن شیخ سعد اللہ کا ہے جو عرف عام میں "ڈاڑھی رنگے"

شیخوں کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں شیخ رضا علی بن شیخ اشرف علی و شیخ فضل حق بن شیخ فیروز علی ابنائے شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد بن شیخ باقر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ مذکور، ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ ایزد بخش بن شیخ حیدر بخش ساکنان محلہ شیخ چاہن، منشی قدرت اللہ ولد شیخ کفایت اللہ ساکنان محلہ پیرزادگان شیخ امجد شاہ ولد شیخ نادر علی ساکنان محلہ بازار رزاق وغیرہ کے خاندان ہیں۔ اس خاندان کے نسب وغیرہ کا تفصیلی ذکر صاحب نخبۃ التواریخ نے صفحہ ۱۱۹ پر کیا ہے۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ

"کچھ شیوخ محلہ ملانہ میں ملقب بہ ڈبجوری شیخ صدیقی ہیں، رستم علی وغیرہ اور بعض ملقب بہ داڑھی رنگے یہ بھی صدیقی کہتے ہیں، خلیفہ محمد بخش وغیرہ (یعنی خاندان شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن) ان میں ہیں...... اور محلہ گھیر مناف میں ...... شیخ فیروز علی وغیرہ (یعنی مورث خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان گھیر مناف) داڑھی رنگے ہیں........"

اس خاندان کے بعض حضرات نے زمانہ حال میں شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ اصلی مورث کے بجائے محض مماثلت اسمی کی بنا پر سید عبد الحکیم نبیرہ حضرت شاہ ولایت کو، جن کے کوئی اولاد نہ تھی، اپنا مورث قرار دینے کی کوشش شروع کی ہے۔ حالانکہ اس خاندان کے مورث حقیقتاً شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ بالکل جدا شخص ہیں، جو ۱۰۳۳ھ میں کہیں باہر سے آکر امروہہ میں متوطن ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں اپنی سکونت کے لئے محلہ مولانہ میں ایک مکان مبلغ روپیہ میں خریدکیا۔ ان کے ایک دختر مساۃ سلیمہ خاتون اور سات فرزند ہوئے۔ شیخ فیض محمد، شیخ برہان، شیخ محمد، شیخ محمد عارف، شیخ عبد الرحمن، شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد شفیع۔ ان ہی بھائیوں کی نسل سے حضرات شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کا خاندان ہے یعنی شیخ محمد شفیع کی نسل سے خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ محمد یوسف کی نسل سے خاندان خلیفہ خدا بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن جن میں اب شیخ ایزد بخش بن شیخ حیدر بخش وغیرہ ہیں۔

اور دوسرے بھائیوں کی اولاد سے دوسرے اشخاص ساکنان محلہ بازار رزاق و گنگوئی وغیرہ۔ اس خاندان میں بھی ادعائے سیادت صرف بعض اشخاص یعنی منشی قدرت اللہ ساکن محلہ پیرزادگان و منشی شہید اعلی وغیرہ ساکنان محلہ گھیر مناف کی جانب سے عجیب طریقہ پر شروع ہوا ہے۔ اس خاندان کے دوسرے لوگ شیخ ایزدبخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہمن ان کے اس ادعاء سے متفق نہیں۔ سیادت کے ادعا میں مختلف اوقات میں دو شجرے مرتب ہو کر شایع ہو چکے ہیں۔ پہلے شجرہ میں تو اس شاخ کے نام بھی شامل کئے گئے تھے جو محلہ شیخ چاہمن میں ساکن ہے لیکن جب یہ لوگ کسی طرح بھی اس امر میں ان کے ہم آہنگ نہ ہوئے اور مدعیان سیادت کا مضحکہ اڑانے لگے تو شجرہ حال میں شایع ہوا ہے اس میں سے مخالفین ادعائے سیادت کے نام خارج کر دیئے گئے اور یہ شجرہ صرف ان ہی اشخاص کے ناموں تک محدود کر لیا گیا جو اپنے ناموں کے ساتھ "سید نقوی" لکھنے کے زیادہ آرزومند ہیں۔

خاکسار مولف کے پاس اس خاندان کے جو دیرینہ دستند کاغذات ہیں ان سے اس دعوے کی قطعی طور پر تکذیب ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم۔

ان خاندانوں کے علاوہ خاندان منشی عبدالرب شکیب ولد منشی شبیر علی ساکن محلہ شیش محل و شیخ محمد صادق ساکن محلہ چاہ ملا امان جو ڈیجوری مشہور ہیں، نیز خاندان مولوی برکت اللہ و شیخ بدرالدین ساکنان محلہ چاہ شور، نیز خاندان شیخ عبدالرحمن و شیخ عبدالکریم ابنائے شیخ احمد علی بن شیخ مہر علی بن شیخ مبارک علی صدیقی ساکنان محلہ گنگوئی، نیز خاندان حکیم حکمت اللہ خان محلہ چلّہ و خاندان حکیم کرامت علی در محلہ ٹوال، نسباً صدیقی مشہور ہیں۔ انکے علاوہ خاندان شیوخ (المشہور بہ صندو والے) اور شہر کے بعض اور خاندان بھی اپنے کو صدیقی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقت حال۔ خاندان شیخ فضل حق عطار (چاہ ملا امان) بھی صدیقی مشہور ہے۔

فاروقی ان میں سب سے قدیم، معزز اور صحیح النسب خاندان اولاد حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہ ساکنان محلہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) کا ہے۔ ان میں سے

بعض لوگ محلہ مولانہ میں ساکن ہیں اور ایک گھر محلہ چلہ میں بھی ہے۔ ان میں مولوی فرید احمد منشی محمد حسنین وغیرہ ساکنان محلہ جھنڈا شہید و بابو شوکت حسین وغیرہ ساکنان محلہ مولانہ کا خاندان ہے۔

ان کے علاوہ ایک خاندان ملقب بہ "وکیلان" ہے، یہ لوگ بھی اپنے کو فاروقی کہتے ہیں۔

عثمانی

محلہ قاضی زادگان میں خلیفہ مہدی علی کا خاندان اور کچھ لوگ محلہ کٹکوئی و کوٹ و کالی پگڑی میں نیز صوفی عبدالرزاق ساکن محلہ بچدرہ اپنے کو عثمانی کہتے ہیں۔

شیوخ انصاری

امروہہ میں صحیح النسب انصاریوں کا ایک خاندان اولاد مولوی مظہر علی و حافظ نذرالله ساکنان محلہ مولانہ کا ہے۔ ان میں شیخ عبدالله انصاری بھی تھے جنھوں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا، شیش محل ان ہی کی یادگار ہے۔ یہ لوگ نسباً انصار کے قبیلۂ بنی تیم سے ہیں۔

ان کے علاوہ خاندان حکیم انعام اللہ ساکن محلہ قریشی و شیخ فدا علی و شیخ سلطان احمد وغیرہ ساکنان محلہ ترپولیہ بھی اپنے کو انصاری کہتے ہیں۔

عجمی النسل

ان میں مغل، پٹھان اور قزلباشوں کے خاندان ہیں۔

مغل :- خاندان مرزا مقصود علی و مرزا ضیاءالدین ساکنان محلہ چاہ غوری اور محلہ دربار کلاں و محلہ نوبتخانہ میں چند لوگ مغل مشہور ہیں۔

پٹھان :- امروہہ میں ایسے بہت سے خاندان ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ "خان" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن نسباً نہ وہ افغان ہیں اور نہ مغل۔ ان میں سے بعض سادات اور خاندان کمبوہ و کلال کے اشخاص ہیں جن کے بزرگوں کو عہد شاہی میں "خان" کا خطاب ملا تھا۔

ان کی اولاد اب تک اس خاندانی خصوصیت کے اظہار کی غرض سے "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ ان کے علاوہ بعض وہ خاندان جو ہندوؤں کی شریف اقوام یعنی راجپوت، بگگے اور گوجروں سے کسی زمانہ میں مسلمان ہوئے وہ بالعموم "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اصلی پٹھانوں وافغانوں کے یہاں معدودے چند خاندان ہیں مثلاً خاندان ابو خان ساکن محلہ چاہ ملّا مان و بعض خاندان ساکنان محلہ نیازیان و کشکوئی وغیرہ۔)

یوں تو امروہہ کے تمام عربی و عجمی النسل مسلمانوں یعنی سادات و شیوخ میں، جن کے بزرگوں کو ہندوستان یا امروہہ آئے پانچ پانچ چھ چھ صدیاں ہوگئیں، ذہنی و اخلاقی تنزل کی وہ نوبت پہنچی ہے، سیرتیں ایسی بدل گئی ہیں اور صورتیں ایسی تبدیل ہوگئیں کہ ؎

گر سلف و یحیٰی ہمارے زندہ ہوکر اب ہیں ۔۔۔ آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُنکو عار

اسی سے جسمانی انحطاط کا بھی قیاس ہوسکتا ہے، اسلاف کے وہ "برودوش" اب کہاں سے

وہ برودوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے ۔۔۔ وہ قدِ بالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے

(لیکن افغانوں اور پٹھانوں کے اکثر خاندانوں کو ہندوستان آئے اتنی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ ان کی قومیت کا اظہار اُن کی جسمانی حالت اور چہروں سے نہ ہوسکے۔ امروہہ میں معدودے چند خاندان ایسے نکلیں گے جن کے بیشتر افراد میں پٹھانوں کی شباہت آتی ہو حالانکہ شاہجہاں پور، رام پور بلکہ اسی ضلع کے مقام حسن پور وغیرہ میں جو پٹھان خاندان آباد ہیں، باوجود موجودہ دور تنزل و انحطاط کے شجرہائے نسب کے اوراق سے کہیں زیادہ ان کے چہرے اور اُن کی جسمانی ساخت اُن کی افغانیت کا بیّن ثبوت ہیں۔)

قزلباش :- امروہہ میں قزلباشوں کا صرف ایک ہی خاندان ہے جو تقریباً چالیس سال سے یہاں متوطن ہے یعنی خاندان آغا نوازش علی خان و آغا صادق حسین خان وغیرہ۔ آغا برکت حسین نسباً سید ہیں۔ قزلباش نسباً ترک ہیں، امیر تیمور صاحب قران نے فتح روم

کے وقت ترکوں کے بعض قبائل کو، جو قوم اُسارا کے نام سے موسوم تھے گرفتار کیا تھا، جنھیں وہ اپنے ساتھ ایران لایا۔ حضرت شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی قدس سرہ کے نبیرہ خواجہ علی کی سفارش پر یہ لوگ آزاد ہو کر ایران ہی میں متوطن ہو گئے اور خاندان شیخ قدس سرہ کے ساتھ، جو نسباً سید تھے، اس قوم کو نہایت درجہ عقیدت و ارادت تھی، بالآخر اسی قبیلہ کی امداد سے شیخ قدس سرہ کے اخلاف میں سلطان اسمٰعیل صفوی نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور ترکوں کے ان قبائل کو قزلباش کا خطاب دیا:۔

"ازیشاں قبائل اتراک جیدہ کلاہ سرخ بہ آنہا عطا کردہ بہ الملقب بہ قزلباش ساخت ...... قزلباش در ترکی (سرخ) یعنی سر آمدہ۔ اصل قزلباش ہم ترکی است۔ ...... واز ہمیں سبب است کہ ترکاں در توران گویند کہ قزلباش ہم بچہ ما است"[1]

ابتدائً یہ لوگ سُنی المذہب تھے۔ جب سلطان اسمٰعیل صفوی نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کیا اور ایران میں اس کو رائج کیا تو یہ لوگ بھی شیعہ ہو گئے۔

اوّل سلاطین صفویہ او (یعنی سلطان اسمٰعیل) بودہ است و مذہب اثنا عشری در ایران از وقت او جابجا رواج و رونق پذیرا است۔[2]

ہندی الاصل انہیں دو گروہ ہیں ایک شرفا کا اور دوسرا پیشہ وروں کا۔ شرفا میں شیوخ کمبوہ و کلال کے علاوہ امروہہ کے وہ بہت سے خاندان ہیں جو مختلف زمانوں سے اپنے کو صدیقی اور پٹھان کہنے لگے ہیں۔

شرفائے کمبوہ:۔ ان حضرات میں چند مشہور و معروف اور ذی عزت و ذی وجاہت خاندان شامل ہیں یعنی خاندان حکیم امجد علی خاں اور حکیم راحت علی خاں ساکنان محلہ صدّو، خاندان نواب وقار الملک مرحوم، مولوی تسلیم احمد، حکیم فیاض رسول، مولوی صبغۃ اللہ وغیرہ ساکنان محلہ شاہی چبوترہ کا۔ ان ہی سے منشی سبط علی وغیرہ محلہ چاہ تنور میں ساکن تھے۔

---

[1] عماد السعادت۔ [2] عماد السعادت صفحہ ۱۰۔

مولوی احسان الحسن خویش نواب وقار الملک اپنے کو حضرت شیخ غوث محمد گوالیاری کی نسل سے بتاتے ہیں جو نسباً فاطمی سید تھے۔ واللہ اعلم۔

شرفائے کلال: ان میں بھی چند گروہ ہیں۔ ایک خاندان درویشین علی خان منصبدار پنج ہزاری عہد فرخ سیری کا جس میں شیخ صدیق علی خاں و مولوی احمد حسین خان وغیرہ ہیں، دوسرا شیخ محمد ہادی وغیرہ کا، تیسرا شیخ کریم بخش وغیرہ کا۔ ان میں کٹرہ والوں کا جو خاندان مشہور ہے وہ اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ ان میں منشی عبدالقیوم عطار اور منشی محمد اختر وغیرہ ہیں۔

خاکسار مؤلف نے سادات و شرفائے امروہہ کے خاندانوں اور ان کے ارباب کمال کے حالات حصۂ دوئم میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور مختلف خاندانوں کے انساب پر حصۂ سوم میں بحث کی ہے۔ ذیل میں امروہہ کی پیشہ ور اقوام کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں اور بعض اقوام کے نسب پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مسلمان پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات لکھتے وقت اس مسئلہ کی محض تاریخی حیثیت خاکسار مؤلف کے پیش نظر ہے، اس سے کسی اسلامی برادری کی تنقیص و تحقیر یا کسی طبقہ کا تعزز و تفاخر ہرگز مقصود نہیں، اسلامی نقطۂ خیال سے بموجب ارشاد باریتعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ (یعنی سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) تمام مسلمان خواہ نسلاً عربی ہوں یا عجمی، چینی ہوں یا بربری، ہندی ہوں یا سندھی ایک ہی رابطۂ اتحاد و اخوۃ میں مربوط ہیں، مدار فضیلت بموجب نص قرآن اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقکم (ترجمہ: تم میں زیادہ معزز خدا کے نزدیک وہ ہی ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے) علم و تقویٰ اور محاسن اخلاق پر ہے

نہ کہ عربیّت و عجمیّت، قرشیّت و ہاشمیت پر۔ اسلئے ایک ہندی نژاد جولاہہ یا قسائی اگر زیور علم و فضل، صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہو تو اسے ایک ہاشمی الاصل، عربی النسب سیدزادہ پر جو ان اوصاف سے متصف نہ ہو، قطع نظر امتیاز نسبی، بہ اعتبار حکم مذہبی درجہ امتیاز و مرتبہ فضیلت حاصل ہے، لہذا اس تاریخی بحث کو شرافت و رذالت کا معیار نہ سمجھا جائے۔ اسلامی مساوات کا عطر اقبال نے ان اشعار میں کھینچکر رکھ دیا ہے ؎

تو اے کودک منش خود را ادب کن — مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن

برنگِ احمر و خون و رگ و پوست — اگر نازد عرب ترکِ عرب کن

پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق

ہندوستان میں آرین قوم کے فاتحانہ داخلہ کے بعد ہندوستان کے باشندے منوجی مہاراج کی تقسیم کے مطابق چار طبقوں میں منقسم ہو گئے، جو گروہ علم و فضل اور مذہبیات کا حامل بنا وہ سب سے افضل قرار پایا اور برہمن کا لقب ملا۔ دوسرا جو تلوار کا دھنی اور تاج و تخت کا مالک ہوا، زراعت و فلاحت کو جس نے اپنا پیشہ بنایا وہ شتری یا چھتری کہلایا، تیسرا جس نے تجارت، اقتصادیات اور داد و ستد کا پیشہ اختیار کیا وہ ویش کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تینوں گروہ اپنے آپ کو آرین کہتے ہیں۔ چوتھا گروہ، اور نہایت کثیر گروہ، جو ہندوستان کا حقیقی اور اصلی باشندہ تھا، ان میں سے وہ لوگ جو آرین فاتحین کے اقدام سے پہلے اپنے ملک کے مالک تھے، تاب مقاومت نہ لا سکے، کچھ تو حملہ آوروں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھکر وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گئے جہاں آج تک اس نسل کے لوگ اپنی اسی غیر متمدن حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ آج بھیل و گونڈ کے نام سے مشہور ہے لیکن ان کی کثیر تعداد فاتح قوم کی مطیع و منقاد ہو کر خدمتگذار بن گئی۔ انہیں شودر کا لقب ملا۔ یہ بدقسمت طبقہ آج تک ہندوستانی قومیت کے لحاظ سے پست ترین خیال کیا جاتا ہے، اور آج "پست اقوام" (Depressed classes) ہے۔

اور "اچھوت ذات" (Untouchables) کے ناموں سے موسوم ہے۔ مسلم پیشہ ور اقوام کے کثیر حصہ کا حقیقی اور نسبی تعلق بھی اسی ہندی قوم سے ہے۔ اور ان کا وجود بھی زیادہ تر ملک کے اُن ہی حصوں میں پایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کے سیاسی اور حاکمانہ اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کا قومی و معاشری اثر بھی غالب رہا، جہاں بیرون ہند سے آئے ہوئے مسلمان شرفا کے خاندان زیادہ آباد ہوئے، ان کی نسلیں پھیلیں اور جہاں اسلامی مبلغین نے اسلامی مساوات کا جانفزا مژدہ ان اقوام کو سنایا جو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی کا شکار ہو رہی تھیں اور تبدیل مذہب جن کی دنیاوی نجات کا موجب تھا۔ لیکن جس حصہ پر مسلمانوں کا صرف سیاسی اقتدار رہا اور جہاں تبلیغ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر شروع نہیں ہوا وہاں اب تک پیشہ ور اقوام کا غالب حصہ بدستور ہندو چلا جاتا ہے۔

ہندوستان کے جن حصوں میں مختلف پیشہ ور فرقوں سے جو لوگ اسلامی حکومت کے اثر و نفوذ، اسلامی تعلیمات، اسلامی مبلغین کی کوششوں، مسلمانوں کے معاشری اقتدار، کاروباری تعلق اور خدمتگذاری کے اثرات سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ "پیشہ ور مسلم اقوام" کہلائے۔ ان میں ہر گروہ کی بہ لحاظ ان کے قدیمی پیشہ کے ایک جداگانہ برادری بن گئی، جن میں سے اکثر کے وہ ہی پہلے ہندی نام بدستور باقی رہے، جیسے "نائی" لوہار، بڑھئی یا کھاتی، چھیپرہ، منیجارہ، بھانڈ، بھاٹ، ڈوم وغیرہ اور بعض پیشوں کے عربی و فارسی نام پڑ گئے جیسے قصّاب (عربی)، مُطرب یعنی گویا (عربی)، سقّہ (عربی) میراثی (عربی کا بگڑا ہوا) خیّاط (فارسی)، جولاہہ (فارسی)۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کا وجود صرف ان ہی قصبات، دیہات اور شہروں میں پایا جاتا ہے جہاں اسلامی آبادی زیادہ ہے یا جن مقامات کا ماحول اسلامی اثرات سے زیادہ متاثر ہوا، چنانچہ لکھنؤ آگرہ شاہجہانپور وغیرہ میں مسلمان دھوبی اور بھنگی بھی پائے جاتے ہیں۔ غرضکہ دیگر اسلامی قصبات کی طرح امروہہ میں بھی مسلمان

پیشہ ور اقوام کی کثیر تعداد آباد ہے، جو حکومت برطانیہ سے پہلے براہ راست یہاں کے سادات و شرفا کی رعایا سمجھی جاتی تھی۔ ان میں زیادہ تعداد نوربافوں یعنی جولاہوں کی، اس کے بعد قصابوں یعنی قسائیوں کی، پھر دھنے، بڑھئی، لوہار، راج، چھیپرے، تیلی، منہار، سقوں وغیرہ کی ہے۔ جوں جوں شہر میں سادات و شرفا کی آبادی بڑھتی گئی شہر کے مختلف اقطاع میں انہوں نے اپنے سکونتی مکانات، بازار، سرائیں وغیرہ بنائیں اور ہر خاندان نے اپنے گرد و پیش کی اراضیات میں اہل حرفہ کے خام مکانات بنائے اور بطور اہل حرفہ و خدمتگذار ان لوگوں کو آباد کیا۔ چنانچہ آج بھی جس طرح شرفا، و سادات کے مختلف خاندان مختلف محلوں میں آباد ہیں ان لوگوں کی آبادی بھی ان کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام میں مختلف انساب کے لوگ شامل ہیں، زیادہ حصہ ان قوموں سے متعلق ہے جنھیں ہندوؤں نے شودر کہکر پکارا، بعض غیر سندی ہیں مثلاً دلال۔ اور درزی وغیرہ۔

اسلامی برادری کی حیثیت سے مسلم پیشہ ور اقوام جسد اسلامی میں بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں۔ ان کی ترقی مسلمانان امروہہ کی ترقی اور ان کا تنزل مسلمانوں کا قومی تنزل ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض اشخاص جو ان میں با اثر ہیں بجائے اسکے کہ ان اقوام کی ذہنی و تعلیمی، اقتصادی و معاشرتی پستی کے دور کرنے کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر کریں شرافت و رذالت کے لایعنی سوالات پیدا کرنے اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقات کے خلاف منافرت کے جذبات مشتعل کرکے ذاتی وجاہت حاصل کرنے کی دھن میں مصروف ہیں۔ کاش ان لوگوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھکر اصلاح قوم کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر اختیار کی جائے۔

ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف پیشہ وروں کی برادریوں کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں:۔

باورچی عرصۂ دراز سے امروہہ میں باورچیوں کا ایک خاندان آباد ہے جو نسلاً بعد نسل باورچی کا پیشہ کرتے تھے یہ لوگ اپنے کو مغل کہتے ہیں، اب اور کام کرنے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مورث مرزا قاسم عہد محمد شاہ بادشاہ دہلی سے امروہہ آئے تھے[1] ان کی سکونت محلہ مجاپوتہ میں ہے۔

بڑھئی و لوہار ان کی زیادہ آبادی محلہ مولانہ، حقانی، بساون گنج، بیگم سرائے کلاں، اور شوال میں ہے۔ یہاں کے بڑھئی اور لوہار نہایت دستکار اور صناع ہیں۔ بلچہ کا پلنگ ان کی خاص صنعت ہے، رتھ اور بہلی نہایت عمدہ بناتے ہیں۔ ہر قسم کا عالی کام بے نظیر کرتے ہیں۔ مستری حفیظ اللہ ساکن محلہ مولانہ مشہور استاد تھا۔ اسکے لڑکے بھی اچھے کاریگر ہیں اور باہر کارخانوں میں ملازم ہیں۔ لاہور، اجمیر، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ میں یہاں کے لوہار اور بڑھئی کام کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں یہاں کے لوہار اسلحہ وغیرہ بھی اچھے بناتے تھے۔

بھاٹ ان کی تعداد اب بہت مختصر ہے، زیادہ تر محلہ مچھرٹہہ اور مراد آبادی دروازہ میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اصلاً ہندو بھاٹوں کی نسل سے ہیں جن کی بڑی تعداد اس نواح میں دارانگر میں آباد ہے۔ سر ہنری الیٹ لکھتے ہیں :۔

> "بہت سے بھاٹوں نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ" (سلطان) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور اس وقت سے ان کا قومی لقب "رائے" پڑ گیا"[2]

امروہہ کے بھاٹ بھی اسی "رائے" کے لقب سے اپنے کو ملقب کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے عہد میں چھتریوں میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور تقریبات میں ان کے بزرگوں کے کارناموں کو فی البدیہہ اشعار میں موزوں کرکے سنانا ان کا پیشہ

---

[1] تاریخ اصغری۔ [2] میموائرس سر ہنری الیٹ صفحہ ۱۹ حصہ اول۔

تھا مسلمان بھاٹوں کا بھی بجنسہ یہی پیشہ ہے۔ ابتداءً مسلمان امراء و روساء کے نقیب تھے اور مدحیہ کبت پڑھتے تھے۔ اب نہ روساء رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ بیچارے بھی مفلوک الحال ہیں مگر ابھی تک قدیم پیشہ کو نہیں چھوڑا۔ بعض ان میں سے مہذب، شستہ زبان اور علم مجلسی سے واقف ہیں۔

بھانڈ و نقال

ان کی تعداد بھی امروہہ میں اب مختصر سی ہے۔ نسباً ان کا تعلق بھی ہندوستان کے اصلی باشندوں یعنی شودر اقوام سے ہے۔ زیادہ تر محلہ احمد نگر میں رہتے ہیں اور قدیم سے اپنے پیشہ میں نامی اور مشہور ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ لوگ دور دور بلائے جاتے اور صدہا روپیہ اور دوشالے انعام پاتے تھے۔ ان میں تمت بھانڈ نے بڑا نام پیدا کیا تھا اس کا بیٹا سیف اللہ بھی مشہور نقال تھا۔

بُزقصّاب

ان کی زیادہ تر آبادی محلہ بیگم سرائے خورد میں ہے، یہ لوگ محض اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کم ہے۔

چھیپر یا چھیپی

ان کی زیادہ آبادی محلہ بٹوال، بازار بٹوال اور محلہ نیاریہ میں ہے۔ یہ لوگ عموماً کپڑا چھاپتے ہیں، یہاں جاجم وغیرہ اچھی چھپتی اور باہر دساور میں جاتی ہے۔ ان ہی میں بعض لوگ دوسری تجارتیں بھی کرتے ہیں۔ ملا چھیپی کی پسرٹہ کی دکان بڑی اور قدیم دکان ہے۔ کچھ لوگ پہاڑی مقامات پر ڈبل روٹی اور مٹھائی وغیرہ بنانے کا بھی کام کرتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ اپنے کو "مغل" بھی کہتے ہیں۔

حجام یا نائی

ان میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ محلہ قریشی، کالی پگڑی، چوک، کٹرہ بخشا در سنگھ میں رہتا ہے۔ یہ لوگ "خالصہ والے" مشہور ہیں۔ دوسرا بڑا گروہ زیادہ تر محلہ چاہ غوری، بنگلہ، چاہ ملا امان اور بٹوال میں آباد ہے۔ امروہہ کے حجام اپنے پیشہ میں نہایت ہوشیار ہیں، اکثر لوگ دہلی اور بمبئی وغیرہ مقامات پر اپنا کام کرتے اور خوب کماتے ہیں۔ چاہ ملا امان کے حجاموں میں عبداللہ حجام پرانی وضع کا سلیقہ مند اور خدمتی شخص ہے، اس کا لڑکا حمید اللہ بمبئی

میں کام کرتا ہے اور اپنے کام میں ہوشیار ہے۔ ان ہی میں رفیع اللہ خاندانی اور مشہور جراح ہیں۔ ان کا بھائی رفعت اللہ انٹرنس پاس صوبہ متوسط کے اسکول میں ٹیچر ہے اس کا چھوٹا بھائی وصی اللہ بھی انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ نجف علی جراح اور عبد الغنی جراح اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ بنگلوں میں غلام قادر وغیرہ اور حاجی کریم بخش کے لڑکے مختلف تجارتیں کرتے ہیں۔

حلوائی | ان کی زیادہ آبادی محلہ شاہی چبوترہ، نوبت خانہ اور محلہ ستھی میں ہے۔ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ شاہی چبوترہ کے حلوائیوں میں قدیم سے کھنڈسال کا کاروبار ہوتا ہے، پہلے اس کام میں بعض لوگوں نے اچھی کامیابی حاصل کی تھی، اسی سے جائداد زمینداری بھی پیدا کی تھی اب کچھ عرصہ سے یہ کام بہت کم ہو گیا ہے۔

خمرے | ان کی مختصر تعداد صرف محلہ لکھوتی پر آباد ہے، ان کی برادری کے لوگ کچھ سہنسپور، حسن پور اور سرسہ، حمار وغیرہ میں رہتے ہیں، بعض لوگ ان کو "خماروں" کے فرقہ میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ تر کاشتکار پیشہ ہیں، چٹائی وغیرہ بھی بنتے ہیں

درزی | ان کی زیادہ آبادی محلہ چاہ غوری، بازار رزاق، گشتی اور محلہ محکم سرائے، کالا کنواں نیاریہ میں ہے۔ نسباً مختلف نسلوں کے ہیں، بعض اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشہ میں ہوشیار اور بہت اچھے کاریگر ہیں، ہر قسم کا کپڑا اچھا سیتے ہیں، زیادہ تر لاہور، شملہ، دہلی، لکھنؤ، نینی تال وغیرہ مقامات پر بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازم ہیں۔ ان میں سے بعض کی اپنی ذاتی دوکانیں بھی ہیں، بازار رزاق میں کفایت بیگ وغیرہ ہوشیار کاریگر ہیں۔ ان میں بعض لوگ رنکین کمپنی میں ملازم ہیں۔ عبد الغفور ٹیلر ماسٹر بھی اچھا کاریگر اور کٹر (Cutter) ہے کشمیری دروازہ دہلی میں اچھے پیمانہ پر اس کی دوکان ہے۔ کالے کنوئیں پر حبیب اللہ خیاط اور اس کے لڑکے اچھے کاریگر ہیں۔ حاجی عبد اللطیف ان میں نمودار ہیں

دلال | یہ لوگ زیادہ تر محلہ مولانہ کے اس حصہ میں ساکن ہیں جو محلہ ستھی سے متصل ہے

لسنباً غیر ہندی یا عجمی ہیں اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ کاغذات دیرینہ میں ان کو "ترکمان" بھی لکھا ہے۔ سابق میں کپڑے کا کاروبار ان سے متعلق تھا اور ہر قسم کے کپڑے کی "**دلالی**" ان کا پیشہ تھا اسی لئے یہ لوگ **دلال** مشہور ہوگئے جس مقام پر ان کی اب بھی سکونت ہے قدیم زمانہ میں اس سے متصل سوت اور پارچہ فروشی کا "ہاٹ" یعنی بازار لگتا تھا اس لئے یہ "**سوت ہٹی**" کہلاتا تھا جو بمرور ایام مخفف ہوکر "سٹھی" مشہور ہوگیا۔

اسلامی سلطنت نے پارچہ فروشی کے متعلق ان کو بعض خاص حقوق دے رکھے تھے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے مستثنیٰ تھے جس کی تصدیق عہد شاہجہانی کے حسب ذیل پروانہ سے ہوتی ہے :-

حضرت شاہجہان
خیر خواہ محمد موسوی خان

متصدیان مہمات و معاملات حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد اعلام آنکہ چون حسین و حسن و ابراہیم ترکمان سکنہ پرگنہ مسطور بہ حضور درگاہ آمدہ استغاثہ شدند کہ از قدیم الایام واز آباد و اجداد در امروہہ کسب دلالی پارچہ کورہ … [1] … ابریشمی قیام می نمایند و دایم حکام سابق از کل تکالیف معاف و مسلم داشتہ اند … … بہر گونہ بدستور قدیم از جمیع ابواب معاف داشتہ بہ وجوہ من الوجوہ مزاحمت بہ ایشاں نرسانند کہ در کار کسب پیشہ خود بفراغ خاطر قیام داشتہ باشند دریں باب تاکید بلیغ شناسند۔ تحریر فی التاریخ ۱۰ ماہ الٰہی سنہ [illegible] ھ
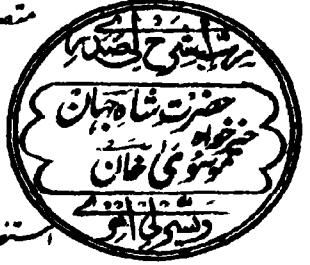
بعض لوگ اب بھی پارچہ فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ منچسٹر کی تجارت نے جب ہندوستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کر دیا تو دلالوں کے پیشہ پر بھی خاص اثر پڑا۔ افلاس اور فقدان تعلیم نے اس شریف قوم کو بھی ادنیٰ قسم کے پیشے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ لوگ انڈے مرغی بیچتے ہیں، کچھ خانگی ملازمت کرتے ہیں۔

---

[1] بوجہ کہنگی چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

راج یا معمار | یہ لوگ زیادہ تر بیگم سرائے کلاں کٹرہ غلام علی، چوک، بازار رزاق، راجوں کے کنوئیں نیز محلہ مجاپوتہ و متصل قسائی خانہ آباد ہیں یہاں کے راج اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور چابک دست ہیں، ان کی بنائی ہوئی عمدہ عمدہ عمارتیں شہر میں موجود ہیں۔ خلیفہ روشن اور مستری حیات بخش دو مشہور معمار گذرے ہیں۔ مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانا) کی اگلی گہہ اور عالی شان دروازہ مستری حیات بخش کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔ ان کی اولاد میں مستری محمد اعظم بھی ہوشیار معمار گذرا ہے۔ کٹرہ غلام علی میں حاجی برکت اللہ مشہور معمار اور مستری ہے۔ یہ لوگ بکثرت بڑے بڑے شہروں میں کام کے لئے جاتے ہیں۔ خاندانی معماروں کے علاوہ اب کچھ دوسرے پیشہ کے لوگ خاصکر بعض جولاہے بھی معماری کا کام کرنے لگے ہیں۔

سقے | ان کی آبادی محلہ چاہ ملا امان، کالی پگڑی، متصل محلہ بنگلہ، بارہ پوتیاں، حقانی نیازیان وغیرہ میں ہے۔ یہ لوگ صرف اپنا پیشہ کرتے، بابر کے بان بٹتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں جب شعر شاعری کا چرچا امروہہ میں زیادہ تھا سو سائٹی کا اثر دیکھئے کالی پگڑی کے سقوں میں ایک سقہ، جو محض جاہل اور ناخواندہ تھا لیکن طبیعت موزوں پائی تھی شعر موزوں کر لیتا تھا۔ وہ شاعری نہ سہی تک بندی سہی مگر دیکھئے صنعت ایہام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے

کہتیاں کٹتی ہیں ادھر دور چلے جاتے ہیں ۔۔۔ اپنے بالوں کیلئے بال بنالاتے ہیں

قصاب یا قسائی[1] | ان کے متعدد گروہ مختلف محلوں میں آباد ہیں، بڑی تعداد محلہ بنگلہ و شفاعت پوتہ کے اس حصہ میں آباد ہے جو "قسائی خانہ" کے نام سے موسوم ہے، ان میں دو بھائی سلیم اللہ اور رحمت اللہ اپنی برادری میں ممتاز ہیں، انکے

---

[1] قسائی کو حرف 'ص' سے لکھنا صحیح نہیں یہ لفظ قسی سے مشتق ہے جسکے معنی بے رحمی کے ہیں (ملاحظہ ہوں صفحات ۲۴۳)

پاس کچھ زمینداری بھی اپنی خریدکردہ ہے، مسکین، متواضع اور شریف طبیعت ہیں۔ بھٹہ وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں۔ قسائیوں کی بقیہ آبادی سرائے مچھر، نہ راجو سرائے، بازار جبے، محلہ نوگزہ، سرائے بخشیاں، لکڑہ، سرائے کہنہ اور محلہ دانشمندان میں ہے۔ چند گھر محلہ بچدرہ میں بھی ہیں۔ ان میں منشی ظفر احمد مرد معقول حاجی حرمین، اپنی برادری میں ممتاز ہیں آبائی کاروبار کے بجائے اینٹوں کی تجارت کرتے ہیں، ان کا اپنا بھٹہ بھی ہے۔ ان کا لڑکا منشی منظور احمد انگریزی تعلیم یافتہ، ٹھیکہ داری کرتا ہے۔ لیکن سوائے دو چار اشخاص کے ان میں تعلیم کا رواج نہیں۔ منشی ظفر احمد کی کوششوں سے ایک انجمن اور خورد سال بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب بھی قائم ہوا ہے۔ خدا کرے اسی کی بدولت اس قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلے اور اپنی پست حالت سے نکل کر مسلمان سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں۔

امروہہ کے قسائیوں کا بیشتر حصہ گوشت کی، کچھ لوگ مویشی کی، بعض کھال اور ہڈی کی تجارت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک جو لوگ گوشت فروشی نہیں کرتے تھے ان کا زیادہ حصہ سادات وشرفا کے یہاں خانگی ملازمت کرتا تھا اور اب تک کرتا ہے، اسی بنا پر عوام میں ان کے دو گروہ مشہور ہیں (۱) کٹھو یعنی گوشت فروشی کرنے والے ان کو "او تھمی" بھی کہتے ہیں اور (۲) چکٹریہ یعنی مواضعات میں پھیری سے گوشت فروخت کرنے والے، بیرونجات سے مویشی لانے اور خانگی ملازمت کرنے والے۔ بعض لوگ ان میں مزدور پیشہ بھی ہیں۔ باغات وغیرہ کے پشتے چڑھانے، خندق کھودنے میں خاص مہارت ہے۔ ان کی عورتیں قدیم سے سادات وشرفا میں عموماً ماماگری کرتی اور سادات میں خصوصاً دودھ پلاتی رہی ہیں۔ دایہ گری ان کا مخصوص پیشہ ہے۔ تقریبات کے موقع پر سادات وشرفا میں اور خدمتیوں کی طرح دایہ کا حق بھی نکلتا ہے۔ پردہ کا رواج مثل اور پیشہ وروں کے اس قوم میں کچھ عرصہ پیشتر تک مطلق نہ تھا۔ اب اصلاح قوم کی تحریک سے شروع ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض معیوب رسموں کی اصلاح کا خیال بھی پیدا ہوا ہے۔ خدا کرے یہ خیال عمل کی صورت اختیار کرے۔

مُجاورؔ یہ لوگ زیادہ تر محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں، مجاوری ان کا آبائی پیشہ ہے لالہ بھیا کئی خاندان ہیں، زیادہ تر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی مجاوری کرتے ہیں بعض لوگ درگاہ حضرت شاہ گھاسی اور دوسری درگاہوں کے مجاور بھی ہیں۔ ان میں چند اشخاص حضرت شاہ ولایت کے خادم شیخ نظام کی اولاد میں ہیں، کچھ لوگ قاضی الہدیہ کے غلام شیخ کندن کی نسل سے ہیں اور بعض دیگر اشخاص کی۔ حضرت شاہ ولایت کی درگاہ کی خدمت اور جاروب کشی قدیم سے آپ کے خادم شیخ نظام کی اولاد کا حق ہے جیسا کہ حسب ذیل تحریر سے ثابت ہے:۔

"مایان کہ جمیع سادات امروہہ از فرزندان قدوة العارفین وسیلة السالکین حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ روحہ ایم۔

چون شیخ جیون و شیخ داؤد وغیرہ خدمت روزہ حضرت ظاہر نمود کہ محمد شریف بخدمت خدمت اظہار می نماید کہ از اولاد کندن غلام قاضی الہدیہ ایم از انجا کہ خدمت جاروب کشی و خدامت درگاہ از قدیم در شیخ نظام خادم از حضور آنحضرت مقرر است و نیز بر ما این ہمہ معلوم است کہ جمیع خدما از فرزندان شیخ نظام مذکور اند چنانچہ شیخ جیون وغیرہ بر ورثہ شیخ نظام بدستور قابض و متصرف اند لہذا نوشتہ می دہیم کسے کہ اولاد کندن کہ غلام قاضی الہدیہ باشد او را بخدمت جاروب کشی درگاہ چہ علاقہ وجہ رسد کہ در مقدمہ خادمان درگاہ دخل نماید۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شعبان المعظم سنہ ۱۲۲۴ ہجری والا مطابق سنہ ۱۸۱۱ع"

حضرت شاہ ولایتؒ کے چار خلفائے باکمال تھے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمد ابدال دودہ دھاری، دوسرے قاضی عبد اللطیف، تیسرے شیخ معین الدین ناگوری اور چوتھے شیخ نظام الدین عباسی۔ اول الذکر تین خلفاء امروہہ میں رہے اور ان تین حضرات کی قبور بھی یہیں ہیں۔ ان میں سید محمد ابدال دودہ دھاری اور شیخ معین الدین کے مزارات کا دوسرے موقع پر تذکرہ

ہو چکا ہے۔ قاضی عبد اللطیف کا مزار محلہ نوگزہ میں جنگی کی چوکی کے سامنے سڑک سے جانب جنوب متصل پشتہ باغیچہ شکستہ حالت میں ایک چبوترہ پر واقع ہے۔ چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ بعد اکتساب کمالات اپنے وطن ملتان کو تشریف لے گئے جہاں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ آپکے برادر زادہ مولانا فضل محمد بن ضیاء الدین عباسی بھی صاحب کمال تھے۔ صاحب منتخب صحائف العارفین لکھتے ہیں:

چہارم خلیفہ شیخ نظام الدین بود۔ نسب او بحضرت عباس رضی اللہ عنہ می پیوندد او بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ وگویند کہ آنجا سلسلہ جاری نمودہ ۔۔۔۔۔۔۔

چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین تھے جن کا نسب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے انہوں نے ملتان کی طرف سکونت اختیار کی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ بیعت بھی جاری کیا تھا۔

مولانا آل حسن نخشبی مولف نخبۃ التواریخ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم **شیخ نظام** اور آپکے **خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ** دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھکر خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسیؒ کی نسل میں لکھ مارا جس کی بنا پر مجاوروں میں سے بھی بعض اشخاص اپنے کو ان کی اولاد میں سمجھنے لگے۔ مولوی صاحب ممدوح اگر ذرا عقل و سمجھ سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنے دور دراز فاصلہ پر چلا جائے جیسے امروہہ سے شہر ملتان ہے وہاں جاکر سکونت بھی اختیار کرلے اور پھر سلسلۂ بیعت بھی جاری کرے تو اس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے امروہہ کیوں آجاتی۔ اور پھر وہ شخص جو ان اوصاف کا ہو جیسا کہ خود مولوی صاحب ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ

وے از اجلۂ خلفائے حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت بود و کمالات باہرہ وتصرفات ظاہرہ داشت۔

وہ حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے۔ کمالات باہرہ وتصرفات ظاہرہ رکھتے تھے۔

ایسے کامل شخص کی اولاد اپنے آبائی سجادۂ پدری پر متمکن ہوتی یا درگاہ شاہ ولایتؒ کی نذر و نیاز کے چند پیسے اور ریوڑیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آجاتی اور بالخصوص اس

[1] نخبۃ التواریخ صفحہ

نسب کے لوگ جن پر زکوٰۃ و صدقہ لینا بھی مذہباً حرام کیا گیا ہے اور جن کی اُس زمانہ یعنی عہدِ مغلیہ میں ہندوستان کے بادشاہ جو قدر و منزلت کرتے تھے ان کے تفصیلی تذکرے تمام کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مماثلت اسمی کی بنا پر صاحب نخبہ نے دھوکہ کھایا اور " وبجانب ملتان سکونت اختیار کردہ " کو نظر انداز کر کے شیخ نظام الدین خادم کو آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی سمجھ لیا۔ نخبہ کی اشاعت کے بعد سے شیخ نظام خادم کی اولاد میں بھی یہ خیال پیدا ہوا حالانکہ شیخ نظام خادم حضرت شاہ ولایتؒ اور آپ کے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی بالکل جدا شخص ہیں۔ شیخ نظام خادم کی قبر دروازہ درگاہ کے متصل ہے۔ پیر جی عبد الرشید۔ ساکن محلہ نوگزہ اپنے کو شیخ نظام خادم کی اولاد بتاتے ہیں۔

مِردھے مردھہ حقیقتاً میردہ کا بگڑا ہوا ہے۔[1] میردہہ اس سائیس کو کہتے تھے جو دس سائیسوں کا افسر ہوتا تھا۔ امروہہ میں مردھوں کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹکوئی میں ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر خانگی ملازمت کرتے ہیں اور کچھ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

میراثی[2] یہ لوگ زیادہ تر محلہ چاہ غوری و متصل قسائی خانہ اور محلہ خالصہ (کٹرہ نجبا و رنگم) میں رہتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق قدیم ہندو بھاٹوں سے ہے۔ ہندو بھاٹوں کے متعلق روایت ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان کے تین اقسام ہیں (۱) برہما بھاٹ (۲) جاگا بھاٹ اور (۳) چارن۔ اول الذکر کا پیشہ مدحیہ قصائد پڑھنا ثانی الذکر کا ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور ثالث الذکر کا راجپوتوں کا نقیب ہونا۔[3] ان میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ بجائے ہندوؤں کے مسلمان شرفا کی نسابی کا پیشہ کرنے لگے یہ خدمت چونکہ بطور میراث ان کو ملتی رہی اور تقریبات میں حقوق بھی مقرر ہوئے نیز سادات و شرفا کی وراثت کے حالات محفوظ رکھتے تھے اسلئے میراثی کہلائے :—

---

[1] آئین اکبری۔ [2] میراثی :- دراصل ایں لفظ " میراث " عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ (فرہنگ محتشمی) [3] میموائرس سر ہنری ایلیٹ۔

میراثی کا عربی لفظ موروثی کے معنی میں قدیم اگر چہ گویّوں (مطرب) اور طوائفوں کے
سازندوں کے لئے مخصوص ہو گیا [۱]

ان لوگوں میں حسین بخش میراثی اور اس کے دونوں بھائی غلام حسین اور غلام حسن فن موسیقی میں مشہور تھے خادم حسین ولد غلام حسین اپنے پیشہ میں بڑا ماہر اور با کمال تھا۔ ابتداءً مہاراجہ بڑودہ کے یہاں ملازم رہا پھر ریاست حیدر آباد دکن میں عرصہ تک ملازمت کی۔ سید سجاد حسین شمیم نے حسب ذیل چوبولے میں اسی مشہور گویّے کی نسبت اشارہ کیا ہے:—

آج یہی تاریخ ہے دن سے ہو سامان | آئیں زہرہ، مشتری، ننھی، منی جان [۲]
آجائیں خادم میراثی، نقال [۳] چوا چیدن ہیں | سارنگی، طبلے، طنبورے، مردنگ، بین لائیں
ہاں ٹھپہ ترانا ٹھمری دھرپد ہولی اور بسنت بہار گائیں | نقارچی نوبت گھر کا پیں شہنائی پھونکیں شہنائیں

میراثیوں کے پیشہ کی رونق بھی امروہہ والوں کی ریاست کے ٹھاٹھ تک تھی۔ اب نہ رؤسا رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ لوگ بھی مفلوک الحال ہو گئے۔ غلام حسن کا ایک بیٹا غلام سرور حیدرآباد میں اور دوسرا بیٹا غلام سادات عرف بدّا میراثی پرانے وقت کا خدمتی ہے۔

موچی مسلمان موچیوں کی تعداد امروہہ میں بہت مختصر ہے، چند گھر محلہ چکلی و نیاریان وغیرہ میں ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندوستانی جوتے وغیرہ بناتے ہیں۔ انگریزی جوتوں کے بنانے کا کام اب بعض سیّدوں نے بھی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور مختصر پیمانہ پر شو فیکٹریاں قائم کی ہیں۔ بعض کاریگر ان میں ہوشیار ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں۔ بیکاری سے بہر حال کوئی شغل بہتر ہے۔

شومیکری [۴] شروع جو کی اک عزیز نے | جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیٹیر شاہجہاں پور مطبوعہ سنہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۸۔ [۲] طوائفوں کے نام، منی آگرے والی، ننھی میرٹھ والی جو امروہہ میں شادیوں کی ایک تقریب پر گانے آئی تھیں۔ [۳] کاشی پور کے مشہور نقّال [۴] یعنی جوتے بنانا۔

پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی — مورت تمھارے آئے تو عزتیں و غیرت سے
کہنے لگے اس میں بھی ہے اک بات نوک کی — روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتی کے نوک سے

ندّاف یعنی دھنے

ان کی آبادی محلہ منتھال اور محلہ قریشی میں زیادہ ہے۔ کچھ لوگ دوسرے محلوں میں بھی آباد ہیں، بعض اپنا پیشہ کرتے ہیں اور کچھ دوسری تجارتیں بھی کرنے لگے ہیں۔ جولاہے اور دھنے حقیقت میں ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں، دھنوں کی ہندو قوم کو وسط ہند میں "پنجارہ" کہتے ہیں اہل فارس نے اس پیشہ کے لوگوں کو نداف کہکر پکارا۔

نور باف یعنی جولاہے

زیادہ تر محلہ نل، بساون گنج، قلعہ ستھی وحقانی و بچپدرہ میں آباد ہیں۔ کچھ گھر ان کے محلہ پانباڑی، قریشی اور چوکٹ میں بھی ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی اثرات سے پہلے تک پارچہ بافی ان کا عام پیشہ تھا۔ یوروپین مصنوعات نے جہاں ہندوستان کی دیگر مصنوعات کو برباد کر دیا پارچہ بافی، جو ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، تقریباً مٹ گئی اس پیشہ کے لوگ بھی حصول معاش کے لئے اپنے پیشہ کے سوائے اور اور کام کرنے پر مجبور ہوئے کچھ لوگ البتہ گزی گاڑھا وغیرہ بھی بُنتے رہے لیکن زیادہ تر مزدوری پیشہ ہو گئے، ان کے اکثر مرد اور عورتیں سادات و شرفا میں خانگی خدمت پر مامور رہے اور کچھ اب بھی ہیں لیکن اب چند سال سے جب سے **مہاتما گاندھی** کی تحریک سودیشی کپڑے کے رواج کے متعلق شروع ہوئی ان کی بڑی تعداد پھر اپنے موروثی پیشہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ یہاں زیادہ تر موٹا کپڑا، سوسی اور گاڑھا بُنا جاتا ہے۔ بعض لوگ پلنگ کی چادریں، دوتہیاں اور چوتہیاں بھی بُنتے ہیں۔ کچھ لوگ باہر مقامات پر ٹھیکہ داری، دوکانداری اور دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں۔ مولا بخش ساکن محلہ نل کا ٹھیکہ داری کا کام دہلی میں جاری ہے۔

یہ قوم محنتی اور جفاکش قوم ہے، مذہبی جوش بھی ان کے اندر موجود ہے، افسوس ان کی پست حالت سے نکالنے کی کوئی نتیجہ خیز کوشش نہیں ہوتی۔ ان میں بعض حافظ قرآن اور پابند مذہب ہیں، تعلیم کا رواج خال خال ہے، چند لوگ البتہ نوشت و خواند سے واقف ہیں، بساون گنج میں منشی

عبدالصمد آفندی، منشی عبدالسمیع، تاجر کتب، علمی ذوق رکھتے ہیں۔

ان میں بعض اشخاص جو عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں "جولاہہ" کے لفظ کو بربنائے عدم واقفیت و بے علمی ہندی لفظ سمجھکر اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتے۔ اسکے بجائے "نوربافٗ" "سفید بافٗ" یا "مومن" وغیرہ الفاظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ **جولاہ یا جولاہہ** ہندی لفظ نہیں بلکہ فارسی ہے اور بہ معنیٰ "بافندہ پارچہ" یعنی کپڑا بُننے والا مستعمل ہے جولاہہ کا لفظ مسلمانوں کے ساتھ عجم سے ہندوستان آیا۔ اس پیشہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ "جولاہہ" کہلانے لگے اور جو بدستور ہندو رہے وہ اپنے قدیم نام "کوری" و "تانتی" وغیرہ سے موسوم رہے۔

نساجی یعنی جامہ بافی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ ایران وغیرہ کے مسلمانوں کے بعض نامور اشخاص اس پیشہ سے منسوب ہیں۔ ملک فارس کا مشہور شاعر خاقانی جو عمر خیام جیسے مشہور فلسفی شاعر اور حکیم کا بھتیجا تھا[1] اپنے خاندانی پیشہ کا اسی لفظ "جولاہہ" کے ذریعہ کس فخر سے ذکر کرتا ہے ؎

جولاہہ نژادم از سوئے جد | در صنعت من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبۂ من | ما شورہ کن است ریسمان تن

مندرجہ بالا اقوام کے علاوہ مسلمان تیلی، رنگریز، کمہار، کنجڑے، منصار بھی شہر کے مختلف مقامات پر آباد ہیں اور زیادہ تر اپنا موروثی پیشہ کرتے ہیں۔ اہل حرفہ کے علاوہ امروہہ میں پیشہ ور گداگروں کی بھی دو گروہ ہیں ان کی اخلاقی حالت اور ذہنیت اس درجہ پست ہے کہ باوجود صحیح الاعضا ہٹے کٹے جوان و تنومند ہونے کے ان کے بہت سے افراد گداگری کرتے نہیں شرماتے

---

[1] مثنوی تحفۃ العراقین مصنفہ خاقانی۔ اس کا باپ علی بن عثمان نجاری کا پیشہ کرتا تھا اور دادی عثمان
۔۔۔ ء

ہندی مسلمان اور عرب نژادگی

اسلامی تعلیمات نے نسب کے فخر اور غرور کو جس طرح مٹایا تھا اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں ملنا دشوار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہی نسبی تعلیاں اور فخاریاں عرب کے ہر قبیلہ کا شعار ہو گئی تھیں جس میں آج امروہہ کیا ہندوستان کے مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں لیکن آفتاب اسلام نے طلوع ہوتے ہی ایسے تمام ظلمات کے پردوں کو، جن سے ایک قوم کو دوسری قوم پر محض بربنائے اوصاف عالی نسبی ترجیح بلا مرجح حاصل ہوا کرتی تھی، چاک کر دیا اور قوم مسلم کا یہ شعار قرار دیا کہ :-

احسابکم اخلاقکم وانسابکم اعمالکم ‹ تمہارے حسب تمہارے اخلاق ہیں اور تمہارے نسب اعمال

ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اسلامی تعلیمات سے جس قدر بعد ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے اس کا ایک تاریک پہلو بھی نسب کا فخر و غرور اور نسل کا امتیاز و افتراق بھی ہے۔ ہندوؤں کی سوسائٹی کے اثرات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی چار ذاتیں شیخ، سید، مغل، پٹھان بن گئی ہیں اور اب یہ مرض ایسا متعدی ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان کو دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی دھن میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندی مسلم کے نسبی معاملات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا شاید نامناسب نہ ہوگا۔

ہندی مسلم تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جزو اعظم اُن اقوام پر مشتمل ہے جن کے بزرگ پہلے ہندو تھے، مختلف وقتوں اور زمانوں میں مسلمان ہوئے۔ مسٹر (بعد میں سر) ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ، سابق پروفیسر علی گڈھ کالج اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں :-

"ہندوستان کے مسلمانوں کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان تو وہ

ہیں جو غیر ملکوں ہی سے مسلمان آئے اور اس ملک میں آباد ہوئے - دوسری قسم کے مسلمان
وہ ہیں جو ہندوستان کے قدیم مذہبوں میں سے کسی مذہب کو پہلے مانتے تھے لیکن مختلف قوموں
اور زمانوں میں تعلیم و تلقین کے ذریعے سے ان کو مسلمان کر لیا گیا ....
ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ
بیگ یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں سید کا لقب اختیار کرتے ہیں لیکن ان لوگوں
کا زیادہ حصہ وہ ہے جنھوں نے بذات خود مذہب اسلام قبول کیا یا جو ہندوستان کے نومسلموں
کی نسل سے ہیں اور انہوں نے بعد میں ان عالی منزلت اشخاص کا قومی لقب اختیار کر لیا
جن کے ہاتھ پر انہوں نے یا ان کے بزرگوں نے دین اسلام قبول کیا تھا۔" [1]

ہندوستان کے نومسلموں میں، جنھیں اب "نومسلم" کہنا صحیح نہیں کیونکہ صدیوں سے یہ لوگ نسلاً بعد نسلٍ مسلمان چلے آتے ہیں، ہر قوم و نسل کے لوگ شامل ہیں - ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ اور "اونچ ذات" قوموں میں سے برہمن، راجپوت، جاٹ، نگے، بڑگوجر وغیرہ لیکن ہندوستان کے نومسلموں کا زیادہ حصہ ان اقوام پر مشتمل ہے جن کو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی اور اپنی پست حالت کے احساس نے ایک ایسے مذہب یعنی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے حلقہ میں شامل ہوتے ہی انہیں تمدنی و معاشرتی حقوق مساویانہ طور پر حاصل ہو گئے یعنی ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے جنھیں آرین قوم کے غرور نے انہیں "شودر" کا لقب دیا تھا۔
آرنلڈ صاحب دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ:-

" جنوبی ہند میں بعض "پنچ قوم" کے آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ برہمن سے چوہتّر قدم کے
فاصلہ پر رہیں، اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ کریں اور جب راستہ چلتے ہوں تو
پکارتے چلیں تاکہ "اونچ ذات" والے اُن کے پاس نہ آویں - اس قسم کی اور نظیریں بکثرت
سے بیان ہو سکتی ہیں - پس کیا تعجب ہے کہ ان ادنیٰ قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں
کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہو ....

داعیان اسلام جب بنگال پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آریائی سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف ملتفت ہو کر بڑھے

"ان لوگوں کے نزدیک، جن میں مفلس ماہی گیر، شکاری، بحری قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار شامل تھے، مذہب اسلام ایک رحمت اور اوتار تھا جو ان کے لئے آسمان سے اترا تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا اشخاص تھے جو توحید کا پیغام اور سب انسانوں کے برابر اور مساوی ہونے کا مژدہ ایک ایسی مخلوق کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔"[1]

صوبجات ممالک متحدہ کے چماروں اور کوریوں کے مسلمان ہونے کی داستان گزٹیر صوبہ اودھ میں جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا اقتباس آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"ملک اودھ کے بعض زرعی اضلاع میں نیچی ذات کے ہندوؤں کا مسلمان ہونا عجیب طرح سے پیش آیا ہے .... جس جس طرح کی پابندیوں سے یہ چمار اور کوری جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں مسلمان ہو کر آزاد ہو سکتے ہیں اور جس قسم کی سہولتیں اسلام قبول کرنے سے انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے جس میں ان کی قومی حالت ہندو ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے:۔

کوری اور چمار یعنی جولاہے اور موچی مصیبت اور ذلت کے نیچے سے نیچے طبقہ پر پڑے ہیں ان میں سے اکثر جو شمالی اضلاع میں رہتے ہیں ان کی زندگی بالکل غلامی میں بسر ہوتی ہے ......

فاقہ زدہ، بدن نزار، رنگتیں سیاہ، صورتیں بدہیئت، چہروں پر بے وقوفی کے آثار، غلیظ اور ناپاک ایسے کہ دیکھنے سے نفرت ہو، غرض یہ سب باتیں ان کے چھوٹے کرم اور کھوٹی

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۰۹ ۔ [2] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۹ ۔

تقدیر کا ثبوت ہے جس نے ان کو ذلت اور خواری کے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے جس میں انسان ہو کر وہ جانوروں سے بدتر شمار ہونے لگے...... تبدیل مذہب ان لوگوں کی نجات کا موجب ہوتا ہے۔" ۱

صوبہ بنگال میں مسلمان جولاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا واقعہ بھی یہی ہے۔ صاحب "پریچنگ آف اسلام" لکھتے ہیں:-

"اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو نہایت ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور جب کسی نیچی ذات کے ہندو کو ہندو مذہب کا خواہاں پاتے ہیں تو ہر طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب ان جانوروں کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس میں کوئی شخص ذات باہر نہیں ہو سکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کے لئے آزادی ملتی ہے تو اسلام کے فوائد حقیقی ان پر روشن ہو جاتے ہیں۔ بنگال کے جولاہے جو سوتی کپڑا بننے کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو ہندو بہت ذلیل جانتے ہیں اسلئے یہ جولاہے اس ذلت کی حالت سے چھٹکارا پانے کی خاطر بڑی تعداد میں دین اسلام قبول کر لیتے ہیں۔" ۲

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے چنانچہ آج بنگال کے مسلمان جولاہوں میں بہت سے اشخاص زیور علم سے آراستہ نظر آتے ہیں، اکثر خوشحال ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد یہ "مومن" یعنی مسلم کہلانے جو ان کا قومی لقب پڑ گیا۔ اپنی برادری کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے، انجمنیں بھی قائم ہیں۔ "المومن" نام سے ایک اخبار بھی نکلتے ہیں۔ ان کے بعض افراد بھی عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں۔

عرب نژادگی کا ادّعا

مسلمان پیشہ ور اقوام میں سے بعض گروہوں مثلاً پنجاب کے میراثیوں، قسائیوں اور نور بافوں (جولاہوں) کے کچھ افراد اپنے کو کچھ عرصے سے قریشی اور انصاری بیان کرنے لگے ہیں۔ یہ ادّعا ان کی تاریخی شواہد کے سراسر خلاف ہے

۱ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۹۔ ۲ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۷۔

مسٹر جان بیمس ایم - آر - اے - ایس نے ایک موقع پر صحیح لکھا ہے کہ[1]

"صوبجات ممالک مغربی و شمالی کے تمام حصوں میں وہ باشندے جو ابتداؤ ہندو تھے اور اب مسلمان ہیں ان کی بڑی تعداد شیخ، سید اور پٹھان کے قومی لقب اختیار کرنے میں بہت بیباک ہیں - بہت سے اپنے کو لفظ "خان" سے منسوب کرتے ہیں اور بعض تو سید تک لکھنے لگے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ ان کو دولت و تمول کے اعتبار سے سوسائٹی میں درجہ امتیاز حاصل ہو گیا ہو - صوبہ پنجاب میں جہاں تبلیغ مذہب اسلام کا سلسلہ بہت وسیع پیمانہ پر جاری رہا، ایک شعر ضرب المثل کے طور سے مشہور ہے جو غالباً کسی نو مسلم کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے :-

اُولا **ندّاف** بودم بعدہ گشتیم **شیخ** — غلہ چوں ارزاں شود امسال **سید** می شوم

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ذات کا **دھنیا** تھا پھر **شیخ** بن گیا اور اب اگر غلہ سستا ہو گیا اور فارغ البالی نصیب ہوئی تو **سید** بن جاؤں گا۔

اس سلسلہ میں مسٹر موصوف نے ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے - فرماتے ہیں کہ :-

"مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۸۶۰ء میں ضلع گجرات پنجاب میں ایک مضحکہ انگیز واقعہ پیش آیا تھا کہ عدالت دیوانی کا ایک مسلمان سررشتہ دار ہمیشہ سرکاری کاغذات میں اپنے نام کے ساتھ "سید ہاشمی قریشی" لکھا کرتا تھا لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا باپ جو ادنیٰ حیثیت کا شخص تھا، ذات کا لوہار ہے - بیٹے نے کچھ تعلیم پاکر سررشتہ داری کا عہدہ حاصل کر لیا تو وہ لوہار سے سید بن گیا ۔

اکثر طبائع انسانی میں تشخص و جاہ طلبی کا مادہ ہوتا ہے، مسٹر جان بیمس نے جو شعر بطور ضرب المثل نقل کیا ہے وہ شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے جس کی تصدیق اسلامی بستیوں کے

۱؎ میموائرس آف ریسز سرہنری ایلیٹ ۔ ۲؎ : Mr: John Beames

مقامی حالات سے ہو سکتی ہے' ہندی مشہور مثل ہے " مایا کے تین نام - پرسا' پرسو اور پرس رام' یعنی جب کچھ پاس نہ تھا پرسا کہلاتے تھے' جب ذرا حالت سنبھلی پرسو بن گئے اور جب سوسائٹی میں کوئی حیثیت حاصل کر لی تو لالہ پرس رام " کہلانے لگے نتیجہ یہی حال مسلمانوں کی سوسائٹی کا سمجھئے مثلاً جب ادنیٰ حالت میں تھے نظر آتے' جب کچھ حالت سنبھلی " ناظر " کہلانے لگے اور جب ذرا فراخ البالی نصیب ہوئی تو شیخ ناظر علی بن گئے - یہاں تک تو خیر غنیمت تھا' دنیاوی ترقی کے یہی تین مراتب ہیں - ہر انسان کو ترقی کرنے کا قدرتی حق حاصل ہے اور اسلامی مساوات نے " شودر و بادشاہ " کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رکھا لیکن یہ کیا نوبت ہے کہ لوگ دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنا نسب بھی تبدیل کر دیتے ہیں - پھر اس پر اصرار ہوتا ہے' مضحکہ انگیز اور لغو توجیہات پیش کی جاتی ہیں
ہندوستان کی مسلم پیشہ ور اقوام کے دعویٰ عرب نژادگی کو تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان میں فرد واحد بھی ایسا باقی نہ رہے گا جس کے آباؤ اجداد ہندو مذہب کے دائرہ سے نکل کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے - صرف ایک صوبہ پنجاب میں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے میراثیوں' قصابیوں اور بعض اور ہندی الاصل مسلمانوں کی تعداد جو آج قریشیت کے مدعی بنے ہیں حسب ذیل ہے :-

۱- میراثی	۲،۳۷،۰۲۱
۲- قصاب	۱۰،۲۲،۲۳۲
۳- آرائیں	۱۰،۹۰،۶۰۹
۵- کھوکھر	۶۹،۰۱۶
میزان کل :-	۱۹،۵۹،۰۰۸

ان کے مقابلہ میں پنجاب کے صحیح النسب قریشیوں کی تعداد صرف ۹۷،۶۲۵ ہے - یہ تو صرف ایک صوبہ کی مردم شماری کے اعداد ہیں - ان میں بھی نوربافوں وغیرہ کی تعداد شامل ہے

پس اگر اسی طرح ہندوستان بھر کے اعداد لئے جائیں تو یہاں کے سات کروڑ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ہندی الاصل باقی نہیں رہتا! حالانکہ ۷ کروڑ ہندی مسلمانوں میں بمشکل ایک کروڑ وہ مسلمان ہونگے جن کے آباؤاجداد بیرون ہند سے آئے اور ان کو بھی ہندوستان میں رہتے رہتے اتنی پشتیں ہوگئیں کہ آج انہیں غیر ہندی کہنا ہرگز صحیح نہیں۔

ذیل میں بعض اقوام کے نسبی اور تاریخی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جاتی ہے

میراثی:- یہ عربی کے لفظ میراث سے مشتق ہے جس کے معنی موروثی کے ہیں۔ آسان اردو لفظ بنا لیا گیا۔

"میراثی" در اصل ہمیں لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ۔ [1]

مرد کو میراثی اور عورت کو میراثن کہتے ہیں۔ فرنسس جانسن اپنی مشہور و مبسوط ڈکشنری (عربی و فارسی) میں لکھتے ہیں:-

میراثی: Hereditary, inherited - A singer (of a caste which follow that profession from generation to generation) [2]	میراثی۔ یعنی موروثی یا وراثت ایک ڈوم یا واڑی - یعنی اس فرقہ کا شخص جو اپنا پیشہ (گانے بجانے کا) نسلاً بعد نسل کرتے چلے آئے ہیں۔

اس کی تائید ایک قدیم سند سے بھی ہوتی ہے جو سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کے بزرگوں نے سنہ ۱۱۶۱ھ میں میٹھے میراثی کے ورثاء کو عطا کی تھی جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ قدیم الایام سے یہی اشخاص ہماری برادری کے موروثی میراثی ہیں اور دوسرا میراثی ہماری برادری کی "میراث" کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط ہے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے اس سند کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

---

۱؎ فرہنگ عشتی۔

۲؎ Dictionary Persian, Arabic, and English by Francis Johnson - 1852

" باعث تحریر ایں سطور در بیان آنکہ مایاں جملہ قبیلہ داران فرزندان سید حسن و فرزندان زبدۃ المتقین حضرت گنج شکر و فرزندان و نبیرائے .... [1]
و فرزندان بندگی حضرت شاہ ابن و فرزندان مولانائے لعل و مولانا شمس الدین نبا
و فرزندان چودہری تاتر کمان و فرزندان سالار ایوب و فرزندان ملک بھورا ..... ملک .....

سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد ایم دریں ولا
مسماۃ اسیرن و جان محمد و سکھا و دیگر وارثان میٹھے میراثی بہ اقرار و بہ ہوا ہمراہ اسناد سلفائے
و بزرگان با جمیع قبیلہ داران مرقومہ .... ۱۱۱۱ھ یک ہزار و یک صد و یازدہ ہجری
بدیں مضمون حاضر آوردند کہ وجہ میراث خانہائے با جمیع قبیلہ داران مسمی میٹھے پسر
کلاں مسماۃ بندی از قدیم مقرر ہست و میراثیاں مذکورہ را در میراث جملہ قبیلہ داران
مرقومہ الصدر دخل نیست و نہ شدہ لہذا اسناد مسطورہ را صحیح و مسلم داشتیم و وجہ میراث
خانہائے خود را بطبق اسناد بزرگان بفرزندان میٹھے میراثی مقرر داشتیم و فرزندان .....
میراثی را مداخلت نشود زیرا کہ محقق میراث در فرزندان میٹھے میراثی ہست ...... کہ تحریر
پیوست۔ تحریر فی التاریخ .... ۱۱۱۱ھ"

پنجاب میں ایک خاص ایکٹ "قانون انتقال اراضی" کے نام سے رائج ہے جس کی رو سے وہاں کی خاص اقوام کو زرعی اراضی کی خرید و فروخت کا حق حاصل ہے، ان اقوام میں صحیح النسب قریشی بھی داخل ہیں۔ میراثی، قسائی یا اسی طرح کی اور اقوام کو یہ حق حاصل نہیں۔ اس بنا پر اب اس چودھویں صدی میں میراثیوں میں بھی قریشی بننے کا شوق پیدا ہوا، عرصہ تک اخبارات و رسالوں میں بحث جاری رہی۔ روزنامہ زمیندار نے ۱۱ مئی ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں اس بحث پر ایک مضمون کے دوران میں لکھا تھا کہ:۔

---

[1] بوجہ کہنگی بعض مقامات سے کاغذ شکستہ ہو گیا تھا اسلئے صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ یہ مقامات نقل میں سادہ چھوڑ دیے گئے۔

جب حکومت نے قریشیوں کو اقوام زراعت پیشہ میں شامل کیا، تمام اقوام جو غیر زراعت پیشہ ہونے کے باعث اراضی زرعی نہیں خرید سکتی تھیں، قریشی بن گئیں اس کے بعد صوبجات متحدہ کے قصابوں کو قریشی بننے کا شوق چرایا .... (میراثیوں کو بھی) خیال ہوا کہ جب دھنئے، جولاہے، قصاب، حجام سب قریشی بن رہے ہیں تو ہم کیوں میراثی رہیں، انہوں نے اعلان کر دیا کہ میراثی بھی شجرِ قریشیت کی ایک شاخ ہیں ....“

پنجاب کے میراثیوں نے اپنے قومی لقب کے متعلق یہ عجب مضحکہ انگیز توجیہ پیش کی تھی کہ شاہان اسلام کے عہد میں تقسیم میراث کا منصب ہمارے بزرگوں سے متعلق تھا اسلئے ہم میراثی کہلاتے ہیں۔ فریق مخالف نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ تمہارے بزرگوں کے غیر شرعی اعمال دیکھکر کسی مسلمان بادشاہ نے انہیں ”میرِ عاصی“ کا خطاب دیا تھا۔ کثرت استعمال سے ”مراسی“ ہو گیا۔ لیکن یہ توجیہ اور اس کا جواب دونوں حقیقت سے دور ہیں۔ میراثی کی وجہ تسمیہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ میراثیوں کا نسبی تعلق حقیقتاً ہندو بھاٹوں سے ہے، اور بھٹئی ان کا علاً اب تک موروثی پیشہ ہے۔ اخبار مذکور نے محولہ بالا مضمون میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:-

”ہمارے سامنے میراثیوں کا کوئی نسب نامہ نہیں جس کے مطالعے سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں، لیکن اس قوم کے افراد کی قومی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کا کوئی عیب نہیں ہے جو ان میں نہ پایا جاتا ہو، چاپلوسی ان کی گھٹی میں پڑی ہے، جھوٹی تعریف ان کا شیوہ، تملق و خوشامد ان کا پیشہ، مسخرگی ان کا شعار، امراء کی محفلیں یہ گرماتے ہیں، غربا میں یہ اچھلتے، کودتے، ناچتے اور گاتے ہیں، شاہدانِ بازار کی طبلہ نوازی یہ کرتے ہیں، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیرت و حمیت جو قبیلۂ قریش کا خاص جوہر ہے، اس میں انہیں کہاں تک حصہ ملا ہے۔

تان سین کا نام اچھالنے والے، جو باورے کی مدح پر فتوح کو ثواب پہنچانے والے، موسیقی کے

علم بردار میدان نو نے نوازی کے شہسوار بہلاؤ بتا بتا کر نہر کھنے والے، بجٹہ، ٹھمری، دھرپد چھوڑ کر قرشیت کا نیا راگ الاپنے لگے، سائنٹیفک کے گزشتہ تاریخ کے میدان کو ناپنے لگے، عقائد کا یہ عالم ہے کہ ہر قبر ان کا خدا، ہر پیر ان کا دستگیر اور اس پر قرشیت کا دعوٰی —

ع مدارِ روزگار سفلہ پرور تماشا کن

قصّاب یا قسائی :۔ قصّاب عربی زبان کا لفظ ہے جو گوشت فروش کے معنی میں اسی طرح مستعمل ہے جس طرح بعض اور پیشوں کے عربی و فارسی کے مختلف الفاظ مثلاً نجّار، خیّاط معمار، بزّاز، مطرب، سقّہ وغیرہ مستعمل ہیں۔

قصّاب کا مادہ "**قصب**" ہے جس کے معنی عربی زبان میں کاٹنے اور بالخصوص بکری کے پارچے کرنے کے ہیں۔ گوشت فروش چونکہ گوشت کے ٹکڑے پارچے کرتا ہے اسلئے "**قصّاب**" یعنی کاٹنے والا کہلایا۔ قصّاب کا لفظ عربی زبان میں دوسرے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً بجانے والا یا بین بجانے کے معنی میں۔ اس کی جمع "قصابہ" ہے۔ عربی میں اونٹ کے گوشت فروش کو "جزار" کہتے ہیں اور اردو زبان میں قصّاب کو **قسائی** بحرف "س"۔

بعض کا خیال ہے کہ قسائی کا اردو لفظ عربی کے لفظ "**قص**" سے بگڑ کر قسائی ہوا، صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ :۔

"قسائی کا لفظ عربی کے لفظ قص بمعنی مار ڈالنے سے بگڑ کر قسائی ہوا۔" [۱]

لیکن قول مرجح یہ ہے کہ قسائی لفظ قسیؔ یا قساوت سے مشتق ہے، اس کو حرف ص سے لکھنا صحیح نہیں، صاحب فرہنگ محتشمی کہتا ہے کہ :۔

آنچہ در عوام "قصائی" بحرف ص شہرت دارد محض غلط است۔ [۲]	جو عوام میں لفظ "قصائی" جو حرف ص سے مشہور ہے محض غلط ہے۔

قسائی چونکہ قسیؔ یا قساوت سے مشتق ہے اسلئے بے رحمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے،

---

[۱] فرہنگ آصفیہ مطبوعہ [۲] فرہنگ محتشمی

حضرت شوق فرماتے ہیں :-

جو بچے تجھ سے تو خدائی ہے　　　آدمی کا ہیکو قسائی ہے

قصّاب کا پیشہ بھی چونکہ ایک طرح سے بے رحمی کا پیشہ ہے اسلئے مجازاً قصّاب کو اردو زبان میں قسائی کہنے لگے، اردو لٹریچر کی متعدد کہاوتوں اور استعارے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً "قسائی کے کھونٹے بندھنا" یا "قسائی کے حوالے" ہونا جیسے "بھنبھیا بھنبھوں میں یا قسائی کے حوالے" حضرت سودا کا مشہور شعر ہے ؎

جس دن سے اس قسائی کے کھونٹے بندھا ہوں　گزرے ہے اس نمط سے یہ بیری ہر نہار

آئین اکبری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قصابوں کو ان کے پیشہ کی بنا پر قساوت دلی سے منسوب کیا گیا۔ علّامہ ابوالفضل عہدہ کوتوال[۱] کے فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قصّاب و صیّاد و دھّال و کنّاس	قصّابوں، چڑی ماروں، مُردہ شوؤں اور بھنگیوں کی
را از مردم جدا جایگاه دہد۔ و مردم	سکونت کا مقام شہری آبادی سے جدا رکھے اور دوسرے
را از آمیزش ایں سنگ دلان سیہ	باشندوں کو ان بے رحموں اور سیاہ دلوں کے ملنے جلنے
دروں بر کنارہ دارد۔ [۲]	سے باز رکھے۔

سلطنت اسلامی کے زمانہ میں قسائیوں کی سکونت امروہہ میں بھی زیادہ تر کنارہ آبادی تھی۔ اب کچھ عرصہ سے اس قوم کے بعض ناواقف موقع شناس اور جاہ طلب اشخاص کہنے لگے ہیں کہ قسائی بھی حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدّ اعلیٰ جناب قصی بن کلاب کی نسل سے ہیں اسلئے "قصائی" کہلائے۔ یہ بات تو وہ ہی ہوئی کہ کسی

---

[۱] عہد مغلیہ میں اندرون شہر کے حاکم کو "کوتوال" اور بیرون شہر کے حاکم کو "فوجدار" کہتے تھے جو آجکل کے شہر کی مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے مساوی سمجھئے۔ [۲] آئین اکبری جلد اوّل مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۹۸۔

جاہل پٹھان سے کسی نے کہا کہ خان صاحب! تمھاری قوم یوں تو بڑی بہادر قوم ہے مگر تم میں کوئی نبی آج تک نہیں ہوا' خان صاحب یہ سُن کر برافروختہ ہو گئے' کہنے لگے کہ واہ' پٹھانوں میں نبی کیوں نہ ہوتے' کیا عیسیٰ روہیلہ تیرا دادا تھا؟ معاذ اللہ! جس طرح اس نادان پٹھان نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا کے خطاب رُوحُ اللہ کی مٹی روہیلہ کے لفظ سے پلید کی تھی اسی طرح آج جہالت کی بدولت جناب قصیّ کے خطاب کی مٹی لفظ قسائی سے پلید کی جاری ہے کجا قصیّ اور کجا قسائی؟ - چہ نسبت خاک را با عالم پاک -

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ -

اگر بات کہئے تو ایسی تو کہئے   کہ دائرہ ہو امکان عقلی کے اندر
نہ ایسی جسے سُنکے گرجائے چھت بھی   نکلجائے کتنوں کا دب کر کچومر

جناب قصیّ کے نامور جد

باشندگان ملک عرب حضرت نوح کے فرزند سام کی نسل سے ہیں' اسی نسبت سے ان کو سامی النسل (Semetic Race) کہتے ہیں - بلحاظ قبائل ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی:-

بنو قحطان:- یہ ابتداءً بلاد یمن میں رہتے تھے' یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جسکو "سیلِ عرم" کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ میں آکر آباد ہوئے - ان میں اوس و خزرج دو بھائی تھے' تمام انصار ان ہی دو کی اولاد سے ہیں -

بنو عدنان:- یا بنو اسمٰعیل - ان کی سکونت ارض مقدسہ حجاز و نجد اور ان کے قرب جوار میں تھی - ان کا انتساب حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہم السّلام سے ہے - اس قبیلہ میں عدنان (یا اُدنان) اپنے زمانہ کے مشہور شخص تھے ان کے نام سے یہ قبیلہ موسوم ہوا - جناب قصیّ کے اجداد اسی قبیلہ سے تھے' ان کا سلسلۂ نسب اس طریق پر ہے قصیّ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوے بن غالب بن فہر الملقب بہ قریش بن مالک بن نضر بن خزیمہ بن مدرکہ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان -

یہ دونوں قبیلے قحطانیہ اور اسماعیلیہ اس قدیم زمانہ میں متمدن قبیلے تھے جب دنیا میں تمدن و تہذیب کی کرنوں کی پوپھوٹ رہی تھی بالخصوص اسماعیلیہ جس میں یکے بعد دیگرے نبی اور پیغمبر ہوتے رہے۔ عدنان سے نویں پشت میں فہر ہوئے جو قریش کے لقب سے ملقب ہوئے[1]۔ عربی میں قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو نگل جاتی ہے۔ چونکہ فہر بن مالک اپنے زمانہ کے بہت بڑے سردار تھے جن کے سامنے اور سرداروں کی کوئی حقیقت نہ تھی اسلئے آپ کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی اور یہ قریش مشہور ہوئے' انہی کی اولاد **قریشی** کہلاتی ہے۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں :۔

اما قریش فالاصح فہر ‏ ‏ ‏ ‏ جماعها والاکثرون النضر

ظہور اسلام سے صدہا برس پہلے سے قریش کا شغل تجارت تھا لیکن وہ ہندوستان کے قسائیوں کی گوشت فروشی (قصابی) کی تجارت نہ تھی۔ قریش کے تجارتی قافلے دور دراز ممالک کو جاتے' یہ ان کے مالک ہوتے' صدہا غلام نوکر چاکر ساتھ ہوتے۔ ایک موسم میں یمن کی طرف کوچ ہوتا اور دوسرے موسم میں بصرے کی جانب۔

اگرچہ اس زمانہ میں تجارت کی راہیں خطرناک تھیں مگر قریش کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ہر شخص ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔[2]

یہ تجارت بھی معمولی پیمانہ پر نہ تھی۔ قریش کا ایک ایک فرد ہزاروں درہم دوسروں کو قرض دے دیتا تھا۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے امیرالمومنین **مامون الرشید** عباسیؒ کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو خلیفہ کے جد اعلیٰ جناب **عبدالمطلب** بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے :۔

حق عبد المطلب بن ہاشم من اہل مکۃ ''یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ

---

[1] بعض محققین کے نزدیک فہر کے دادا نضر سب سے پہلے قریش کے لقب سے ملقب ہوئے[2] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

علیٰ فلان ابن فلان الحمیری من جل قرل	فلاں شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ
صفۃ علیہ الف درھم فضۃ کیلاً یا لحدیدۃ	چاندی کے ہزار درہم ہیں' جب طلب کیا جائیگا
ومتٰی دعا ؤ بھا اجابہ شھد اللہ والملکان	تو وہ ادا کریگا۔ خدا اور دو فرشتے گواہ ہیں

ظہور اسلام کے وقت **قریش** میں سخت سے سخت کافر بھی تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے اسلام وپیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والصلوات کی دشمنی و ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھار کھا اور وہ بھی یہی تھے جنھوں نے اسلام کی اشاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی قربانیاں اور جاں فروشیاں کیں لیکن کفار قریش اور قریشی مسلموں کے نسبی اور قومی عظمت کا اندازہ حضور سرور کائنات کے اس ارشاد سے ہوسکتا ہے :۔

عن ابی ھریرۃ قال النبی	یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا
صلّی اللہ علیہ وسلّم	کہ (دین اور پیشوائی) میں سب لوگ قریش کے تابع ہیں اُنکے
الناس تبع لقریش فی ھذا	پرکہ (دوسرے قبیلوں کے جو) مسلمان ہیں وہ ان قریشی مسلمانوں
الشان مسلمھم تبع لمسلمھم	کے اور (جو اور قبیلوں کے) کافر ہیں وہ (قریشی) کافروں کے
وکافرھم تبع لکافرھم	تابع ہیں۔

غرضکہ جناب قصیٰ بن کلاب کا نسبی تعلق ایسے باعظمت قبیلہ سے تھا۔

جناب قصیٰ اور انکی اولاد امجاد

جناب قصیٰ کا نام نامی **زید** تھا' ان کا لقب قصیٰ اس وجہ سے پڑگیا تھا کہ بچپن میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے وطن آبائی سے بہت دور جا رہے تھے۔ عربی زبان میں **قصی** اپنے اعزا سے دور دراز مقام پر جا رہنے کو کہتے ہیں' **قصیٰ** کے معنی عربی میں بعید اور فاصلہ کے ہیں۔ **قصیاً** عربی میں بہت دور کے معنی میں آتا ہے' اس کا مذکر **اقصیٰ** ہے جیسے مغرب اقصیٰ وغیرہ۔

وکان زھرۃ بن کلاب کبیراً فترکتہ عند	قصیٰ کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کو تو ان کی قوم میں چھوڑ گئے
قومہ ورحلت بزید معھا لانہ کان فطیماً	اور زید یعنی قصیٰ کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ بچہ ابر تھے اور شانہ

فسمی قصیا لانہ اقصی عن دارہ[1] نام قصی اس لئے پڑ گیا کہ وہ اپنے وطن سے زیادہ فاصلے پر چلے گئے تھے

جناب زید الملقب بہ قصی اپنے زمانہ کے مشہور سردار قریش ہوئے انہوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے تمام قبائل قریش کو باہم متحد کیا اور اس وجہ سے ان کا ایک اور لقب مجمع یعنی جمع کرنے والا پڑ گیا تھا بعض اسی وجہ سے ان کو لقب قریش سے بھی ملقب کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

ابوکم قصی کان یدعی مجمعا　　به جمع الله القبائل من فهر

تمہارے جد قصی ہیں انکو مجمع بھی کہا جاتا ہے　　کیونکہ انکے ذریعہ اللہ نے اولاد فہر (قریش) کو متحد کر دیا تھا

ایک عیسائی مصنف جناب قصی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:-

"قریش کے سردار قصی ابن کلاب بن مرہ نے جو علاوہ اپنی ذاتی شرافت کے بہت بڑے حکیم، عاقل و دانشمند اور ذی وجاہت تھے، متولی کعبہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس سے غرض یہ مدنظر تھی کہ کعبہ کی سدانت (تولیت) بھی پھر بنی قریش کے قبضہ میں آ جائے ......

چونکہ خانہ کعبہ کے متولی کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مکہ کا بہت بڑا سردار ہو اسلئے قصی نے تمام قریش کو جمع کر کے اپنی سرداری ہتیا لی، لوگوں نے ان کو بخوشی اپنا سردار اور آقا تسلیم کر لیا۔ قصی نے مکہ کے چار حصے کئے، مکانات بنائے۔ اس وقت سے مکہ بڑی رونق سے آباد ہوا"[2]

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں فرماتے ہیں:-

"نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا ..... قصی نے ایک دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا ہوتے،

---

[1] عمدۃ الطالب مطبوعہ ص۱　　[2] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

قصیٰ نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے' مثلاً سقایہ اور رفادۃ خدّام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا' انہی نے قائم کیا' تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی کہ سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں' انکی میزبانی قریش کا فرض ہے' چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منا اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا' اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے' مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے' جس پر ایام حج میں چراغ جلائے جاتے تھے' چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے' قصیٰ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل انہی کو ملا۔ ... ... "[1]

جناب قصیٰ کی اولاد کے کارنامے

اس مشہور سردار قریش یعنی جناب زید الملقب بہ قصیٰ کے چار اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے' یعنی عبد مناف' عبد العزیٰ' عبد الدار اور عبد قصیٰ۔ یہ چاروں ہیرزادے اپنے زمانہ کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے۔ ان میں ایک کی نسل منقطع ہے یعنی آخر الذکر کے دو بیٹے منہب اور دہب ہوئے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ بقیہ تین بھائیوں سے وہ تین جلیل القدر خاندان متفرق ہوئے جنھوں نے اپنے علم وفضل' اپنی سیادت وقیادت' اپنی جہانبانی وجہانگیری اور اپنے لازوال اور تابناک کارناموں سے تاریخ عالم میں ممتاز جگہ حاصل کی یعنی عبد مناف سے خاندان **بنی ہاشم بنی امیہ**' عبد العزیٰ سے خاندان **اسد وزبیر**' عبد الدار سے خاندان **ابو سعد بن ابو طلحہ**۔ ان تمام خاندانوں کے ایک ایک فرد کا نام' اس کے حالات' اسکے کارنامے اور اس کے مشاغل دنیا کو معلوم ہیں' کیا ان ہی مشہور ومعروف' کیا ان ہی باعظمت وجبروت' کیا ان ہی

---

[1] سیرۃ النبی جلد اوّل۔ صفحہ ۱۱۱۔

[2] Geneologische Tebellen der Arabischen Slämme und Familian (Wästenfeld)

جامع فضائل و مکارم، کیا ان ہی معدن تہذیب و تمدن خاندانوں سے ہندوستان کے وہ قسائی اپنا نسبی تعلق پیدا کرنے کے آج مدعی بنے ہیں جن کی تمدنی پستی، جن کی قومی سیرت جن کی ادنیٰ حالت کا تھوڑا بہت اندازہ علامہ **ابو الفضل** کے اس فقرہ سے ہو سکتا ہے جو کسی دوسری جگہ نقل ہو چکا، ان کے پیشہ اور پست حالت کی بنا پر اسلامی سلطنت میں بحکم شاہی دوسری پست اقوام کی طرح باشندگان شہر سے دور رکھا جاتا تھا اور مسلمانوں کے کسی شریف طبقہ میں شمار نہ ہوتا تھا۔ کجا سرداران قریش کے وہ نامور خاندان جن کے ایک ایک فرد نے ربع مسکون میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں کجا ہندوستان کے وہ جدید مدعیان قرشیت جن کے سیکڑوں خاندان اسی خاندان قریش کے ان چند افراد کی اولاد کے جو ہندوستان کے اور مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آکر سکونت پذیر ہوئے زیر دست اور رعایا کی طور سے نسلاً بعد نسلٍ ادنیٰ حالت میں زندگی بسر کرتے رہے!

یہ سچ ہو کہ ہر کمالے را زوالے خاندان قریش کا وہ دبدبہ اور جہانگیری اب باقی نہیں لیکن ان کی گذشتہ عظمت کی یادگاریں آج بھی دنیا میں باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہینگی

جہاں کو ہو یاد ان کی رفتار اب تک   کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
ہیں سیلون[1] میں ان کے آثار اب تک   انہیں رو رہا ہو ملیبار[2] اب تک

ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر[3] پر

نہیں اس طبق پر کوئی بر اعظم   نہوں جس میں اُنکی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم   بناؤں سے ہو ان کی معمور عالم

---

[1] سیلون یعنی لنکا ہندوستان سے متصل جنوب میں مشہور جزیرہ۔ [2] ملیبار ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند کے مغربی ساحل پر واقع ہو۔ [3] جبرالٹر کو جبل طارق اور جبل الفتح کہتے تھے۔ اس سے بگڑ کر جبرالٹر ہوا مشہور فاتح طارق

سرِ کوہ آدم[1] سے تا کوہ بیضا[2]
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے اِن کا

وہ سنگیں محل اور وہ اُنکی صفائی — جمی جن کے کھنڈر پہ آج تک کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی — وہ مسجد جہاں جلوہ گر تھی خدائی

زمانہ نے گو ان کی برکت اٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے — مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے — وہ اجڑا ہوا کرّ و فر جا کے دیکھے

جلال انکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

ہوا اُندلس ان سے گلزار یکسر — جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر — یہ ہے بیت حمرا[3] کی گویا زباں پر

کہ تھے آلِ عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

خاکِ امروہہ بھی اسی **آلِ عدنان** کے، اسی خاندان **قریش** کے، ان ہی ہاشمیوں کا مولد ہے کے، جو سید القریش ہیں، بعض افراد آئے، یہیں ڈیرے جمائے، یہیں متوطن ہوئے، اپنے موروثی علم و فضل، اپنے خاندانی روایات، اپنے روحانی فیض سے ایک عالم کو مستفیض کیا، شجاعت

(گذشتہ سے پیوستہ)
اندلس کی مہم میں اوّل اسی پہاڑ پر پہنچا تھا۔ [1] سسلیوں میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہے اس میں سب سے اونچی چوٹی طلعہ آدم یا کوہِ آدم ہے۔ [2] اندلس میں ایک پہاڑ کی چوٹی جو ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے، عرب اس کو قلعہ بیضا کہتے تھے، اسکا قدیم نام شرا ہے۔ [3] حمرا شہر گرینیڈا (غرناطہ) میں ایک عمارت کا نام ہے۔

ہاشمی وجلادت حیدری کے جوہر دکھائے، اُن کے لازوال کارناموں سے تاریخ کے صفحات پر ہیں، وہ قرطبہ وبغداد کے محلات نہ سہی، وہ امروہہ کے ایوانات ومکانات ہی سہی، وہ میران سید عبدالماجد کے معمرہ قلعہ اور دیوان سید محمود کی عمارتوں کے آثار، وہ سید اسداللہ خان، سید علی اعظم خان گھڑیال والے اور دوسرے امرا کے ایوانوں کے شکستہ محراب ودر، وہ سید ابدال محمد، میر کلو، شیخ محمد عارف، سید عبدالخالق وغیرہ کی معمرہ مسجدوں کے گنبد ومینار، وہ امروہہ کے سادات وشرفاء کے صدہا دیوان خانوں، محلسراؤں، درگاہوں، خانقاہوں کے شکستہ کنگرے، غرضکہ اس چھوٹے سے شہر کی عمارتوں کی ایک ایک اینٹ آج اس سفلہ پرور زمانے میں بھی خاندان **قریش** کے اُن چند افراد کی نسلوں کے کارناموں، اُنکی گذشتہ عظمت، انکے اجڑے ہوئے کرّوفر کی داستانیں زبان حال سے سُنا رہی ہیں جو کبھی امروہہ آکر آباد ہوئے تھے۔

کیا امروہہ کے جدید مدعیان قرشیت کی "قرشیت" کا کوئی ثبوت، زیادہ قدیم نہ سہی، اب سے نصف صدی، چہارم صدی پہلے ہی کا کوئی ادنیٰ ثبوت، اینٹ اور چونے کی شکل میں اس سرزمین امروہہ پر ہی بتایا جا سکتا ہے؟ حقیقتاً نہ سمجھا جائے محض اظہار واقعہ کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں ان بیچاروں کے پاس تو انگل بھر زمین بھی اپنی ملکیت کی کبھی نہ تھی وہ ان ہی صحیح النسب قریشیوں کے رعایا کے طور سے، خام وخس پوش مکانوں میں رہتے آئے ہیں، جن سے آج نسبی تعلق ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے!

امروہہ کے قسائیوں، سفید بافوں (جولاہوں) اور بعض دیگر پیشہ ور اقوام کے بعض افراد نے اگرچہ انقلاب سلطنت کے بعد سے اراضیات خرید کر مکانات مسکونہ بنائے ہیں لیکن ان کا کثیر حصہ اب تک سادات وشرفا کی مملوکہ سراؤں اور اراضیات میں بطور رعایا وکرایہ دار ساکن ہے، بعض لوگ حکومت کے مروجہ قانون میعاد کی بدولت مالکانہ قابض ہو گئے ہیں اسی سلسلہ میں سنہ ۱۱...ھ کی ایک دستاویز کی نقل ذیل میں درج کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

جس میں قصابوں، سفید بافوں (جولاہوں) دھوبیوں وچھپیرہ ومالی وگلفروش وغیرہ کی سکونت کی سراؤں کا تذکرہ ہے۔—

شجاعت علی حسینی ۱۱۲۰

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم ونسب خود مسمّی سیّد شجاعت علی بن سیّد ہزبر علی بن سیّد غضنفر علی سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال بصحت اقرار بدیں وجہ کہ انچہ حصہ شرعیہ منجملہ قطعہ کاشت موسوم چھپورہ و سرائے سکونت قصاباں .... کہ در گنج و بازار جدید متعلقہ سیّد محمد اسد اللہ داخل شدہ وزمین خانہ ودو دکان نانبائی وخانہائے سفید بافاں وگاذراں وچھپیرہ ومالی گلفروش ودر حویلی سکونت صالح محمد خان بن و حویلی سکونت مراد بخش کہ در باورچی خانہ وغیرہ تعلقہ سیّد محمد اسد اللہ مذکور داخل است ودر دیوانخانہ انچہ حصہ شرعیہ محمد اسد اللہ مذکور مقرر است از انجملہ یک صد ودہ مکسر عوض زمین ہا صدر گرفتہ از سیّد محمد اسد اللہ بن سیّد مصطفےٰ علی بن سیّد ہزبر علی معاوضہ نمودیم وانچہ حصہ من مقر در زمین ہا مذکورات صدر بود در قبض سیّد محمد اسد اللہ کذا تسلیم وزمین منجملہ دیوانخانہ عوض آں در تصرف خود آوردیم تقابض البدلین بین المتعاقدین حاصل گشت بنا بر آں ایں چند کلمہ بطریق عوض معاوضہ نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال عند الحاجت حجت گردد۔ کان ذالک تحریر فی التاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۲ مطابق سنہ ۱۱۰ ہجری یک ہزار یک صد نفاد ہجری—

[illegible] علی حسینی ۱۱۰۶ — سید ظہور علی حسینی ۱۱۴۴ — [illegible] علی حیدری ۱۱۴۹ — غلام قطب الدین حسینی ۱۱۹۳

کیا کوئی صحیح النسب قریشی دوسرے قریشی کا، کوئی صحیح النسب ہاشمی دوسرے ہاشمی کا بردردہ ہو سکتا تھا؟ زیردست ہو سکتا تھا؟ رعیّت ہو سکتا تھا؟ کیا اسلامی سلطنت میں کسی صحیح النسب عربی قبیلہ کے افراد کی ایسی پست حالت ممکن تھی جو جدید مدعیان قرشیت کی ہمیشہ سے رہی ہے؟ آج کے دورِ تنزل وانحطاط میں، آج کے "روزگارِ سفلہ پرور" میں جو چاہے کوئی بن جائے، آج کوئی ذات کا بھنگی، ذات کا چمار بیتیمہ واسطباع لیکر انگریزی پڑھ کے حکومت کی کرسی پر جا بیٹھے

تو کیا اس سے اس کا نسب بھی بدل جائے گا؟ آج کوئی قسائی کسی قریشی کی جائداد کسی سید کا دیوانخانہ خرید لے تو کیا نسباً وہ قریشیۃ و ہاشمیۃ کا مدعی بھی بن جائے گا۔؟

ایک لچر اور پوچ دلیل

قسائیوں کے عربی النسل ہونے کی ایک لچر اور پوچ دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ ان کی زبان پر عربی زبان کے الفاظ اُنکے پیشہ کی مصطلحات کے طور سے اب تک جاری ہیں۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جس کی حقیقت اس سلسلہ میں ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے ذیل میں وہ چند الفاظ ' یا بہ عبارت صحیح ' اُن کی مسخ شدہ صورت اور ان کے مقابلہ میں صحیح عربی الفاظ لکھتا ہوں جو کم از کم امروہہ کے قسائیوں میں مستعمل ہیں:-

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	صحیح عربی لفظ	اردو لفظ
۱	خستا	واحد	ایک
۲	جُورخستا	اثنان	دو
۳	دَھلّا	ثلثہ	تین
۴	رَتّبا	اربع	چار
۵	کھمّس	خمسہ	پانچ
۶	تھِس	ستہ	چھ
۷	سنّبا	سبع	سات
۸	مانجی	ثمانیہ	آٹھ
۹	اُثاثر	تسع	نو
۱۰	آسر	عشرہ	دس
۱۱	کھمّس این	خمس وعشرون	پچیس
۱۲	جوڑے پہ ڈینگا	اثنان وثلاثون	تبیس

نمبر	قتائیوکی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۱۳	کمس اگلا ڈیگا	خمسؔ وثلاثون	پینتیس
۱۴	یلج	اربعون	چالیس
۱۵	آدمی لان	خمسون	پچاس
۱۶	لان	مائۃ	سو
۱۷	کھڑے	خمسون ومائۃ	ڈیڑھ سو
۱۸	جوڑے	مأتَین	دوسو

گوشت کی پارچوں کو نام

نمبر	قتائیوکی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۱۹	مٹوز سنگ		پٹھہ
۲۰	مقدم	مقدم	ران کا اگلا حصہ
۲۱	بٹھیک	وَرک	ران کا اوپر کا حصہ
۲۲	کھوج	فخذ	ران
۲۳	بھرک	وَرک	ران کا نیچے کا حصہ
۲۴	بکھا	عنُق	گردن
۲۵	پنجے	صُلب	پسلیاں
۲۶	اسپلت	صَلیرۃ	بایاں حصہ
۲۷	پٹس	حنجَرہ	نرخرہ
۲۸	مانجی	قَلب	دل

مُخَتلِف اَلفاظ

نمبر	قتائیوکی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۲۹	کاندو	ہندی	ہندو
۳۰	جمشی	جاموس	بھینس
۳۱	تکھر	بقر	گائے

نمبر	قسائیونکی خاص بولی	عربی الفاظ	اُردو
۳۲	ڈہوریا	ثور	بیل
۳۳	پہیری	عجیل	بچھیا
۳۴	پہیرا	"	بچھڑا
۳۵	ڈینگی	"	کٹڑیا
۳۶	ڈینگا	"	کٹڑا
۳۷	ہرکٹنی	فیل یا فرس	گھوڑی
۳۸	جیدلا	سَیِّدنَا وَ مَولٰنا	سیّد و مولوی
۳۹	پتھیرا	اَلنَّاس	عوام
۴۰	پٹڑا	قماش (قمشہ)	کپڑا
۴۱	گل کرنا	تَکَلَّمْ	بات کرنا

ان الفاظ میں صرف آٹھ نو الفاظ ایسے ہیں جن کو عربی کے بعض الفاظ سے کچھ مشابہت حاصل ہے باقی اُن کی اپنی خاص زبان کے الفاظ ہیں۔ ان عربی نما الفاظ کی مسخ شدہ صورت ہی اس کا صاف اظہار کر رہی ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنے والوں کی خود اپنی مادری زبان کے الفاظ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس غیر قوم کی زبان کے چند الفاظ ہیں جن سے استعمال کرنے والوں کے آبا و اجداد کا کاروباری تعلق عرصہ دراز تک رہا' اسی عربی بولنے والی قوم نے ان کو مسلمان کیا' قصابی یا تو ان کا پہلے سے پیشہ تھا یا اسلام لانے کے بعد مقرّر ہوا' غرضکہ جو صورت بھی ہو گائے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں سوائے اسی عربی بولنے والی قوم کے اور کسی دوسری قوم سے چونکہ ان کا کاروباری تعلق مطلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا گنتی کے چند لفظ' گوشت کے پارچوں کے چند نام' جو بول چال میں اس حکمران عربی قوم کے افراد ادائے مطلب کے لئے ان قصابوں سے بولتے وہ انہوں نے بعینہ اسطرح اخذ کر کے اپنی پیشہ کی مخصوص مصطلحات بنا لئے جس طرح

آج ایک بوچڑ Butcher، ہندوستان کے ان مقامات پر، جہاں انگریزوں یا یورشین حضرات کی آبادی زیادہ ہوتی ہے، چند انگریزی الفاظ مسخ شدہ صورت میں استعمال کرلیتا ہے۔ اِن بوچڑوں کی زبان پر یہ چند انگریزی الفاظ کچھ اسطرح چڑھ جاتے ہیں کہ انگریزوں کے علاوہ ہندوستانیوں سے بھی کاروباری گفتگو میں اکثر یہی الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مجھے اسکا ذاتی تجربہ ہوا، اُس زمانہ میں کہ قسائیوں کی ادّعائے قرشیت کا اظہار شروع ہوا تھا میں دیرہ دون میں ایک عزیز کے بنگلہ پر، جو انگریزی طرز معاشرت رکھتے ہیں، مقیم تھا، ایک دن اِن عزیز کے خانساماں نے کسی بوچڑ (قسائی) کو جس کے خراب گوشت دینے کی شکایت تھی اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ باوجودیکہ وہ بوچڑ کسی انگریز سے نہیں بلکہ ہندوستانیوں سے گفتگو کررہا تھا تاہم وہ اپنی ٹوکری میں سے گوشت کے پارچے نکالتا اور دکھا دکھا کر کہتا جاتا تھا کہ جناب! دیکھئے یہ پھریس ماٹن (Fresh mutton) ہے۔ یہ سلیس (slice) کیسا عمدہ ہے، یہ لگ (Leg) کیسا نیس (nice) ہے۔ میں اُس کی زبان سے اِس قسم کے چند مسخ شدہ انگریزی الفاظ سنکر سوچنے لگا کہ اگر ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت، ان کی آبادی چند صدیوں تک اور باقی رہی، اور اِس بوچڑ کی نسل میں چند افراد نے عیسوی مذہب قبول کرکے یا انگریزی طرز معاشرت اختیار کرکے یہ دعویٰ پیش کردیا کہ ہمارے آبائی پیشہ کا لقب انگریزی کا لفظ بوچڑ (Butcher) ہے اور ہماری زبان میں بھی چند انگریزی لفظ شامل ہیں لہٰذا ہم انگلو سیکسن (Anglo-saxon) قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں یا فرڈنینڈ دی گریٹ (Ferdinand the Great) کی اولاد میں ہیں، انگریزی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے اور گوشت فروشی کی وجہ سے ہمارا لقب Butcher پڑ گیا تو غور طلب سوال یہ ہے کہ اس بوچڑ کی اولاد کے دعوئے فرنگیت اور آج کے قسائی صاحبان کے دعوئے **قرشیت** میں کیا فرق ہوگا!! ہندوستان کے بعض اُن مقامات پر خواہ وہ Hill stations (پہاڑی مقامات) ہوں یا میدانی علاقہ کے بعض شہر جن میں اینگلو انڈین و یوروشین حضرات کی زیادہ آبادی ہے، کیا کبھی آپ نے کسی ہندوستانی

تاجر دوکاندار کو کسی انگریز سے کاروباری گفتگو کرتے نہیں سُنا، جو مثلاً کہتا ہو "صاحب!
اِس کا پرِیس (Price) پھائِف رُوپی پھور آنز (Five rupees and
four annas) بس صاحب ایک بات، خوَاہی ٹیک یعنی You may pur-
chase) کے بجائے خوَاہی نوٹیک یعنی (You may not purchase)
تو کیا اِن مسخ شدہ اور غلط الفاظ کا زبان پر چڑھ جانا اور عادتاً کاروباری گفتگو میں ان کا ادا
ہونا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان الفاظ کے بولنے والے انگلو سیکسن قوم سے نسبی
تعلق رکھتے ہیں؟ یہ اگر صحیح نہیں تو پھر فرانسیسیوں کی زبان پر جو چند مسخ شدہ اور غلط الفاظ بطور
مصطلحات پیشہ رائج ہیں وہ اُن کی عربیت یا قرشیت کی کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں فاین تذہبون!

مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے اختلاط اور میل جول سے غیر زبان کے جو الفاظ
مروج ہوتے ہیں اُن کی مثالیں ہندوستان کی زبانوں میں بکثرت مل سکتی ہیں۔ عہدِ مغلیہ
اور اس سے قبل کے ہندو شاعروں کے دوہروں کو دیکھئے، برج بھاشا میں کہے گئے مگر
مگر جابجا فارسی اور عربی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ **کبیر** شاعر بنارس کے رہنے والے
محض اَن پڑھ، گرو رامانند کے چیلے اور کبیر پنتھیوں کی مت کے بانی ہیں، فرماتے ہیں ؎

دین گوایو دُنی سے دُنی نہ آیو ہاتھ | پیر کہاڑی مار یو گا (غافل) اپنے ہاتھ
کبیر سر پر سر آئے ہے کیوں سوئے سکھ چین | کوچ (نقارہ) نگارا سانس کا باجت ہے دین رین

اسی طرح **گرو نانک** صاحب کے کلام میں عربی و فارسی کے الفاظ بکثرت ہیں، مثلاً

ساس ماس سب جیو تمھارا | تو ہے کھرا پیارا
نانک شاعر ایو کہت ہے | سچے پروردگارا

بابا تلسی داس برہمن ذات، ضلع باندہ کے رہنے والے سنسکرت داں رامائن کا ترجمہ
برج بھاشا میں کرتے ہیں، مگر فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال میں لاتے ہیں ؎

گھر بسو اسن بچن ہٹ بوسے | کتنی بھنگ کلہ بھی کھونے

رام اہنک گریب نواجے — لوک بید بر برد برا بجے
مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ — تلسی داس گریب کی کوئی نہ پوچھے بات

ایسی مثالیں بکثرت بیان کی جا سکتی ہیں۔ انگریزی زبان کے الفاظ جس طرح آج اردو میں مستعمل ہیں اس سے تو ہر شخص واقف ہے لیکن آج سے دوڈھائی سو برس پہلے جب شمالی ہند میں شاید کوئی فرد واحد بھی انگریزی زبان سے آشنا نہ تھا انگریزوں کے میل جول سے صدہا الفاظ انگریزی و پرتگالی کے بول چال میں استعمال ہونے لگے تھے حتیٰ کہ اس زمانہ کے شاعر اپنے کلام کو ان سے زینت دیتے تھے۔ ذرا سید انشاء کے مشہور قصیدۂ تہنیت جشن کو پڑھئے قریب قریب ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ انگریزی یا پرتگالی کا ملیگا۔ یہاں چند شعر نقل کرتا ہوں ؎

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر — کرسی ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھاویگا رنگ — کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھیگا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کرینگے حاضر — آکے جب غنچۂ گل کھولینگے بوتل کا دہن
پتے ہل ہل کے بجاوینگے فرنگی طنبور — لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگِ ابر بہاری سے کئی — خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہونگے سب جمع — آن کر اپنا بگل پھونکیگا جب سکھدرشن

گھوڑے کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

ہو اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اسکا — حاضری کھائے جو کلکتہ تو لنڈن میں ٹِفن

تو کیا جس طرح ہندوؤں کی زبان پر مسلمانوں کے میل جول سے عربی و فارسی کے الفاظ اور انگریزوں کے اختلاط سے ہندوستانی شاعروں کے کلام میں انگریزی الفاظ مستعمل ہونے لگے تھے ہندوستان کی پیشہ ور قوم کا عربی بولنے والی قوم کی بول چال سے چند الفاظ اخذ کر کے استعمال کر لینا اور وہ بھی صرف ان ہی ملشہ وروں کا استعمال کرنا جن کا کاروبار

محض عربی بولنے والی قوم کے ساتھ عرصہ دراز تک رہا کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں
رہا اور وہ چند الفاظ بھی جو صرف کاروباری گفتگو کے الفاظ ہوں کیا اس امر کی کوئی دلیل
ہو سکتے ہیں کہ یہ غلط اور مسخ شدہ الفاظ اُن کی اپنی مادری زبان کے الفاظ ہیں سبزی قصابوں
کی زبان پر تو اِن میں کا ایک لفظ بھی نہیں اور اسلئے نہیں کہ اُن کے پیشہ کا تعلق صرف
مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا جن کی زبان ابتداءً عربی یا عربی آمیز فارسی تھی بلکہ بکرے
کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں ہندوستان کی دیگر گوشت خور قوموں سے بھی برابر
کا تعلق رہا۔

عربی فارسی کے بہت سے الفاظ مسخ شدہ صورت میں عرصہ دراز سے ہندوستانی زبان بولنے
والی تمام قوموں کی زبان پر رائج ہیں تو کیا وہ اُن کے عربی النسل ہونے کی دلیل میں پیش
کئے جا سکتے ہیں ایسے چند الفاظ کا یہاں لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا:۔

افراتفری (افراط تفریط) **پجاوہ** (پزادہ) **تارتلا** (تار طلاّ) **ہمام دستہ** (ہاون دستہ)
کہگل (کاہ گل) **کھیسا** (کیسہ) **توبہ تلنوہا** (توبۃً نصوحا) **تانے تشنے**
(طعن و تشنیع) **ٹاٹ باقی** (تار باقی) **جھاڑو** (جاروب) **بجے منڈل** (بدیع منزل) وغیرہ
ہندوستان میں صحیح النسب عربی خاندان مختلف اقطاع ملک میں مختلف زمانوں
سے آباد ہیں ایسے بھی ہیں جن کو ہندوستان آئے صدیاں گذر گئیں اور ایسے بھی جن کو کچھ
زیادہ زمانہ نہیں گذرا کیا ان میں سے کسی کی زبان پر اس قسم کے مسخ شدہ اور غلط الفاظ باقی
ہیں؟ آخر ان کی زبان پر کیوں باقی نہیں اور قسائیوں کی زبان پر اب تک کیوں باقی ہیں؟
سوچنے کی بات ہے صحیح النسب عربی خاندانوں کی زبان پر اسلئے باقی نہیں کہ وہ اُن کی مادری
زبان تھی ہندوستان میں اُن کی جو نسلیں پیدا ہوئیں جس مقام پر پلیں بڑھیں وہاں
کی مروجہ زبانوں نے اُن کی مادری زبان کی جگہ لے لی قسائیوں کی مادری زبان چونکہ
عربی نہیں تھی بلکہ صرف یہ چند الفاظ انہوں نے اولاً عربی زبان بولنے والوں کی بول چال سے

اپنے اِس کاروبار اور اپنے اِس پیشہ کے متعلق حاصل کئے تھے جس کا تعلق ابتداءً صرف ان ہی عربوں سے تھا کسی اور قوم سے نہ تھا اسلئے وہ ہی چند الفاظ' جو محض کاروباری گفتگو کے الفاظ ہیں' انکی دو چار نسلوں کے بعد اُن کے پیشہ کی مخصوص مصطلحات بن گئے" اُن کا **دھلا** عربی زبان کا **ثلثہ** نہیں تھا بلکہ ان کے پیشہ کا دھلا تھا وہ دھلا آج تک چلا جاتا ہے' ان کا **کھمش** عربی کا **خمسہ** نہ تھا بلکہ ان کے پیشہ کا **کھمس** تھا چنانچہ وہ آج تک اپنی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی ہے اور علیٰ ہذا القیاس ۔

یہ تو مسخ شدہ عربی الفاظ کا حال ہے لیکن یہ **خستا** اور **جورخستا** کس زبان کے لفظ ہیں' جو واحد اور اشتان کے معنی میں مستعمل ہیں ۔ آپ اگر **خستا** اور **جورخستا** کو ذرا بلند آواز سے کہئے تو ایک ہی آواز میں ان کی عربیت کا بھانڈا پھوٹ جائیگا ۔ ہاں' ذرا چلا کر کہئے تو **جورخستا**! اُس سے عربیت ٹپکتی ہے یا سندھیت و بلوچیت !!

ان الفاظ کے علاوہ اگر اُن فقروں اور اُن الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو یہ لوگ اپنی خاص بولی میں استعمال کرتے ہیں تو یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ ان کا نسبی تعلق ہرگز و زنہار کسی عربی قبلیہ سے نہیں ہے بلکہ سندھ و بلوچستان کی کسی ادنیٰ قوم سے ہے ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:-

کانڈو کے سے لیڑا کِد لاد اں :- یعنی ہندو کے سے کپڑا خرید لائیں ۔

پیتھرا کتّال کیا ہے :- یعنی غیر دیکھ رہا ہے ۔

لنتینن تھک رہی ہیں :- عورتیں بیٹھی ہیں ۔

لنتینن بڑی سپلائی ہیں آؤ تھنگ جاؤ :- یہ عورتیں بڑی خوبصورت ہیں آؤ بیٹھ جاؤ ۔

بھکر کو تھنگا دو اور **لاپ لو** :- یعنی گائے کو ڈھا دو اور کاٹ لو ۔

اسی طرح اور بہت سے فقرے ہیں جن میں لفظ ہیں یا ہیں کے سوائے مسخ شدہ سندھی اور بلوچی الفاظ شامل ہیں ۔

خصائص قومی نوعِ انسانی کی مختلف شاخوں کے نسبی معاملات کا ثبوت اور اسکا صحیح اندازہ علم الانساب کی کتابوں، کرسی ناموں کے اوراق اور شجرہائے نسب کے بوسیدہ چیتھڑوں سے کہیں زیادہ ان اقوام کی عادات و خصائل شکل شمائل اور خصوصیات قومی سے ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کا کوئی دُور کا واسطہ و تعلق بھی قوم عربی سے نہیں پایا جاتا۔

اہل عرب کی صفائی ذہن اور فطری سرعت فہم دنیا میں مسلم ہے برخلاف اسکے ہندوستان کے ان مدعیان عرب نژادگی کی کند ذہنی مشہور ہے۔ زباں دانی اور فصاحت و بلاغت عرب کے ایک ایک فرد کا مخصوص جوہر تھا، تعلق اعرابی و عدنانی فصاحت دنیا میں مشہور ہے۔ اپنے علاوہ تمام دنیا کو انہوں نے عجم (یعنی ژولیدہ بیان) کا خطاب دے رکھا تھا۔ عرب سے باہر جہاں گئے اور جس ملک میں جاکر ڈیرے جمائے یہ فطری جوہر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بازار **عکاظ** کا سماں ہر جگہ جار چایا، فارسی ہو یا اردو، سندھی ہو یا پنجابی ہر زبان میں فصاحت کے دریا بہادئے۔ ان زبانوں کے چوٹی کے شعرا کی فہرست اٹھاکر دیکھو اس میں کوئی **میر تقی میر** ہاشمی ہوگا، کوئی شیخ **غلام ہمدانی مصحفی** قریشی۔ کیا جدید مدعیان قرشیت کسی قسائی شاعر کا نام پیش کر سکتے ہیں۔؟

اقوام عالم میں صرف اہل عرب ہی اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد رہے ہیں کہ انکے جاہل سے جاہل افراد بھی اپنے انساب محفوظ رکھتے تھے۔ انسان تو انسان وہ اپنے جانوروں یعنی گھوڑوں، اونٹوں حتیٰ کہ کھجوروں کی نسلیں تک جانتے اور ازبر رکھتے تھے۔

"عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلہ سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں معدوم تھیں مثلاً **انساب** کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے

گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ [1]

اہل عرب اور قریش عرب سے نکلکر جہاں بھی گئے اور جس ملک میں بھی جا کر بسے یہ قومی خصوصیت اپنے ساتھ لیتے گئے آج ہندوستان کے اندر خاندان قریش کی جو صحیح النسب نسلیں آباد ہیں ان میں انساب کے محفوظ رکھنے کا اہتمام سلف سے برابر چلا آتا ہے۔ کیا یہ جدید مدعیان قرشیت پانچ نہیں دس بارہ پشت تک، جناب قصی تک نہیں تو اپنے کسی ہندی بزرگ ہی تک اپنا سلسلۂ نسب مسلسل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟

میں اقوام کے محاسن و رذائل پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا، آج کے حالات سے بحث نہیں، دو تین صدیوں پہلے ہی کا زمانہ چشم تصور میں لاؤ اور دیکھو ہندوستان کے مسلمانوں کے کس طبقہ میں شجاعت، زہد و تقوی، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنار کے نمونے ملتے ہیں۔ کیا ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کے افراد کے اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت میں کوئی خفیف سے خفیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی قریش تو قریش مسلمانان ہند کے کسی شریف النسب طبقہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر پایا جاتا ہے تو اسکا کوئی ثبوت اور اگر نہیں پایا جاتا تو پھر یہ دعوی قرشیت کیسا؟

ہندی پیشہ وروں کی قومی خصوصیات

ہندوستان کے پیشہ ور اقوام میں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان چند خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک و قوم کے پیشہ وروں اور بالخصوص عرب وغیرہ میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی خصوصیت کسی پیشہ کا ایک ہی قوم و نسل میں متوارث ہو جانا اور نسلاً بعد نسلٍ اس نسل کے افراد کا اپنے آبائی پیشہ کا اختیار کرنا۔ یہ خصوصیت ابتک صرف ہندوستان ہی کو حاصل رہی ہے کہ یہاں ذاتیں اور برادریاں بربنائے پیشہ کے قائم

---

[1] الفاروق صفحہ ... مطبوعہ ...

ہوئیں، اور باپ کے بعد بیٹا اسی پیشہ کو کرتا رہا۔ سلطنت برطانیہ کے زمانہ سے البتہ ایسا ہوا ہے کہ بعض پیشہ وروں نے اور اور پیشے بھی اختیار کرنے شروع کر دئے ہیں لیکن انکی مثالیں خال خال ہیں ورنہ اب بھی بالعموم یہی حالت ہے کہ جولاہے کی نسل سے ہے تو جولاہے کا پیشہ کرے گا، قسائی کی اولاد سے ہے تو بالعموم قسائی کا کام۔ ہندوستان کے علاوہ اور ممالک بالخصوص عرب میں یہ کیفیت کبھی نہیں رہی۔ اسلئے ہندوستان کے قسائیوں وغیرہ کے بعض افراد جو کچھ عرصہ سے عرب نژادگی کے مدعی بنے ہیں اپنی اس قومی خصوصیت کو، جو انہیں اپنے ہندو ہم جدیوں کے ساتھ مشترکاً حاصل ہے کس طرح میٹ سکتے ہیں؟

دوسری خصوصیت اور سب سے بڑی خصوصیت اِن ہندو اور مسلمان پیشہ ور اقوام میں **پنچایت** کا دستور ہے۔ ہندوستان میں جتنے عربی و عجمی النسل خاندان آباد ہوئے کسی ایک میں کبھی بھی **پنچایت** کا رواج نہیں رہا۔ خود "پنچایت" کا لفظ، اس کی اصل، اسکی غرض و غایت، اسکی ہیئت ترکیبی، یہ سب اس کے ہندی ہونے کا بیّن ثبوت ہیں۔ پنچایت کا دستور ہندوستان میں قدیم ترین زمانہ سے ہے اور ہندو دیہاتیوں اور بالخصوص ہندو پیشہ ور تمام اقوام میں پایا جاتا ہے۔ पंचमें परमेश्वर "پنچ میں پرماتما" مشہور ہندی مثل ہے۔ پنچایت حقیقتاً برادری اور فرقہ وارانہ تنظیم کے لئے بہت مفید ہے اسکو اگر دانشمندانہ اصول پر چلایا جائے تو باہمی نزاعات کا تصفیہ بخوش اسلوبی ممکن ہے، "پنچایت" کے علاوہ ہر پیشہ ور برادری میں **چودھری** یا چودھریوں کا مقرر ہونا، برادری کے فیصلہ سے برادری کے کسی مجرم کا کھان پان اور حقہ پانی بند ہونا، یہ سب دستور اور رواج ہندی الاصل ہونے کے کافی ثبوت ہیں۔ **چودھری** کا لفظ بھی ہندی لفظ ہے اصل میں **چتردھر** تھا، بگڑ کر چودھری ہو گیا۔ یہ دستور صرف اُن ہی اقوام میں ہیں جو نسباً ہندی ہیں اور یہ وہ قدیم کنسٹی ٹیوشن اور دستور ہیں جو اسلام لانے کے بعد تقریبات کے صدہا ہندوانہ مراسم کے ساتھ اِن اقوام میں باقی رہے۔

قصابیوں کا نسب

مندرجہ بالا بیانات سے جب یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ امروہہ وغیرہ کے قصاب نسباً نہ قریشی ہیں اور نہ عربی النسل تو اب یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ آخر وہ کس قوم و نسل سے ہیں یا ہوسکتے ہیں۔

اس مسئلہ پر غور کرتے وقت بعض سطحی معلومات کے لوگ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ قصابوں کا پیشہ چونکہ گائے وغیرہ کی گوشت فروشی کا پیشہ ہے اسلئے یہ کسی ہندو قوم سے تو ہو نہیں سکتے لامحالہ ہندوستان کے باہر سے آئے ہونگے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال محض بربنائے عدم واقفیت ولاعلمی کے ہے۔ ہندؤں کی تہذیب و تمدن کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہندوستان میں "جیو ہتیا" کا مسئلہ ہمیشہ سے نہ تھا' ہندو تہذیب و تمدن نے بھی زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف پلٹے کھائے ہیں' ایسا بھی زمانہ رہا ہے جب گائے بھینس' گھوڑے' مینڈھوں کی قربانی کرنے کا دستور عام تھا' حیوانی غذا کو بہ افراط استعمال کیا جاتا تھا' ہندوستان کے مختلف حصص میں ہندؤں کی گوشت خور قومیں آباد تھیں چنانچہ سندھ وغیرہ سرحدی مقامات کے ہندؤں اور شمالی ہند کے ہندؤں کے تمدن میں آج بھی بیّن فرق نظر آتا ہے۔ مسٹر آر۔ سی۔ دت اپنی بے نظیر تصنیف "سویلیزیشن آف اینشئینٹ انڈیا"[1] (قدیم ہندوستان کی تہذیب) میں لکھتے ہیں:۔

"یہ امر بہ آسانی متصوّر ہوسکتا ہے کہ پنجاب کے قدیم ہندو حیوانی غذا بھی بہ افراط کام میں لاتے تھے۔ ہم اکثر اشارات **گائے، بھینسوں** اور **بیلوں** کی قربانی کرنے اور گوشت پکانے کی بابت بھی پاتے ہیں۔

دسویں منڈل کے منتر ۸۶ کی رچا ۱۴ میں اُس رسم کا ذکر ہے جہاں **گائیں** ذبح کی جاتی تھیں اور نیز اسی منڈل کے منتر ۹۱ کی رچا ۱۴ میں ایک اشارہ **گھوڑے بیل** اور **مینڈھوں** کی قربانی کا بھی دیکھا جاتا ہے۔........"

[1] The Civilisation of Ancient India by R.C.Dutt.

آخری زمانوں میں گھوڑے کا بلدان اسومیدھ کے وقت بڑی دھوم دھام کے ساتھ جبکہ کوئی طاقتور راجہ بعد اس کے کہ وہ اپنے ہمسایہ راجاؤں کو مغلوب کرکے ایسا خطاب اختیار کرے جو یورپ میں شاہی خطاب کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہو کمتر موقعوں پر ہوا کرتا تھا..................

رگ وید کے پہلے منڈل کی ۱۶۲ منتر کی ایک رچا کا ترجمہ یہ ہے:۔

"۱۳۔ وہ کفچہ جو اُبلتی ہوئی ہانڈی میں ڈالا جاتا ہے، وہ ظرف جس میں یخنی رکھی جاتی ہے، وہ سرپوش جو اس کو گرم رکھتے ہیں، وہ بید جس کے ذریعہ سے گھوڑے کے جسم پر اوّل خط کھینچا جاتا ہے اور وہ **چھری** جس سے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں یہ تمام آلات گھوڑے کے گوشت پکانے میں مدد دیتے ہیں۔

۱۸۔ **چھری** دیوتاؤں کے ایک دوست کے مانند گھوڑے کی چونتیس پسلیوں کے جدا جدا کرنے کو داخل ہوتی ہے........................" [1]

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ گائے، بھینس، بیل، گھوڑے، مینڈھے وغیرہ کے ذبح کرنے گوشت کاٹنے وغیرہ کا کام اس زمانہ میں ہندوؤں کے کسی فرقہ کو کرنا ہوتا ہوگا، برہمنوں کے اقتدار سے حیوانی غذا کے استعمال کا رواج بعض حصص میں معدوم اور بعض میں کم ہو گیا تھا، تاہم ہندوؤں کی یہ گوشت فروش قوم نیست و نابود نہیں ہوئی تھی، سنہ ۹۳ھ میں جب محمد بن قاسم ثقفی نے ملک سندھ فتح کیا، وہ اور ان کے ہمراہی ثقفی اور انصاری قبائل کے افراد عربی زبان بولنے والے تھے، اس زمانہ میں ہزاروں ہندوؤں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا؛ اس قدیم گوشت فروش قوم کے افراد نے یقیناً قبول اسلام میں دوسروں کے مقابلہ میں سبقت کی ہوگی، اور جس پیشہ کو ان کے آباؤ اجداد کرتے تھے اور برہمنوں

---

[1] The Civilisation of Ancient India, by R.C. Dutt.

مذہبی افتاد کی وجہ سے تقریباً معدوم یا کم ہو گیا تھا انھوں نے پھر اختیار کر لیا ہو گا۔ علاوہ ازیں سندھ اور اس کے قرب وجوار میں بہت سی ایسی قومیں آباد تھیں جو اپنے تمدن و معاشرت میں پست درجہ رکھتی تھیں، اور آج بھی جن لوگوں کو سندھ کے بعض مقامات پر بالخصوص کراچی جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ بلوچیوں کی پست اقوام کیچ و مکران کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ، مسلمانوں کی ابتدائی یورش کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسی قسم کی خدمات پر مامور ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے مخصوص پیشے ہو گئے۔ **ختنا** اور **جورختنا** کے ساتھ ساتھ کچھ مسخ شدہ عربی الفاظ بھی ان کی زبان میں شامل ہو گئے۔

امروہہ وغیرہ کے قصابوں کی قومی سیرت، اُن کی اخلاقی پستی اور اُن کے عادات و خصائل کا بغور مطالعہ کرنے والا اسکو بآسانی قبول کر لے گا کہ بلوچیوں کی بعض ان پست اقوام کی عادات و خصائل بلکہ شکل و شمائل میں انہیں کہاں تک اور کس حد مماثلت و مشابہت حاصل ہے جو آج بھی کراچی وغیرہ میں بالعموم محنت مزدوری کا پیشہ کرتے ہیں اگرچہ اِس دور تنزل و انحطاط میں مسلمانوں کے اونچے سے اونچے طبقہ کے افراد کی اخلاقی حالت کا معیار وہ نہیں ہے جو ایک مسلم کا ہونا چاہئے یا اُن کے اسلاف کرام کا رہا ہے تاہم ہمارے قسائی بھائیوں کے کردار و گفتار، قول و فعل کا فرق اور غلط بیانی ضرب المثل ہو گئی ہے۔ لغت و محاورے کی کتابوں میں متعدد کہاوتیں اس بیان کی تائید میں ملتی ہیں۔ یوں تو قسائی بھائیوں میں بھی نیک کردار اور راست گفتار افراد موجود ہیں لیکن اُردو زبان میں جو امثال مشہور ہیں وہ عمومیت کے لحاظ سے ہیں، بلوچیوں کی ان پست اقوام کے عادات کے متعلق بھی بعینہ یہی شکایت ہے، ان کی شکل و شمائل اور اخلاقی حالت بھی بہت کچھ قسائیوں کی قوم سے ملتی جلتی ہے۔ **ختنا** اور **جورختنا** وغیرہ الفاظ بھی اسی بلوچیت کا پتہ دیتے ہیں، اس لئے جو لوگ ان کو نسباً سندھیوں و بلوچیوں کی پست

قوم سمجھتے ہیں وہ شاید سب سے زیادہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں - زمانۂ حال کے مشہور مؤرخ پروفیسر ای - جے - ریپسن نے اپنی مبسوط تاریخ میں ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندوں (یعنی Dravidians) کا جنھیں شودر کہا جاتا ہے ایک قدیم فرقہ اب تک بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں موجود ہے - یہ لوگ ابتداءً ان ہی اطراف سے ہندوستان آئے تھے -

نداف و نورباف یعنی دھنے اور جولاہے

جیسا کہ کسی دوسری جگہ ذکر ہو چکا ہے دھنے اور جولاہے حقیقتاً ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں - شمالی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے ابتدائی زمانہ میں نیز اس کے بعد بھی ان دونوں قوموں کے ہزارہا خاندان "اونچ" ذات کے ہندوؤں کے ذلت آمیز و ناقابل برداشت برتاؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے بعض دوسری شودر اقوام کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے - اسلام لانے کے بعد بدستور اپنا آبائی پیشہ کرتے رہے - ہندو **کوریوں** سے امتیاز کی خاطر فارسی زبان نے انہیں **جولاہہ** کا لقب دیا بعض مقامات پر اپنے ہندو ہم قوم اور ہم پیشوں کے مقابلہ میں یہ **مومن** کہلائے - رفتہ رفتہ ان کے لئے مومن' نورباف' وسفیدباف اور دھنوں کے لئے **نداف** وغیرہ الفاظ استعمال ہونے لگے -

فارسی زبان میں کپڑا بننے والے کو **جولاہ** یا **جولاہہ** کہتے ہیں - خاقانی کہتا ہے - ع
"جولاہۂ تراد یم از سوئے جد" صاحب فرہنگ محتشمی لکھتا ہے:-

جولاہہ و جولاہ ہر دو صحیح باشد بمعنی بافندۂ پارچہ کسانیکہ جلاہی و جُلاہی خوانند غلطی کنند[۲]

جولاہہ و جولاہ دونوں صحیح ہیں جو کپڑا بننے والے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جو لوگ جلاہی جلاہی پڑھتے ہیں غلطی کرتے ہیں

---

[۱] The Cambridge History of India Vol. I page 42 & 43.

[۲] فرہنگ محتشمی

بعض فارسی نویس صنعت پارچہ بافی کو "حرفت[1] جولاہی" لکھتے ہیں لیکن اردو میں مرد کو جولاہہ اور عورت کو جولاہی یا جولائی کہتے ہیں مثلاً نوابالی امروہوی فرماتے ہیں ؂

وہ خیالات کے حامی مسلمان نہ گبر   وہ وہ الفاظ کہ کہتی نہ جولاہی نہ دھنی

مسٹر جان بیمس لکھتے ہیں :-

" **جولاہہ**۔ یہ لوگ بالعموم غریب اور بے حیثیت ہوتے ہیں۔ بعض اضلاع میں اسی پیشہ کے ہندو بھی جولاہے کہلاتے ہیں لیکن **جولاہہ** کا لقب زیادہ تر مسلمان پیشہ وروں کے لئے مخصوص ہے اور ہندوؤں کو **تانتی** یا **تہتیا** وغیرہ کہتے ہیں"[2]

مسٹر موصوف ضلع بجنور کے جولاہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

" جولاہوں کی تعداد اس ضلع میں ساٹھ ہزار تین سو چھبیس ہے۔ ان میں ہندوؤں کی تعداد بہت کم ہے جو مسلمان جولاہوں سے امتیاز کی خاطر تہتیا (یا ہیتیا) کہلاتے ہیں"[3]

پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی' لاکھوں افراد اس صنعت کو نسلاً بعد نسلٍ کرتے تھے' اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں مختلف مقامات پر پارچہ بافی کے کارخانے قائم تھے' سلطان علاء الدین خلجی نے کپڑے کی ارزانی کے متعلق خاص قواعد مقرر کئے' جداگانہ محکمہ قائم کیا' اس کے افسر و دلال متعین کئے' ڈھاکہ کی ململ تو تمام دنیا میں مشہور تھی' بنارس' دہلی' ملتان' ناگور' کوٹلہ' دیوگیر وغیرہ مقامات پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے جن میں ہزاروں ہندو اور مسلمان کاریگر' کوری اور جولاہے' کام کرتے تھے۔ عہد اکبری میں صرف ایک لاہور میں شال بافی کے ایک ہزار سے زیادہ کارخانے تھے۔ اسی سے پارچہ بافی کے کارخانوں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ میں مانچسٹر[4] برمنگھم' اور لائنس وغیرہ کی پارچہ بافی کے کارخانوں اور احمد آباد وغیرہ کی کلاتھ ملس

---

[1] تحفۃ الاکرام صفحہ ۱۲۳۔ [2] و [3] میموائرس سر ہنری ایلیٹ۔

[4] Manchester, Birmingham, Lyons.

(Cloth Mills) کا وجود کیسا کسی کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا، اور نہ انسان کا ہاتھ ہٹانے کے لئے بھاپ اور بجلی کی طاقت سے کام لینے کا وہم وگمان۔ اسلئے ہندوستان کے بادشاہوں، شہزادوں، بیگمات، وزرا، امراء، رؤسا، وعمال سلطنت کے علاوہ کروڑوں باشندگان ملک کی ضروریات کے لئے ہزاروں کارخانے اور لاکھوں کاریگر، کوری اور جولاہے کا کام کرتے تھے۔ انہی لاکھوں کاریگروں کی نسل سے وہ تمام جولاہے اور کوری ہیں جو آج بھی مختلف حصص ملک میں یورپین مصنوعات کی گرم بازاری کے باوجود کچھ نہ کچھ اپنا قدیم اور آبائی پیشہ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کچھ عرصہ سے البتہ دوسرے پیشے بھی شروع کر دئے ہیں۔ عہد اسلامی میں جب پارچہ بافی کی صنعت اور پارچہ فروشی کی تجارت خوب رونق پر تھی، ملکی مصنوعات کے قدردان موجود تھے۔ دو ایک مسلمان جولاہوں نے دولت ومتول کے اعتبار سے خوب ترقی حاصل کی تھی۔ دولت کے ساتھ اُن میں علم بھی آیا اور ان میں سے چند افراد کو شاہی تقرب بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن اس زمانہ میں عمال سلطنت کے تقرر میں ذاتی فضائل وکمالات کے ساتھ ساتھ عالی نسبی کو بھی خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مسلمان جولاہوں کا نسبی تعلق چونکہ اس ہندی قوم سے تھا جسے ہندو "اونچ" ذات والوں نے "شودر" کا لقب دے رکھا تھا اسلئے عہد التمش میں ایک مسلمان جولاہے کو، جس نے اپنی ذاتی لیاقت وقابلیت سے وزارت کے درجہ تک ترقی حاصل کی تھی، محض اسلئے عہدے سے علیحدہ ہونا پڑا کہ وہ نسباً جولاہہ تھا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا ایک وزیر نظام الملک نام تھا۔ اس نے ایک شخص جمال الدین مرزوق کی، جو دارالضرب کا کوئی عہدہ دار تھا، صوبہ قنوج کے حاکم مقرر کئے جانے کی سفارش کی تھی — جمال الدین مرزوق کم اصل تھا اسلئے بادشاہ کے ایک دوسرے وزیر عزیز بہروز نے فوراً یہ شعر موزوں کرکے پڑھا ۔

بدستِ دوں بدمنا کہ گردوں مجال اُفتد ــ سپینگلے کہ در کعبہ است سازو سنگ استنجا

اس شعر کو پڑھکر جمال الدین مذکور کی جانب اشارہ کیا۔ بادشاہ نے اس وقت حکم دیا کہ جمال الدین مرزوق کے نسب کی تفتیش کی جائے۔ چنانچہ بعد تحقیقات ثابت ہوا کہ وہ حقیقتاً کم اصل تھا لیکن نظام الملک اسپر بھی سفارش کرتا رہا کہ " جہاں پناہ ! یہ شخص بہت لایق و کاردان ہے، خط نہایت پاکیزہ ہے تحریر میں خاص لیاقت ہے"۔ بادشاہ کو اس کے اصرار پر غصہ آیا اور حکم دیا کہ :- " تفحص اصلِ وزیر می باید کرد کہ اگر در رگ کم اصلی نباشد ہرگز کم اصلاں را دفتر نہ دہد .... چوں در اصل وزیر تفحص شافی کردند و سیالات نمودند بنا ہے جد نظام الملک **جولاہہ** یافتند و از فرمودن اشغال بہ کم اصلاں و ناکس بچگان آنچناں ملکے فضیحت شد و بہ جلاہگی منسوب گشت[1]

وزیر (نظام الملک) کے نسب کی چھان بین کیجائے کیونکہ اس میں اگر کھوٹ نہ ہوتی تو وہ ہرگز کم اصلوں کو عہدہ نہ دیتا۔ ...... جب وزیر کے نسب کی اچھی طرح چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا کہ نظام الملک کا دادا جولاہا تھا۔ کم اصلوں اور رذیلوں کو عہدہ دینے کی وجہ سے ایسے ذی وجاہت (ملک) کو بھی بدنامی اٹھانی پڑی اور جولاہگی سے اسے منسوب ہونا پڑا۔

سلطان محمد تغلق کے متعلق مورخین نے عجیب و غریب واقعات بیان کئے۔ منجملہ ان کے صاحب تاریخ فیروز شاہی نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بعض رذیلوں کو منہ چڑھا یا تھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دئے تھے چنانچہ ان کے نام بھی درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ :-

نجبا مطرب بچہ بد اصل را چناں سر کشید کہ درجۂ او از درجات بسیاراں از ملوک بہ گذشت ...... **عزیز خمار** و برادر او **فیروز حجام** و **منگا** طباخ **مسعود خمار** و **لدہا باغبان** چندیں جولاہ بسیر و ... را بزرگ گردانید ... و **بابو نائک** بچہ **جولاہہ** را قرب ارزانی داشت[2]

نجبا میراثی بچہ بد اصل کو اتنا بڑھایا کہ اس کا رتبہ بہت سے ملوک (امرا) سے بڑھ گیا ...... عزیز خمار اور اسکے بھائی فیروز حجام و منگا باورچی و مسعود خمار و لدہا باغبان اور دوسرے رذیلوں کو عزت دی .... اور بابو نائک بچہ **جولاہہ** کو اپنا مقرب بنایا۔

۱؎ تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۹ ۔ ۲؎ تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۰۵۔

غرضیکہ عہد اسلامی میں جولاہوں کی قوم کو ہندوستان کی پست اقوام میں شامل کیا جاتا تھا اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کا نسبی تعلق شودر اقوام سے ہے لیکن اب چند سال سے اس قوم کے بعض نادان اپنے کو قبیلۂ انصار سے منسوب کرنے لگے ہیں۔ برادری کی انجمنوں اور پنچایتوں کے نام بھی "جمعیتہ الانصار" رکھے گئے ہیں اور بعض لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ "انصاری" بھی لکھنا شروع کیا ہے۔ واقفان حال سے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان کے بعض جولاہوں کا دعویٰ "انصاریت" کس درجہ لغو و مہمل بلکہ مضحکہ انگیز ہے۔ کجا عربی قبیلۂ انصار اور کجا ہندی نژاد جولاہے! لیکن تاریخی بحث کے سلسلہ میں قبیلۂ انصار کا مختصر ذکر کر دینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان ہو چکا ہے، اہل عرب دو بڑی شاخوں میں منقسم ہیں، ایک **قحطانی** اور دوسرے **عدنانی** یا **اسماعیلی**۔ انصار قبیلۂ **قحطان**[1] سے ہیں۔ اصل میں **یمن** کے رہنے والے تھے، وہاں جب مشہور سیلاب آیا جسکو سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے، اوس و خزرج۔ تمام انصار ان ہی دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ ان سے مختلف قبیلے متفرق ہوئے مثلاً **بنو نجار، بنو تمیم** وغیرہ۔ **بنو ہاشم** سے اور انصار سے برابر رشتہ ہوتے تھے۔ **بنو نجار** جناب **عبد المطلب** کے ماموں کا خاندان تھا اور حضرت عباس بھی انصار کے بھانجے تھے۔ وفد کندہ نے، جو قحطانی تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں، آپ نے فرمایا "ہم **نضر بن کنانہ** (اسماعیلی) کی خاندان سے ہیں، نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں"[2]

عرب کوئی زرعی ملک نہیں ہے۔ طائف وغیرہ میں کچھ غلہ اور ترکاریوں کی کاشت البتہ ہوتی

---

[1] بعض محقق انصار کو بھی اسماعیلی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو قحطان سے چونکہ ان کی قرابت زیادہ تھی اسلئے اس ہی قبیلہ سے منسوب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ [2] زاد المعاد جلد ۱، صفحہ ۳۲۔

تھی، تمام قبائل عرب کا پیشہ ہمیشہ سے تجارت تھا، جنگلی درختوں کے میوے، مویشیوں
کے بال اور چمڑے وغیرہ یہ لوگ مصر و شام و یمن لیجاتے اور وہاں سے ان کے بدلے تمام
ضروری چیزیں کھانے پینے کی لاتے تھے۔ عرب میں جب روئی کی پیداوار ہی نہ تھی، سوت و
کپاس میسر نہ آتی تھی تو پھر وہ کسے جولاہے کا پیشہ کیا۔ **ابن قتیبہ** نے اپنی کتاب میں
"**صناعات الاشراف**" کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اسکے تحت میں بعض اشخاص کے
تجارتی مشاغل کا بھی ذکر کیا ہے، اس میں کسی نساج (جولاہے) کا ذکر نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق،
و حضرت عثمانؓ و حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمن بن عوف البتہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے
لیکن یہ کپڑا عرب میں نہیں بُنا جاتا تھا بلکہ ممالک غیر سے آتا تھا، مدینہ میں کسی جولاہے
کی کارگاہ (کرگاہ) نہیں تھی اور بفرض محال اگر کسی انصاری نے کبھی کپڑا بُننے کا کوئی کام کبھی
کیا بھی ہو تو ان کی اولاد نے نہیں کیا۔ جب اہل عرب فاتح کی حیثیت سے عرب سے باہر نکلے
تو تُرا اور ہتہ یا چرخہ و کوچ لیکر کوئی نہیں نکلا، تلوار اور نشان فتح (جھنڈا) لیکر نکلے۔ ان کے
اخلاف کے ہاتھ میں بھی تلوار رہی یا قلم، سوت، اٹیرن یا نلی کبھی نہیں رہی۔ ۹۳ھ میں محمد بن
قاسم **ثقفی** کی معیت میں بعض قبائل انصار کے افراد بھی سندھ آئے اور خلفاء
بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں کئی صدیوں تک یہ ہی لوگ سندھ کے گورنر رہے۔ ان
میں بنی تمیم اور اولاد جبریہ انصاری اور دوسرے قبائل کے اشخاص سلاطین غزنین و
غور کے زمانہ میں عہدہ قضا و خطابت پر معمور ہوئے۔ شاہجہاں کے مشہور وزیر علامی
سعد اللہ خان بنی تمیم سے تھے[1]، ان میں کبھی کسی نے کپڑا بُننے کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ صاحب
تحفۃ الکرام نے ان قبائل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد جو اہل عرب خواہ وہ انصاری

---

[1] نواب عاشق حسین خان رئیس سنبھل، جو نواب امین الدولہ امین الدین خان بہادر منصب دار ششہزاری عہد
جہاندار شاہ کے خاندان سے ہیں، نسباً انصاری ہیں اس خاندان کا سلسلۂ نسب بنی تمیم انصاری سے
متصل ہوتا ہے۔ امروہہ کے صحیح النسب انصاری یعنی خاندان مولوی مظہر علی ساکنان محلہ مولانا ششیر میں بھی انکی ہمجدی میں ہیں

تھے یا قریشی سے ہندوستان آئے شاہان ہند نے ان کی قدر و منزلت کی، سلطنت کے
معتمد عہدوں پر معمور کیا، املاک مدد معاش و جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے
کسی نے نہ کبھی کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کیا اور نہ مدد معاش کے لئے ان کو ایسے پیشے
اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی جن کو اس زمانہ کی سوسائٹی کے اعتبار سے شرفا میں معیوب
سمجھا جاتا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جولاہوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ عرب میں قبائل انصار
کی مجموعی تعداد بھی کبھی اتنی نہیں ہوئی ہوگی۔ صرف ایک روہیلکھنڈ میں تقریباً دو لاکھ جولاہے
آباد ہیں جن میں صرف ضلع مرادآباد میں تقریباً ساٹھ ہزار ہیں۔ اسی پر تمام ہندوستان کا
قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب سے قبائل انصار کا ایک ایک فرد بھی اگر ہجرت کر کے ہندوستان آجاتا
تب بھی ان کی تعداد اتنی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے مسلمان جولاہوں کی جسمانی
ساخت، ان کی ذہنی و اخلاقی، تمدنی و معاشرتی پستی، ان کے عادات و خصائل، ان کی
شکل و شمائل، ان کے رسوم و رواجات، ان کے خصائص قومی باوجود اسلامی تمدن و معاشرت
کے اثرات کے اب تک بہت کچھ ان کے ہندو ہم قوموں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کی مختلف
قوموں بالخصوص پست اقوام میں سے جو خاندان اور گروہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت
میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کی سوشیل، معاشرتی اور ذہنی حالت میں اسلام لانے
کے بعد کوئی اہم اور بڑی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی حالت
بالعموم باقی رہی۔ ہندو سادھوؤں، جوگیوں اور پروہتوں کے بجائے یہ لوگ مسلمان اولیا
اللہ، پیروں اور ملاؤں کے معتقد ہو گئے۔ ہر پیر ان کا دستگیر اور ہر قبر و مزار ان کا حاجت روا
بن گیا۔ ان ہی نو مسلموں کی بدولت ہندوؤں کے تیوہاروں اور میلوں کا رنگ عرسوں،
نیزے کے میلوں اور اسلامی تیوہاروں میں بھی جھلکنے لگا۔ امروہہ کے تیلی، قسائی وغیرہ
حضرت شاہ ولایت کے اور جولاہوں کا ایک طبقہ حضرت شاہ ابن کا معتقد چلا آتا ہے،

یہ لوگ آج بھی ان کا عرس دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولایتؒ اور ان کے خاندان سے امروہہ کے قسائیوں کی عقیدت اور محبت کی تو یہ وجہ بھی ہے کہ شاہ صاحب ممدوح کی اولاد سادات امروہہ کے یہاں بالخصوص صدہا برس سے اس قوم کے مرد ملازمت اور ان کی عورتیں دایہ گری اور خانگی خدمت کرتی تھیں۔ اب سے پچیس تیس برس پہلے سادات کے اکثر بچے قسائنیوں کا دودھ پیتے اور ان کی گودوں میں پرورش پاتے تھے۔ انقلاب حکومت اور جائدادوں کی تباہی سے وہ تمام طریقے رفتہ رفتہ متروک ہو گئے تاہم اس قوم کو اب تک اس خاندان سے عقیدت چلی آتی ہے۔ آقاؤں نے جب امروہہ میں تعزیہ داری شروع کی تو متوسلین اور رعایا نے بھی تقلید کی، قسائی بھی تعزیہ اور دیوہ وغیرہ نکالتے تھے اور آج بھی حجاموں، بھنڈیلوں کے تعزیے نکلتے ہیں، سقوں کے علم بھی محرم کی ایک تاریخ میں نکلتے ہیں، غرضیکہ وہ تمام تقریبات جن میں میلوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عرسوں وغیرہ کی رونق زیادہ تر ان ہی عوام الناس سے ہے جو ہندوؤں کی مختلف اقوام سے مسلمان ہوئے۔ سامی النسل قبائل، خواہ عرب ہوں یا انصار، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، عقیدۂ توحید میں بہت غلو رکھتے ہیں۔ ان کے ایمان اور اسلام پر باوجود امتداد زمانہ آج تک شرک کا پرتو نہیں پڑا۔ اہل عرب کے جو خاندان ہندوستان کے مختلف مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آباد ہیں باوجود بے علمی اور ہندی نژادوں کے میل جول کے اثرات اور ضعیف الاعتقادی کے ان میں پیرپرستی و قبرپرستی کے مقابلہ میں بالعموم توحید پرستی کا رنگ غالب ہے۔ علاوہ ازیں جولاہوں میں پنچایت کا دستور، چودھریوں کا تقرر، شادی بیاہ کی بعض خاص خاص ہندوانی رسمیں، عورتوں کی بیع و شرا اور اسی قبیل کی صدہا رسوم ان کی ہندی قومیت کا بیّن اور واضح ثبوت ہیں۔ ان کو انصار تو انصار کسی عربی یا غیر ہندی شریف قوم سے کوئی دور کا واسطہ و تعلق بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر نسبی تعلق کا معیار ان مدعیان انصاریت کے نزدیک یہ ہے کہ کسی قوم و ملک کے کسی فرد نے کبھی اپنے یا دوسرے

دُھننے کا کام کیا تو ہندوستان کے جولاہے اور دُھنئے ہم پیشہ ہونے کی بنا پر اُس سے اپنا سلسلۂ نسب جا ملائیں تو قبیلۂ انصار یا شیخ حسین بن منصور حلاج کی بھر کیا تخصیص ہو دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جن کے افراد پارچہ بافی کا کام کرتے ہیں۔ انصار نہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اور نہ حسین بن منصور حلاج دھننے کا پیشہ۔ انگلستان، جرمنی و جاپان میں پارچہ بافی کی صنعت آجکل اوج کمال پر پہنچی ہوئی ہو اس اصول کے مُطابق ان اقوام کو نہیں اپنا ہمجدی یا کم از کم بنی اعمام تسلیم کرنے میں کون امر مانع ہو سکتا ہو۔ حقیقت یہ ہو کہ مسلمانان ہند کے ہر طبقہ میں کچھ عرصہ سے یہ عام وبا پھیلی ہو کہ جسے دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی فکر میں ہو، کیا ہندی الاصل ہونا کوئی ذلت کی بات ہو؟ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو بنی آدم سب برابر ہیں۔ علم تقویٰ اور عمل صالح حقیقت میں معیار شرف وفضیلت ہیں۔ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ہ نص صریح ہو۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ:-

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ ﴿﴾ تمام انسان حضرت آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں عزت وذلت، شرافت ورذالت کا انحصار انسان کے اپنے ذاتی حالات پر ہو۔ کاش یہ لوگ اپنے پس ماندہ بھائیوں کی حالت بہتر کرنے کی تدبیر کریں اور "انصاریت" اور "حلاجیت" کی لغو باتوں کو خیرباد کہیں۔

آفاقی لوگ سادات وشرفاء اور اہل حرفہ کی مختلف اقوام کے علاوہ بعض گھرانوں میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق حقیقتاً طبقۂ شرفاء سے نہیں ہے اور نہ انکا کوئی صحیح نسب ہو بلکہ یہ لوگ ان اشخاص کی نسل میں ہیں جو یہاں کے سادات و شرفاء کے مختلف خاندانوں کے پروردہ تھے اور جن کو عرف عام میں غلام و باندی کہا جاتا تھا اگرچہ اُن کی حیثیت اُن شرعی غلام وکنیزوں کی سی نہ تھی جو عموماً جہاد میں فریق

محاربے سے گرفتار ہوئے اور فدیہ نہ ادا کرنے کی صورت میں غلام و کنیز بنائے جاتے تھے اور جن پر "ملک یمین" کا شرعاً اطلاق ہوتا ہے اور اُن کے لئے اسلام میں خاص احکام ہیں بلکہ یہ لوگ ادنیٰ طبقہ کے نومسلم لاوارث لڑکے اور لڑکیاں یا اسی طرح کی پست اقوام کے مفلوک الحال یا تباہ شدہ لوگوں کی اولاد تھی جن کو سادات و شرفا مسلمان کر لیا کرتے تھے اور از راہ ترحم و دستگیری انکی پرورش کیا کرتے اور اُن سے اپنی خانگی خدمات لیا کرتے تھے اور انہیں **باندی یا غلام** یا **خانہ زاد** کہا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں اکثر معزز گھرانوں میں اس قسم کے پروردہ لڑکے اور لڑکیاں ہوتی تھیں جن کا جوان ہونے پر باہم شادی بیاہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ طبقہ انہیں کی اولاد ہے۔ ان میں سے بعض کی سوشل حالت رفتہ رفتہ اچھی ہو گئی اور چند کی قرابتیں بھی مفلوک الحال شرفاء کے یہاں ہو گئیں جسکی بنا پر یہ لوگ بھی اپنا شمار طبقہ شرفا میں کرنے لگے، ان میں سے بعض اپنے آپ کو اُسی خاندان سے ظاہر کرنے لگے ہیں جس میں ان کے مورث نے مذکورہ بالا حیثیت سے پرورش پائی تھی۔ باوجودیکہ اہل شہر اُن کے حالات سے واقف ہیں لیکن اب اُن میں سے بعض عربی النسل، قریشی، ہاشمی، انصاری وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں اور اپنے آپ کو شیخ و پٹھان حتیٰ کہ سید بھی کہنے لگے ہیں۔ اُن میں سے کچھ لوگ محلہ مُرادآبادی دروازہ، کٹکوئی، ترپولیہ بازار رزاق، نوگزہ، مولانہ، چاہ شور، بوال وغیرہ میں آباد ہیں۔

مجہول النسب:۔ حضرت عشق کی ناوک افگنی سمجھئے یا مال و دولت اور عیش پرستی کی مدہوشی کہ بعض لوگ ہر زمانہ میں سوسائٹی کے قواعد کی خلاف ورزی کر کے ایسے بچوں کو وجود میں لانے کے موجب ہوتے رہے ہیں جنکا پدری نسب دنیا کو معلوم نہ ہوا۔ زنان بازاری کے علاوہ بعض نیچے طبقہ کی عورتوں حتیٰ کہ بھنگنوں سے بھی اولاد ہوئی اکثر تو ان طبقات ہی میں شامل رہے اور بعض کی جداگانہ ہستی قائم ہوئی۔ مسٹر جان بیس[1] نے سچ کہا ہے کہ مرد و عورت کے فطری جذبات اور تعشق کی قوت سوسائٹی کے مقررہ ضوابط سے بالاتر ہے۔ ایسے تعلقات کے نتیجہ میں جو ہستیاں عالم وجود میں آئیں ان کی نسل کے چند افراد بھی امروہہ میں موجود ہیں جن سے اہل شہر واقف ہیں۔

---

[1] میموائرس آف ہسٹری الیٹ۔

امروہہ کے شیعہ و سنی

مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول آئی۔ سی۔ ایس۔ مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"امروہہ کے شیعہ و سنی فرقوں کی باہمی مخاصمت و عناد حکومت کے لئے ہمیشہ موجب تشویش رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام سادات ابتداءً شیعہ تھے ان میں سے جزو غالب تو اپنے مذہب پر قائم رہا لیکن باقی حصہ سُنی ہو گیا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد سے نواب ان اودھ کے تسلط و حکومت کے ابتدائی زمانہ تک امروہہ کے تمام سید موخر الذکر مذہب (یعنی اہل سنت و جماعت) کے پابند تھے۔ نوابان اودھ چونکہ بذات خود غالی شیعہ تھے اسلئے (ان کے عہد حکومت میں) امروہہ کے بہت سے سیدوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کر لیا اور اس طرح تبدیل مذہب کرنے سے انہیں بہت سے دنیاوی فوائد بھی، صحرائی و سکنائی جائداد و املاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہو گئے"[1]

مسلمانان امروہہ کی بدقسمتی سے مسٹر نیول کا یہ قول مبالغہ آمیز نہیں کہ امروہہ کے شیعہ و سنیوں میں مذہبی مخالفت بلکہ منافرت کے جذبات موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغض و عناد کی موجودہ حالت گذشتہ ساٹھ ستر برس کی پیداوار ہے اس سے پیشتر یہ حالت نہ تھی۔ خاکسار مؤلف کو اس موقع پر یہ ناگوار اور بد نتیجہ بحث چھیڑنا ہرگز مقصود نہیں کہ شیعہ و سنی صاحبان کے باہمی اختلاف مذہبی کی اصلیت کیا ہے؟ یہ اختلاف کب شروع ہوا کیوں شروع ہوا؟ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات اور خلافت و امامت کے جھگڑوں کی حقیقت و نوعیت کیا ہے؟ جنگ جمل و جنگ صفین کے معرکے کیوں اور کس بنا پر ہوئے؟ کون مورد الزام ہے اور کون نہیں؟ ان مباحث سے جن حضرات کو دلچسپی ہے اور جو انہیں ایمان و دین سمجھتے ہیں انکی جانیں انہیں ہی مبارک رہیں مجھے ان سے مطلق سروکار نہیں۔

تو چہ دانی سِرِّ حق ای جاہلی	تو گرفتارِ **ابو بکر** و **علی**
گر **علی** بود و اگر **صدیق** بود	جان ہر یک در پئے تحقیق بود

ان تمام مباحث سے قطعاً آزاد اور بے تعلق ہو کر مجھے یہاں اس سوال کی تاریخی حیثیت واضح کر دینا مطلوب ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی اور بس۔

---

[1] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر۔ مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۴۔

مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مورث و اجداد بھی اپنے موجودہ اخلاف کی طرح مذہباً و عقیدتاً شیعہ تھے وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے۔ امروہہ کے سادات میں جن کا غالب حصہ اب شیعی مذہب ہے، قدیم ترین خاندان حضرت شاہ ولایت، قاضی زادگان اور شاہ نصیر الدین چشتی کے خاندان ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات شیعی کا خاندان بھی جن میں شاہ عبد الجلیل امروہہ کے مفتی ہوتے رہے ہیں امروہہ میں ایک قدیم خاندان ہے۔ سادات کے دوسرے خاندان بھی ہیں مگر اکثر و بیشتر افراد شیعی مذہب ہیں زیادہ قدیم نہیں مثلاً خاندان دانشمندان، جرولیہ وغیرہم۔ سادات خانگی کے بعض اور خاندان جو یہاں ساکن ہیں مثلاً سادات کاظمی (محلہ کٹکوئی) و سادات حسینی (محلہ جلیہ) وغیرہ وہ با عون حدیث سنی حنفی ہیں۔

سادات امروہہ کے تقریباً تمام خاندانوں کے مورث یا مشائخ و اولیائے کبار میں سے تھے یا علماء و فضلاء تھے یا قاضی و مفتی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی فرد واحد بھی نہ کبھی عقیدتاً شیعہ تھا اور نہ ان میں سے کسی بزرگ کے شیعی مذہب ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں میں مشائخ اور اولیاء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ شمار کی جا سکتی ہے لیکن سلف سے آج تک ان میں سے کسی ایک فرد کا نام بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہو۔ مشائخ کا مسلک ہی شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں کے سرتاسر منافی ہے۔ رہا یہ خیال کہ یہ سب حضرات تقیہ کئے ہوئے تھے اور کسی خوف ضرر یا جلب منفعت کی وجہ سے، جیسا کہ امروہہ کے ایک شیعہ عالم نے دوران گفتگو بیان کیا۔ ان بزرگوں نے فرمایا تھا اپنے عقائد مذہبی کو مخفی رکھتے تھے، محض بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ عقل سلیم اسے ہرگز باور نہیں کر سکتی کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہ جیسے ولی اللہ جو خلق خدا کے ارشاد و ہدایت کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور جن کے مرید ہونے کی (بقول ان ہی حضرات کے) بادشاہ وقت تک آرزو کرے، وہ کسی خوف ضرر یا طمع نفسانی سے اپنے اصلی عقائد کو پوشیدہ رکھتے اور خلق اللہ کو بجائے صحیح اور اصلی مسلک کی جانب رہنمائی کرنے کے نعوذ باللہ دھوکے میں ڈالتے یا غلط ہدایت کرتے۔ ایسا خیال کرنا بھی ان خدا رسیدہ اور نیک بندوں کی، جن کا ظاہر و باطن یقیناً ہر حالت میں یکساں تھا اور جو سوائے خدائے واحد کے اور کسی قوت و طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے، سخت ترین توہین کرنا ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے زمانۂ حیات میں نیز اس سے کچھ قبل اور کچھ عرصہ بعد

سوائے اہل سنت وجماعت کے کسی اور عقیدے کے مسلمان کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا۔ اُس وقت مسلمان ہند کا سواد اعظم حنفی تھا، کچھ شافعی، مالکی و حنبلی بھی تھے لیکن شیعہ معتزلی اور خارجی یہاں مطلق نہ تھے۔ اسکا ثبوت ایک ایسی معتبر اور باخبر ہستی کا بیان ہے جو اُس زمانہ کے مشاہیر اکابر میں سے تھے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت (۶۹۵-۷۱۵ھ) کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے کہ اُس عہد میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مابین ہندوستان کے طول و عرض میں نہ کوئی یہودی موجود تھا اور نہ عیسائی وغیرہ۔ ہندو اور مسلمان صرف دو مذاہب کے پیرو یہاں تھے۔ ہندو مسلمانوں کے مطیع و منقاد تھے اور مسلمان بحیثیت جماعت ایک ہی مشرب اور ایک ہی مسلک کے پابند و متبع تھے اور وہ مشرب و مسلک اہل سنت و جماعت کا مشرب و مسلک تھا۔ حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں[1]

خوشا ہندوستان و رونق دیں	شریعت را کمال عز و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا	ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
سر ہندو چو فرماں را مطیع است	ز آب تیغ خونش را شفیع است
ز غزنیں تا لب دریا دریں باب	ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
نہ زاں زہ دیدہ زاغان گیرو گیر	ہمہ در کیش احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از ناترس کاری	نہد بر بندہ داغ کردگاری
نہ از جنس جہوداں جنگ جوریت	کہ از قرآں کند دعوی بہ توریت
نہ مغ کز طاعت آتش شود شاد	وزو با صد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانان نعمانی روش خاص	ز دل ہر چار آئیں را با خلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید	جماعت را و سنت را بجاں صید
نہ نا اہل اعتزالی کز فن شوم	ز دیدار خدا گردند محروم

[1] مثنوی عشقیہ حضرت امیر خسروؒ۔

نہ رفضی تا رسندان مذہب بد　　جفائے بر وفاداران احمدؐ
نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی　　کند با شیر حق روباہ بازی
زہے خاک مسلماں خیز دیں جوئے　　کہ ماہی نیز سُنّی خیزد از جوئے

حضرت شاہ ولایتؒ کی ولادت اسی عہد علائی سے چند سال قبل ہوئی، عنفوان شباب اور زمانۂ تحصیل کمالات خاص اسی عہد میں گزرا، خانوادۂ مشائخ سہروردیہ میں آپنے اسی زمانہ میں بیعت کی اور عہد علائی سے چند سال بعد بعہد سلطان غیاث الدین فیروز تغلق آپ مع اپنے خلفائے باکمال اور اعزا امروہہ تشریف لائے۔ آپکے ولد اکبر قاضی سیّد امیر علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ عہدۂ قضا کے لئے عالم فاضل ہونا لازمی شرط تھی اسلئے قاضی سید امیر علی یقیناً اپنے زمانہ کے ممتاز عالم ہوں گے۔ بادشاہ وقت سُنّی حنفی تہا، سلطنت سُنیوں کی تھی، فقہ حنفی کا رواج تھا، تمام مسائل شرعیہ اسی کے مطابق طے ہوتے تھے، کوئی شیعہ اس عہد میں ہرگز مقرر نہیں ہوسکتا تھا، مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ اُس زمانہ میں مخالفان مذہب اہل سنت وجماعت میں کسی شخص کا تقرّر قاضی ومفتی کے عہدوں پر نہیں ہوسکتا تھا اور ایسے متعلق صاف اور صریح احکام موجود تھے[1] اور ایک فاضل ہم عصر کا بیان آپ پہلے پڑھ چکے کہ اُس زمانہ میں کسی شیعہ کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ، حقانی وبچھڑہ وغیرہ سُنّی المذہب تھے۔ اُن کے فرزند سید اشرف جہانگیر چشتیؒ جو شرف الدین کے نام سے بھی مشہور تھے مشائخ کبار میں ہوئے۔ چند پشتوں کے بعد قاضی سید امیر علی کی نسل میں سید عمر زندہ پیر، عمدۃ الواصلین سید عبدالحکیم چشتی، سید الٰہ یار نقشبندی، اُن کے فرزند سید غلام محمد نقشبندی قدس اللہ اسرارہم مشائخ واولیاء رہیں اور سید اشرف بن سید خان، سید میر علی، سید قطب الدین وغیرہ سُنیوں کے نامور عالم اور مفتی ہوئے۔ ان کے اخلاف میں متعدد نام خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر ہو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، فاروقؓ وصدیقؓ اور حضرت پیر دستگیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؓ کے نام پر غلام محی الدین، معتقد محی الدین، عطا محی الدین، عنایت محی الدین اور عنایت غوث وغیرہ رکھے جاتے تھے جسکے ثبوت میں قرینہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ

اور قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں اور ایسے بعض نام مطبوعہ شجروں میں بھی درج ہیں۔
سید محمد شاکر بن سید ابدال محمد مورث موجودہ سادات محلہ لکڑہ بھی صوفی منش، عابد و زاہد سنی
مذہب تھے اور انکا تمام خاندان سنی المذہب خاندان تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے ۱۲۳۷ھ میں درگاہ حضرت
شاہ عبد المجید علوی رح کے لئے کچھ جائداد موضع پاپڑی پرگنہ رجب پور کی وقف کی تھی جس کی اصل دستاویزات
خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، ان کے حقیقی چچا سید سلطان بن سید عبد الرحیم بن سید سعید خان بھی
درویش تھے اور بقول صاحب تاریخ اصغری " سید سلطان فقر کی طرف مائل اور تا حیات عبادت الٰہی میں
معروف رہے۔" کچھ اشخاص ان نسل میں اب بھی سنی المذہب ہیں اور ایک صاحب یعنی سید نیاز حسین شاہ
چشتی صابری جو سادات محلہ لکڑہ کے ہمجدی ہیں، مشائخ میں سے ہیں، پیری مریدی کرتے ہیں، بیرونجات میں
ان کے بہت سے مرید و معتقد ہیں۔ ان کی اولاد بھی سب سنی المذہب ہے۔—

قاضی سید امیر علی کی نسل سے متعدد اشخاص مختلف اوقات میں امروہہ سے باہر جا کر مختلف
مقامات میں سکونت پذیر ہوئے یہ سب حضرات سنی المذہب تھے اور ان کی اولاد بھی آج تک سنی ہے۔ موضع اعوان پور
میں جو خاندان سید عمر زندہ پیر کے اخلاف کا آباد ہے اس میں البتہ بعض اشخاص بعد میں شیعہ ہو گئے اور
باقی سنی ہیں۔ سید عاشق حسین انجینیر کا خاندان، جن کے لائق فرزند سید ظفر حسن بی اے۔ ایل ایل بی (علیگ)
مراد آباد میں وکالت کرتے ہیں سنی حنفی ہے۔ نیز مولنا سید فرزند علی دہلوی مدنی مؤلف کتاب " الریاض الندیہ
فی تراجم مشائخ نقشبندیہ" جن کے جد بزرگوار مولوی سید منور علی تقریبا ڈیڑھ سو صدی پہلے امروہہ سے دہلی
گئے تھے سنی المذہب عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ حضرت مولانا قاری شاہ سلیمان (پھلواری) اور مولنا
محمد ریاض حسن خان رئیس رسول پور ضلع مظفر پور (صوبہ بہار) ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ انکا خاندان
دہلی میں اب تک آبائی مذہب پر قائم ہے۔ اسی طرح سید علی اکبر نبیرہ دیوان سید محمد (مورث سادات لکڑہ) کی
اولاد سے جو خاندان بریلی میں متوطن ہے وہ اباً عن جد سنی المذہب ہے۔ ان میں سید محمد عبد الرشید صاحب
ابن مولنا الحاج حافظ سید محمد عبد الوحید بن مولنا مولوی سید محمود علی مغفور کا خاندان ذی علم اور سنی مذہب ہے۔
حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے فرزند اصغر سید عبد العزیز کے اخلاف میں جو بزرگ امروہہ سے باہر گئے

وہ بھی سُنی المذہب تھے۔ سید کمال محمد نقشبندی مؤلفہ سرآیہ کے جد اعلیٰ شیخ چاند
بن سید معروف بن سید مجد الدین بن سید عبد العزیز مذکور صوفی مشرب بزرگ تھے۔ اولاً امروہہ کے قریب موضع
بھوج پور میں جا بسے تھے وہاں سے شیخ عمر شہ سنبھلی کی تحریک پر سنبھل میں متوطن ہوئے۔ سرنگ میں
میں نسلاً بعد نسل، مشائخ ہوتے رہے۔

اب غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا یہ تمام حضرات تقیہ میں تھے؟ کیا یہ سب مشائخ کرام جو اپنے زمانہ
حیات میں ہزارہا مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا، کیا یہ علمائے عظام، جو حنفی مسلک کے مقلد و پابند کیا یہ قضاۃ
و مفتیانِ کرام جو حکام شرع و صحاب افتا تھے مدۃ العمر اپنے معتقدات مذہبی کو چھپاتے اور مخفی رکھتے اور
مخلوق خدا اور سلطنت اسلامی کو دھوکہ دیتے رہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲۔۔۔۷۹۰ھ) میں چند شیعہ مبلغ ایران سے
آئے تھے جنھوں نے شیعی عقائد کی تبلیغ اس ملک میں شروع کی تھی لیکن سلطان موصوف نے چونکہ وہ بذات
خود راسخ العقیدہ سُنی اور مشائخ کا معتقد تھا، اس کا سختی سے تدارک کیا۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ وہ حضرت شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اسی بنا پر اپنی بیٹی بھی شاہ صاحب کے فرزند اصغر سید
عبد العزیز کے عقد میں دیدی تھی اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے
قبل واصل بحق ہو چکے تھے اور شادی کی روایت بھی، جیسا کہ دوسری جگہ تفصیلی بحث کی گئی ہے صحیح نہیں
تاہم اس روایت کو اگر باور کر لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اسکے زمانہ سلطنت میں موجود
تھے تو جو سلوک اور برتاؤ اس متعصب سُنی بادشاہ نے شیعہ مبلغین کے ساتھ کیا اور اس کی جو کیفیت اس نے
خود اپنے قلم سے اپنے خود نوشت حالات میں لکھی ہے وہ اسی کے الفاظ میں سُنئے:۔

"فرقہ شیعہ نے جنھیں روافض بھی کہتے ہیں، میری سلطنت میں اپنے عقائد .....
پھیلانے کی کوشش کی، رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم و اشاعت
بھی شروع کی حتیٰ کہ حضرات خلفائے راشدین کی ہتک حرمت اور سب صحابہ کرام رضوان
اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اقدام کیا۔ میں نے ان سب کو گرفتار کرا لیا اور ان کے جرائم

وقصوروں پر انہیں سخت ترین سزائیں دیں - ان میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں
قتل کرایا اور بقیہ کو تعذیر و تہدیب اور جزر و تشہیر کی، ان کی کتابیں اور تحریریں
جلادی گئیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثرات
بدسے ملک کو قطعاً پاک و صاف کیا گیا۔[۱]

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر حضرت شاہ ولایت قدس سرہ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں موجود ہوتے اور آپ یا آپ کے اعزا مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہوتے تو یہ متعصب سُنی حکمراں آپ سے عقیدت رکھنے کی بجائے آپ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتا جس کا تذکرہ اس نے خود اپنے قلم سے سطور بالا میں کیا ہے۔

مسئلہ تقیہ میں جہاں تک خوفِ ضرر کا تعلق ہے عہد مغلیہ سے پیشتر اس کا امکان بتایا جا سکتا ہے لیکن شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تو اسکا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد میں غالی سے غالی شیعہ ایران سے آتا اور حسب لیاقت و قابلیت منصب اور عہدہ پاتا۔ شاہی بیگمات تک شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔ وزراء و امراء اور خاص مقربین شاہی کے زمرہ میں شیعہ موجود رہتے پھر کیا وجہ تھی کہ اس عہد میں مولانا سید محمد میر عدل، ان کے نامور اخلاف یا ان کے دوسرے اعزا نے شیعیت کا اظہار و اعلان نہیں کیا؟ اس زمانہ میں تو اس کے اظہار و اعلان میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ مولانا سید محمد میر عدل راسخ العقیدہ سُنی اور عالم متبحر میاں حاتم سنبھلی قدس سرہٗ کے شاگرد رشید اور مرید با اخلاص تھے۔ عرصۂ دراز تک وطن مالوف میں ان کا افادہ درس جاری رہا۔ ملا عبدالقادر بدایونی جیسے متعصب سُنی نے امروہہ آکر ان سے اخذ علوم کیا تھا۔ جب دربار اکبری میں پہنچے تو ان کے تبحر علمی، ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ بھی ان کا پاس و ادب کرتا تھا۔ اپنے معتقدات کے اتنے سخت تھے کہ کوئی مولوی خلاف سنت بات کہتا تو مزاج برہم ہو جاتا، حاجی ابراہیم سرہندی کی تو اسی بنا پر سر دربار فضیحت کی تھی۔ حضرت غوث صمدانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی سے خاص عقیدت تھی حضرت پیر دستگیر

---

[۱] فتوحات فیروز شاہی قلمی دارالمیت حصۂ سویم صفحہ ۳۰۴

خاندان
دیا۔
عقیدت مند

ن، وہ
ند سے
بدتمند آ
نیدتؒ
کھانا

آپ کے
اس سلسلہ
ہیں یا کہ
کے ایک
اہوں۔
ادت تھی۔
ریز فرمایا ہے۔

کے خاندان کے ایک بزرگ سید سراج الدین قادری اس زمانہ میں اکبر آباد (آگرہ) میں مقیم تھے۔ اس خاندان سے اسی عقیدتمندانہ تعلق کی بنا پر انہیں امروہہ میں متوطن ہونے کی تحریک کی اور اپنی پوتی کو ان کے عقد میں دیا۔

مولانا سید محمد میر عدل کے فرزند سید **شاہ ابوالحسن** باوجود امارت کے درویش تھے، وہ اور اُن کے سب بھائی خانوادۂ حضرت **الٰہ بخش گنج بخش**ؒ گڑھ مکتیسری کے مرید اور عقیدتمند تھے

میاں پیر بخشؒ جنکا مزار مراد آبادی دروازہ کے متصل ہے اسی خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمند تھے اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت و ارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کئے نہ کرتے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا بھی اسی وقت شروع ہوتا جب یہ سن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کردیا ہے۔

بزرگان سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کو حضرت **شاہ ابن** بدر چشتیؒ اور آپ کے فرزند باکمال حضرت شاہ **صدرالدین** قدس اللہ سرہ ١١٣١ھ سے بھی عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں **سید ابراہیم** بن سید ابوالفضل بن مولانا سید محمد میر عدل کی دلچسپ تحریر جو انہوں نے کہیں باہر سے اپنے معتمد خاص **کمال خان** کے نام بھیجی تھی اور حسن اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کے خاندان کے ایک سن رسیدہ بزرگ پیر نور دو علی ابن پیر آحمد علی کے کاغذات میں دستیاب ہوئی، ذیل میں درج کرتا ہوں۔

حضرت شاہ صدرالدینؒ کا قیام اکثر امروہہ سے باہر رہتا تھا، سید ابراہیم کو آپ سے عقیدت و ارادت تھی۔ ایک مرتبہ جب آپ وطن تشریف لانے لگے سید ابراہیم موصوف نے اپنے معتمد خاص کمال خان کو تحریر فرمایا۔

اللہ اکبر

سید ابراہیم

"معتمد خاص **کمال خان** را اعلام آنکہ چون شیخت پناہ تقویٰ دثار میاں **شیخ صدر الدین جیو** بہ امروہہ تشریف آوردہ می خواہند کہ چندروز آنجا بگذرانند، شما را می باید کہ بہمہ ابواب در خدمت ایشان خود را معاف ندارید و در ہر ہفتہ **برخورداری محمد عاقل را معہ برادران** در ملازمت ایشان می بردہ باشید کہ **از دولت ملازمت ایشان بکمال بہتری** دولت

دارین سند — دیگر یک مسعیچ بیگہ زمین بتفصیل ضمن ہائے فقرائم الازم
ایشان انجا گبر پرگنہ نرملی در بردہ کہ خوش نمایند بمودہ مع پیکلبستہ بدبہنک متعفر
گشتہ دریاد حق باشند۔ دریں باب اہمال وعطل جائز ندارند۔ تحریر فی الثانی بعشر شہر ۱۲۲۳ھ "

سید ابراہیم کی اولاد کا بیشتر حصہ اب تین تین چار چار پشت سے شیعی مذہب ہے لیکن اس تحریر کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند کو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے متعلق مشرنول کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی شخص اپنے موجودہ اخلاف کے مذہباً وعقیدتاً شیعہ تھے۔ کیا کسی شیعہ کو بزرگان طریقت ومشائخ کے ساتھ جو اس کے اصول مذہب کے کلیتاً خلاف ہوں، ایسی غیر معمولی عقیدت ونیاز مندی ہو سکتی ہے جس کا اظہار مندرجہ بالا تحریر میں کیا گیا ہے؟ طرفہ یہ ہے کہ سید ابراہیم اپنی اولاد کے لئے بھی تاکید کرتے ہیں کہ وہ ان بزرگ کی خدمت وصحبت سے بہرہ اندوز سعادت ہوں اور "دولت دارین" حاصل کریں۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ دوسرا قدیم خاندان سادات فاطمی **قاضی زادگان** کا ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے اواخر عہد سے اس خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ امروہہ کے قاضی ہوتے رہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اس عہدہ پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب حضرات جو عہدۂ قضا پر مامور ہوئے سُنی المذہب، حنفی مسلک کے مقلد اور پیرو تھے اور بحیثیت قاضی نہ صرف حاکم شریعت تھے بلکہ مسلمانان شہر کے پیش امام بھی تھے جمعہ وجماعات وعیدین کی امامت کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ان کے اسنادِ تقرر میں جمعہ وجماعات کی اقامت کے الفاظ خاص طور سے مندرج ہوتے تھے۔

" در فصل قضایا وخصومات واجرائے حدود وتعزیرات **واقامت جمعہ وجماعات**
وترغیب مردم بطاعات وانکاح من لاولی لہ وقسمت ترکات وحفظ اموال غیب و
ایتام وتعین اقضیاء ونصب قوام۔۔۔۔۔ الخ "[۲]

ظاہر ہے کہ ان فرائض کی بجاآوری کے لئے نہ سُنی حکومت کسی شیعہ کا تقرر کر سکتی تھی اور نہ شہر کے عام مسلمان جو سب کے سب سُنی حنفی مذہب تھے، اس تقرر کو قبول کر سکتے تھے اور نہ کسی شیعہ امام کے پیچھے جمعہ وجماعات عیدین کی

---

[۱] ملاحظہ ہو فہرست قضاۃ امروہہ۔ [۲] اسنادِ تقرر قضاۃ۔

نماز پڑھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں سلطنت اودھ کے تسلط سے پہلے شیعہ حضرات میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا دستور بھی کہیں نہ تھا۔ شیعان ہند میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا رواج سب سے پہلے نواب آصف الدولہ کے زمانے میں سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد سے شروع ہوا۔ اس کے بانی نواب موصوف کے نائب حسن رضا خان تھے۔ ایک شیعہ مؤرخ سید غلام علی خان صاحب عماد السعادت لکھتے ہیں :-

"القصہ حسن رضا خان بجز سوائے سیر و شکار در "رکاب جناب عالی و صوم و صلوات با ہیچ چیز سروکار "نداشت و بانی جمعہ و جماعات در اثنا عشریاں در لکھنؤ "او بودہ است در **ہیچ شہری از شہرہائے ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نہ بود** بلکہ کسے را گمان ایں ہم نبود "کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در... "اثنا عشریاں گذاردہ می شود" [1]

غرضکہ حسن رضا خان سوائے شیر و شکار اور جناب عالی (یعنی نواب آصف الدولہ بہادر) کی ہمرکابی اور نماز روزے کے کسی بات سے تعلق نہ رکھتے تھے لکھنؤ کے شیعوں میں نماز جمعہ و جماعت کے شروع ہونے کے وہی بانی مبانی تھے اور ہندوستان کے کسی ایک شہر میں بھی نماز جمعہ و جماعت مذہب امامیہ میں رائج نہ تھی بلکہ کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا ایران اور عرب کے شیعوں میں جماعت سے نماز ہوتی ہے۔

انقلاب سلطنت کے بعد بھی جب قاضی کا کام صرف نکاح پڑھانا رہ گیا تھا مسلمانان شہر اسی خاندان کے قاضی سے نکاح پڑھواتے اور عیدین کی نماز ان کے پیچھے پڑھتے رہے۔ قاضی ایزد بخش کے زمانہ تک جو خود عالم نہیں تھے اور اس وجہ سے امامت نہیں کر سکتے تھے، معمول قدیم کے مطابق نماز پڑھانے کی اجازت ان سے حاصل کی جاتی تھی اور عیدین کا خلعت بھی ان کو ملتا تھا لیکن آخر میں جب اس خاندان میں بھی شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا سنیوں نے نائب قاضی کو جو سنی مذہب تھے، اپنا قاضی بنایا اور سنی عالم کو جمعہ و عیدین کی امامت کے لئے مقرر کیا۔

حضرات قاضی زادگان کی ایک شاخ میں جو "سادات بھوکہ" کے لقب سے مشہور ہے، مشیخت کا سلسلہ ابًا عن جدٍ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ اس شاخ کے جدّ القبیلہ سید محمد فاضل کی اولاد میں شاہ جعفر علی

[1] عماد السعادت مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۱۳۲۔

شاہ صابر علی، شاہ قمر علی و شاہ مہر علی وغیرہ یہ سب بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ ترک و توکل ان حضرات کا شیوہ تھا اور سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ اکثر حضرات کو مدد معاش میں روزینہ ملتا تھا۔ شاہ **صابر علی** جو اسم با مسمّٰی تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں عارف باللہ شاہ **رحمت اللہ** رحؒ کے مرید و مجاز و خلیفہ تھے۔ سید عمر وغیرہ نام اس شاخ میں بھی عام طور سے رکھے جاتے تھے۔ اس خاندان کی دوسری شاخ یعنی خاندان سید نجف علی (بھوپہ والے) اباً عن جدٍ سُنی المذہب۔ بعض اشخاص نے زمانۂ حال میں شیعی مذہب قبول کیا ہے۔ سید سبط حسن سُنی المذہب کے صاحبزادوں میں ایک بھائی سید سبط رسول شیعہ ہو گئے، ان کے دوسرے بھائی سید سبط نبی وغیرہ اپنے قدیم اور آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ شیعہ خاندانوں سے رشتہ و قرابت کی بنا پر جس طرح سادات امروہہ کے دوسرے سُنی خاندانوں کے افراد رفتہ رفتہ شیعہ ہوتے رہے ہیں اس خاندان کے بعض نوجوان بھی چند سال سے شیعہ ہو گئے ہیں ورنہ کچھ عرصہ پیشتر اس خاندان میں فردِ واحد بھی شیعہ نہیں تھا۔

تیسرا قدیم خاندان حضرت شاہ **نصیر الدین** چشتی قدس سرہٗ کا ہے۔ شاہ صاحب کے جدِ اعلیٰ مولانا بدر الدین اسحٰق الدہلوی حضرت بابا **فرید الدین** فاروقی گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دو فرزند صاحبِ کمال ہوئے، خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ۔ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ خواجہ محمد امام حضرت سلطان المشائخ کے جانشین ہوئے اور ان کے فرزند **خواجہ فخر الدین** امروہہ آئے[1]۔ ان ہی **خواجہ** فخر الدین کے پوتے حضرت شاہ نصیر الدین چشتی تھے جو اپنے زمانہ میں خانوادۂ مشائخ چشتیہ کے مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ آپ کی نسل میں درویشی اور سجادہ ارشاد و بیعت کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ آپ کے فرزند **شیخ محمد یوسف** اور آپ کے

---

[1] خواجہ امام کے چار فرزند ہوئے خواجہ فخر الدین، خواجہ جلال الدین، خواجہ داؤد اور خواجہ مسعود۔ اول الذکر کی اولاد امروہہ و نوگانوہ میں ہے۔ خواجہ داؤد کی نسل سے خواجہ حسن نظامی دہلوی کا خاندان ہے جو اباً عن جدٍ سُنی ہے۔ اس خاندان میں اسوقت پچاس ساٹھ مرد عورت اور بچے ہیں شاہ نصیر الدین اور آپکے اخلاف کی نامور تھے بوجہ شیخیت ہر زمانہ میں لفظ شیخ لکھا جاتا تھا۔

[2] جواہر فریدی۔

فرزند شیخ **فتح اللہ** قدس اللہ اسرارہم سجادہ پدری پر متمکن رہے۔ شاہ صاحب کے بنی اعمام کی اولاد میں جو نوگانوہ میں ساکن ہیں، مشائخ ہوتے رہے۔ یہ خاندان بھی ابا عن جد سنی المذہب تھا۔ شاہ **غلام نبی** ساکن (نوگانوہ) پچھلے زمانہ کے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرید و مجاز تھے۔

حضرت شاہ نصیر الدین چشتیؒ کے اخلاف میں سید عبد الرسول عرف **میراں خاں** جو موجودہ سادات نوگیاں کے مورث ہیں، مذہباً سنی حنفی مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ ان کے زمانہ میں شاہ صاحب کا عرس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا، خانقاہ بھی آباد تھی۔ حضرت باباصاحب اور حضرت پیر دستگیر محی الدین شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی گیارہویں اور نیاز و فاتحہ دلانے کا دستور میراں خاں کے بہت بعد تک بلکہ کچھ عرصہ پیشتر تک اس خاندان میں قائم رہا۔ حضرت پیر دستگیرؒ اور دوسرے اکابر مشائخ سے عقیدت کی بنا پر اس خاندان میں بچوں کے نام عطا محی الدین، غلام محی الدین، عنایت محی الدین، غلام قطب الدین، غلام نصیر الدین وغیرہ عام طور سے رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح **قبیلہ بخشیاں** میں بھی نسلاً بعد نسلٍ سنی المذہب علماء و فضلا اور مفتی ہوتے رہے جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ مفتی ہونا اور اہل تسنن باشندگان امروہہ کا مسائل شرعیہ کے متعلق ان سے فتاوے حاصل کرنا ہی اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ خاندان سُنّی المذہب خاندان تھا۔ علاوہ علماء کے اس خاندان کی بعض شاخوں میں شیخت کا سلسلہ بھی عرصہ دراز تک جاری رہا۔ مولانا آل حسن بخشی نے اپنے پردادا کے مذہب امامیہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں خاندان بخشیاں کی مذہبی حالت کا اظہار اپنی تالیف نخبۃ التواریخ میں بہ الفاظ ذیل کیا ہے:۔

سید علی احمد در ابتدا مذہب قدیم اہل سنت و الجماعت	سید علی احمد اپنے قدیم مذہب اہل سنت والجماعت
داشت چوں او را و ہم دیگر سادات جاگیر داران	پر قائم تھے چونکہ انکو اور دوسرے سادات جاگیرداران
امروہہ را پئے استخلاص محال جاگیر ضبط کردہ نواب	امروہہ کو بغرض بحالی محال جاگیر جو نواب آصف الدولہ
آصف الدولہ کہ در آنوقت متصرف اینما مالک بود	حاکم وقت نے ضبط کر لئے تھے لکھنؤ جانے کا اور کچھ عرصہ
اتفاق۔ بلکھنؤ افتاد چندگاہ آنجا اقامت اختیار کردند و	وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا، مثل مشہور ہے تخم تاثیر صحبت اثر

صحبت ہائے شیعیان آنجا کہ معاون کار آناں بودند بجہت شستند بمقتضائے الصحبۃ مؤثرۃ مذہب تشیع اختیار کردند پیش از وے درین سلسلہ کسے متہم بہ تشیع نشدہ[1]	لکھنؤ کے شیعوں کی صحبت سے جو اس کام میں ان کے معاون تھے مذہب تشیع اختیار کر لیا ورنہ ان سے پہلے اس خاندان دینی تحصیل علم میں کوئی شخص شیعہ نہ تھا

مولٰنا آل حسن کے دادا مولانا امام الدین نے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی تھے، مذہب قدیم اہل سنت و جماعت اختیار کیا اور ان کے خاندان کے دوسرے اشخاص بھی جو خوش استعداد عالم تھے مثلاً مولٰنا آل حسن کے چچا مولوی کریم بخش جو مولٰنا تراب علی لکھنوی اور شاہ عبد الغنی دہلوی کے شاگرد اور مولٰنا عبد الحی کے مرید و مجاز تھے نیز ان کے فرزند مولوی ابن حسن وغیرہ یہ سب سنی المذہب تھے۔

سادات فاطمی کے جو خاندان امروہہ میں زیادہ قدیم نہیں ان میں حضرات **دانشمندان** کا خاندان علماء و فضلا کا مقتدر خاندان رہا ہے۔ اس خاندان کے غالباً تمام افراد اب شیعی مذہب ہیں لیکن ان کے جد القبیلہ مولٰنا **سید اشرف** دانشمند سنی حنفی عالم متبحر اور فقیہہ فاضل تھے۔ سنبھل کے خاندان مشائخ میں ان کی شادی ہوئی، اس زوجہ سے حضرت **سید محمود رضوی** قدس سرہٗ متولد ہوئے جو اپنے زمانہ کے صاحب کمال بزرگ ولی کامل اور تاج العارفین شیخ تاج الدین سنبھلی کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دونوں فرزند سید عصمت اللہ عرف شاہ بھونڈا اور سید حاجی محمد قدس اللہ اسرارہم سلسلہ چشتیہ کے مشائخ تھے۔ سید عصمت اللہ کے فرزند سید رحمت اللہ بھی صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کے کئی فرزند عالم فاضل اور صاحب منصب و جاگیر ہوئے۔ قاضی سید محمد فیاض ۲۸ سنہ جلوس جہاندار شاہ مطابق ۱۱۲۴ھ پرگنہ مرادآباد کے عہدۂ محتسب پر اور ۲ سنہ جلوس فرخ سیری (مطابق ۱۱۲۶ھ) میں صوبۂ قنوج کے قاضی مقرر ہوئے۔ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر کسی شیعہ کا ہرگز تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ محتسب کا عہدہ ہی اوّلاً شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہٗ جیسے ذی علم اور راسخ العقیدہ سنی بادشاہ نے قایم کیا تھا غرضکہ ابتداءً یہ خاندان مشائخ و علماء و قضاۃ بھی نسلاً بعد نسلٍ سنی المذہب تھا۔

خاندان سادات **جرودیہ** جو نشابانیدی ہیں بارہویں صدی ہجری کے آخری سنین تک سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد القبیلہ شیخ **سید خوند سعید**[2] اور ان کے فرزند **سید اشرف** عالم فاضل صوفی منش تھے۔

---

[1] تحفۃ التواریخ صفحہ ۲۔ [2] تاریخ واسطیہ کے مطبوعہ شجرہ میں انکا نام "اخوان سعید" درج ہے جو صحیح نہیں ہے۔

تھے۔ اس خاندان میں بھی غلام محی الدین پیر بخش اور دستگیر وغیرہ نام رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح خاندان سادات **دستار سیاہ** (کالی پگڑی) جو نسباً حسنی سید ہیں ہمیشہ سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد قبیلہ حضرت **شیخ فتح اللہ** شیرازی قدس سرہ جو صاحب کمال بزرگ تھے ایران سے ہندوستان آئے۔ ان کی اولاد میں **شیخ نصر اللہ** اور ان کے فرزند عارف باللہ **شاہ شکر اللہ** قادری صاحب ارشاد و ہدایت ہوئے۔ سجادگی کا سلسلہ کئی پشت تک ان کی نسل میں متوارث رہا۔ خانقاہ بھی بارہویں صدی ہجری تک آباد تھی۔ ان میں مولوی سید شمس علی کا خاندان ہے جو خود بھی سنی تھے۔ ان کے پوتے سید حامد علی و احمد علی وغیرہ اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ منشی اظہر علی وغیرہ جو نسباً اس خاندان سے نہیں ہیں غالباً کسی رشتہ کے تعلق کی بنا پر اپنے کو اس خاندان میں ظاہر کرتے ہیں، البتہ شیعی مذہب ہیں۔

تقریباً یہی حال سادات فاطمی کے چند اور خاندانوں کا بھی ہے[1] ان خاندانوں کے مورثوں کا زمانہ شاہان مغلیہ کا زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں ہزاروں شیعہ موجود تھے جن میں امراء بھی تھے اور بڑے بڑے عمال حکومت بھی، امروہہ کے ان خاندانوں کے مورثوں کو اپنے عقائد مذہبی کے اخفا کے لئے کوئی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بزرگان دین، علماء اور فضلا مذہباً و عقیدتاً سنی حنفی تھے۔ انکے لئے نہ خوف ضرر تھا اور نہ طمع زر۔

تفریق مذہب کی ابتداء

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسٹر نیول نے جن لوگوں کا یہ مقولہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مندرجہ بالا اقتباس میں درج کیا ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سید شیعی مذہب تھے ہر انصاف پسند تسلیم کریگا کہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں بلکہ برخلاف اسکے واقعہ یہ ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب اہل سنت والجماعت تھا اور یہی ان کا قدیم اور آبائی مذہب تھا اور ایک حصہ کا اب تک ہے لہذا اب یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ پھر یہ تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی۔

(بہ سلسلۂ گذشتہ) کاغذات میں جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں "خوند سعید" تحریر ہے۔ "خوند" فارسی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی بزرگ کے ہیں یہ لفظ اصلاً "آخوند" کا مخفف ہے۔ "خوند سعید" اپنے زمانہ کے عالم تھے درس دیتے تھے اسلئے "آخوند" کا لفظ بمعنی استاد انکے نام کا جزو ہوگیا۔]

[1] امروہہ میں سادات فاطمی کے باقی خاندان مثلاً سادات کاظمی ساکنان محلہ کٹکوئی و سادات حسنی ساکنان محلہ چلہ و شاہ علی سرائے آباعن جدٍ سنی حنفی ہیں۔

اس کا جواب مسٹر نیول کے مندرجہ بالا اقتباس ہی کی آخری سطور میں ملتا ہے یعنی امروہہ کے مسلمانوں میں مذہبی تفریق نوابان اودھ کے زمانہ سے، جو بذات خود غالی شیعہ تھے، شروع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اودھ اور روہیلکھنڈ میں نواب آصف الدولہ نے شیعہ مذہب کی تبلیغ کی مولنا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جو ضلع رائے بریلی کے قدیم اور مشہور خاندان سادات کے نامور رکن، عالم، ادیب، و طبیب حاذق ہونے کے علاوہ، فاضل مؤرخ بھی تھے، لکھتے ہیں:

"نواب آصف الدولہ[1] کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سُنّی سے شیعہ ہو گئے اور انکو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں، جو شاہان

(بسلسلۂ گذشتہ) شاہ علی سرائے والوں میں سے مولوی محمد احسن نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔ ان خاندانوں میں نیز اسی طرح یہاں کے دوسرے فاطمی سیدوں میں کسی نے مذہب امامیہ اختیار نہیں کیا۔]

[1] نواب آصف الدولہ یحییٰ علی خان ہزبر جنگ بہادر نواب شجاع الدولہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ بہو بیگم جنکا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا انکی والدہ تھیں۔ یہ مؤتمن الدولہ نواب محمد اسحٰق شوستری کی بیٹی تھیں، محمد شاہ بادشاہ نے انکو اپنی بیٹی بنایا تھا اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ جہیز میں ان کو لاکھوں کا مال و متاع ملا طبعاً نہایت فیاض اور حیرشیم تھیں۔ پونے دو کرور روپیہ کے قریب انہوں نے ایک وثیقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحویل میں دیدیا تھا جس سے آج تک ان کے اعزا اور متوسلین کی اولاد کی پرورش ہوتی ہے۔ آصف الدولہ ١١٨٨ھ میں مسند وزارت یعنی حکومت صوبہ اودھ کی مسند پر بیٹھے۔ ماں کی فیاض طبعی کا حصہ انکو بھی ملا تھا، لکھنؤ کے دوکاندار آج تک ان کا نام لیکر دوکان کھولتے ہیں اور یہ فقرہ لکھنؤ میں بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے "جس کو نہ دلائے مولیٰ اُسے کیا دیں آصف الدولہ"۔ لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ، رومی دروازہ، باولی، مسجد، بھول بھلیاں جیسی شاندار اور مشہور عمارتیں انکی یادگار ہیں۔ فیض آباد کو بجائے

مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں، ضبط کی گئیں" [1]

نوابان اودھ میں سب سے پہلے نواب وزیر، نواب برہان الملک شیعہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنے زیر حکومت تمام صوبوں کے علماء کی جو اس زمانہ میں سب کے سب سُنی المذہب تھے، جاگیریں اور املاک مدد معاش ضبط کرلی تھیں۔ اس کے متعلق ایک زبردست شہادت ایک ہمعصر سُنی مورخ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی [2] کا بیان ہے۔ علمائے بلگرام کے تذکرے میں جو اُس زمانہ میں سب کے سب علماء و فضلاء سُنی المذہب [3] تھے اور جن کی املاک و سیور غالات ضبط کرلی گئی تھیں علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

تا صدود ۱۱۳۰ھ ہنگامۂ علم و علماء دریں گل زمین (یعنی قصبۂ بلگرام) گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خاں [4] نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شد و اکثر بلاد عمدۂ صوبہ الہ آباد نیز داد الخیر جون پور و بنارس و غازی پور و کڑہ و مانک پور و کوڑہ جہاں آباد و غیرہا ضمیمۂ حکومت گردید و وظائف و سیور غالات خانوادہ قدیم و جدید یک قلم ضبط شد و کار شرفاء و نجباء بہ پریشانی کشید۔ و اضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشتہ ....

۱۱۳۰ھ تک اس سرزمین (یعنی قصبۂ بلگرام) میں علم و عمل کا خوب چرچا تھا حتیٰ کہ محمد شاہ بادشاہ کے شروع زمانہ سلطنت میں برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری صوبۂ اودھ کے حاکم مقرر ہوئے اور اکثر عمدہ صوبے یعنی الہ آباد، جون پور، بنارس، غازی پور، کڑہ، مانک پور، کوڑہ جہاں آباد وغیرہ بھی ان کے تحت حکومت میں دیدئے گئے۔ اسوقت سے شرفاء (سادات) کے قدیم و جدید خاندانوں کے وظیفے اور املاک مدد معاش یک قلم ضبط کرلی گئیں۔ شریف و نجیب پریشان روزگار ہوگئے اور حصول معاش کی پریشانی نے وہاں کے آدمیوں کو حصول علم سے باز رکھا...

(بسلسلہ گذشتہ) لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا تھا۔ ۱۲۱۲ھ میں استسقا کی بیماری میں انتقال ہوا۔ [1] گل رعنا صفحہ ۱۵۳

[2] علامہ میر غلام علی آزاد بن سید نوح بلگرامی یکشنبہ ماہ صفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے۔ بارھویں صدی ہجری کے فاضل ادیب اور مورخ تھے۔ ۱۲۰۰ھ میں بمقام روضہ نواح اورنگ آباد دکن چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ سرو آزاد، ید بیضا، خزانۂ عامرہ، روضۃ الاولیاء، سبحۃ المرجان، مآثر الکرام انکی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں۔

و رواج تدریس و تحصیل بآں درجہ نماند و دوآنکہ
کہ از عہد قدیم معدنِ علم و فضل بود یک قلم
خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال منتشر
برہم خورد۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
و بعد انتقال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر
زادۂ او ابوالمنصور خان صفدر جنگ رسید و
وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند و
در اواخر عہد محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز
بصفدر جنگ مقرر شد و تتمۂ وظائف آن صوبہ کہ تا حال
از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بضبط در آمد و در عہد جہاندار شاہ

اور تعلیم و تعلم کی وہ حالت باقی نہ رہی۔ جو مدت سے زمانۂ
قدیم سے علم و فضل کے معدن و مرکز تھے سب پر تباہی
آگئی۔ اہل کمال کی انجمنیں منتشر ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ برہان الملک کی وفات کے
بعد انکے بھانجے ابو المنصور خان صفدر جنگ مسند حکومت
پر بیٹھے۔ وظیفے اور املاک بدستور ضبط رہے۔ محمد شاہ
بادشاہ کے آخر عہد یعنی ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ
داری بھی صفدر جنگ کو دیگئی۔ اس صوبہ کے وظیفے (املاک
مدد معاش) جو اس وقت تک ضبط ہونے کی بلا سے
محفوظ تھے ضبط کر لئے گئے۔ جہاندار شاہ بادشاہ کے عہد میں

(بہ سلسلۂ گذشتہ) صمصام الدولہ شاہ نواز خان کی بے نظیر تالیف مآثر الامرا کی تکمیل و تہذیب ان ہی کے قلم کا کرشمہ ہے۔ ۳ (صفحہ ۲۷۳) مولوی عبد الحق صاحب مآثر الکرام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ان علما و فضلائے بلگرام میں سے جنکا اسمیں ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد کے زمانہ میں رواج پایا"۔ بزرگان سادات بلگرامی جو نسبا زیدی ہیں، علامہ میر **عبد الجلیل** جامع علوم اور عہد عالمگیری کے مشہور اور متبحر علماء میں سے تھے۔ "اس زمانہ کا ذوق علمی دیکھئے۔ صوبہ بھکر و سیوستان کی بخشی گری و سوانح نگاری و وقایع نویسی کی اہم خدمات پر مامور ہیں۔ آخر ایام ملازمت میں صحیح بخاری کی کتابت اور مقابلہ کا علمی شغل ہے۔ حکم شاہی پہنچا ہے کہ عہدہ کا چارج دوسرے کو دیدو۔ تعمیل حکم کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں کتابیں کمیاب تھیں۔ صحیح بخاری کی کتابت کا کام بدستور جاری ہے۔ اور محض اسی لئے بھکر کے قریب چھ ماہ ایک موضع نوشہرہ میں خیمہ ڈالے مقیم رہتے ہیں اور جب یہ کام ختم کر لیتے ہیں تو دہلی کی جانب کوچ ہوتا ہے۔ اس شغف علمی کی کوئی مثال آج کل یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں پیش کی جا سکتی ہے؟" ۴ نواب برہان الملک کا اصلی نام میر محمد امین اور برہان الملک سعادت خان بہادر خطاب تھا۔ سلسلۂ نسب بروایت صاحب عماد السعادت سید زید بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔

صفدر جنگ بہ پایہ وزارت اعلیٰ صعود نمود و نائب صوبہ، کار برارباب وظائف تنگ تر گرفت و تا حینِ تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار ہست۔ [1]

صفدر جنگ وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اور نائب صوبہ نے ارباب وظائف پر اور بھی زیادہ تباہی آئی اور اس کتاب کی تحریر کے وقت تک یہ شہر حوادث زمانہ سے پامال ہے۔

سنہ ۱۱۸۸ھ میں روہیلکھنڈ بھی نوابان اودھ کے قبضہ میں آگیا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ کا تھا جو اپنے پدر بزرگوار صفدر جنگ کے بعد مسند حکومت پر بیٹھے۔ دس ماہ کے بعد شجاع الدولہ کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کے اکلوتے بیٹے نواب آصف الدّولہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ کو مسند نشین ہوئے۔ انہوں نے علی الاعلان مذہب تشیع کی اشاعت میں کوشش کی۔ ان ہی کے وقت سے اودھ میں بھی اس مذہب نے رواج پایا۔ مولوی عبد الحق بی۔اے (علیگ) پرنسپل اورنگ آباد کالج و سیکریٹری انجمن ترقی اردو مآثرالکرام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاصکر آس پاس کے اضلاع و قصبات پر اور بعض اوقات دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ جونپور و دیگر مضافات لکھنؤ وغیرہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ امر پایۂ تیقّن کو پہنچ جاتا ہے جب مذہب کی پشتی پر حکومت ہوتی ہے تو حالت اندیشہ ناک ہو جاتی ہے، میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جاہ طلبی اکثر لوگوں کی نیت کو، جو اعتقاد کے کچے ہوتے ہیں، ڈانواں ڈول کر دیتی ہے۔ ایسا ہی ہر جگہ ہوا ہے۔" [2]

مولوی عبد الحق صاحب فرماتے ہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام نہیں لیا۔ مجھے اپنے محترم دوست کی اس رائے سے اختلاف ہے، جبر و تعدی کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کسی شخص کی جائداد و جاگیر بلا کسی جرم و قصور کے اگر ضبط کر لی جائے اور واگذاشت کے لئے تبدیل مذہب کا لالچ دیا جائے تو

---

[1] مآثرالکرام صفحہ ۲۲۲۔

[2] مقدمہ مآثرالکرام مؤلفہ علّامہ آزاد بلگرامی مطبوعہ ...... صفحہ ۱۳

کیا اسے جبر و تعدی نہ کہا جائے گا۔

صوبہ اودھ میں تبلیغ شیعیت کے متعلق مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں :۔

ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور **جو اپنی ضد پر قائم رہے انکی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں "**

اس قول کی تائید میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ نواب مدار الدولہ کے والد خواجہ موسیٰ خان جنخاندان مشائخ نقشبندیہ سے تھے سنی المذہب تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نواب برہان الملک کی صحبت میں جو پہلے نواب وزیر تھے، مذہب شیعہ اختیار کیا تھا لیکن تقیہ میں تھے ان کے فرزند نواب مدار الدولہ نے شیعیت کا اعلان کیا ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر انعام میں ملی ایک شیعہ مؤرخ لکھتے ہیں کہ :۔

" خواجہ موسیٰ خان از جہت تولد در توران و صحبت بزرگان خود سنی بود در ہندوستان چوں صحبت نواب برہان الملک دریافت بمذہب اثنا عشری میل نمود لیکن بکمال اخفا و مدار الدولہ ہرگز اخفائے مذہب کہ در اثنا عشریاں تقیہ ہمیست بخاطر نہ دارد و بہ اعلان تمام تعزیہ داری می کرد و حالا در لکھنو جاگیر شصت ہزار روپیہ از سرکار دولتمدار برائے او مقرر است۔" [1]

خواجہ موسیٰ خان بوجہ ملک توران میں پیدا ہونے اور اپنے بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے سنی تھے جب نواب برہان الملک کی صحبت میں رہے تو مذہب امامیہ کی جانب مائل ہوئے لیکن نہایت خفیہ طریقہ پر اور مدار الدولہ (جو ان کے فرزند تھے) اپنے مذہب کا اخفا جسکو امامیہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان تعزیہ داری کرتے تھے اور اب لکھنؤ میں انکو ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر سرکار سے ملی ہوئی ہے۔

برخلاف اسکے جن امرا کی جاگیریں شاہان مغلیہ کی عطا کردہ تھیں اور وہ مذہب کے معاملہ میں اپنی ضد پر قائم رہے، ضبط کی گئیں۔ امروہہ میں بعض مثالیں اسکی تائید میں ملتی ہیں۔ سادات امروہہ اولاد حضرت

---

[1] عماد السعادت

شاہ ولایتؒ میں سید **علی اعظم خان** (دگھڑیال والے)[1] کا خاندان اباً عن جدٍ سُنّی حنفی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے سے اس خاندان میں نامور منصب دار اور اُمرا ہوتے رہے۔ شاہان مغلیہ اور سلطنت اسلامی کی شاندار خدمات کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ جب روہیلکھنڈ کا علاقہ نوابان اودھ کے زیر حکومت آیا تو نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں اور جاگیرداروں کی طرح انھیں بھی پروانہ واگذاشت رہا لیکن جب نواب آصف الدولہ بہادر مسند حکومت پر بیٹھے تو سید علی اعظم خان سے بھی، جو اس زمانہ میں امروہہ کے بڑے جاگیردار تھے، مذہب شیعہ اختیار کرنے کی تحریک ہوئی اور در صورت انکار ضبطی جاگیر کی دھمکی دی گئی لیکن سید موصوف نے اس نازک وقت میں بھی دنیاوی مال و دولت پر اپنے عقائد مذہبی کو ترجیح دی۔ اس طرز عمل کی پاداش میں شیعہ حکومت نے ان کی جاگیر کے مواضعات مجوآلہ وغیرہ عطیۂ شاہان مغلیہ ضبط کرلئے۔ کسی معمولی شخص کا معاملہ ہوتا تو اس زمانہ میں شخصی حکومت کے استبداد کے خلاف چارۂ کار ہی کیا تھا مگر سید علی اعظم خان خود بھی منصب دار تھے، شاہ دہلی کے وزرا سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہاں سے نواب آصف الدولہ کے نائب حسن رضا خان پر، جو ان کارروائیوں کے بانی مبانی تھے زور ڈالا گیا تب جاکے یہ جاگیر واگذاشت ہوئی اس سلسلہ میں شاہ دہلی کے وزیر کی ایک سفارشی تحریر جو نواب آصف الدولہ کے ایک مقرب خاص کے نام ہے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شایع کرنا بے محل نہ ہوگا۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے، اسکا عکس بھی شایع کیا جاتا ہے:۔

نواب صاحب برادر بہتر از جان سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات کہ حد و نہایتے ندارد مشہود خاطر عُلت مآثر میدارد

کہ سیادت و رفعت نشان **محمد اعظم** از قدیم باینجانب واسطہ مرافقت و موافقت

دارند واجب الرعایت خود اند نظر برایں یعنی رسوخ ارادت ایشاں ما بجناب نواب

---

[1] ان کا اصلی نام "سید محمد اعظم" تھا اور "علی اعظم خان" خطاب۔ ملاحظہ ہو حصۂ دوم۔ سید علی اعظم خان حضرت شاہ عبد الہادی قدس سرہ سے بیعت ارادت رکھتے تھے ان کے نامور فرزندوں میں سید بنیاد علی خان صوفی اور راسخ العقیدہ سُنّی تھے انہوں نے یہ دیکھکر کہ سادات کی برادری میں شیعہ سُنّیوں کی باہم مناکحت و رشتہ داری کے

عنوان مآب گذارش نمودہ دلنشین گردانید چنانچہ پروانہ واگذاشت دیہات جاگیر مجملہ

وغیرہ عملہ پرگنہ امروہہ رابواسطۂ علاقۂ زمینداری رفعت نشان مرقوم مرحمت فرمودند

ازانجاکہ پرگنۂ مذکور در قلمرو نواب صاحب قدردان نواب آصف الدولہ بہادر است بر دا[ ]ضت

رفیقان اینجانب کہ درحقیقت از متوسلان نواب صاحب موصوف اند بنا بر آن مستلزم

محبّت و یکدلیہا آن است کہ احوال ایشاں بخوبی ذہن نشین گردانیدہ پروانہ واگذار

دیہات مرقوم را حاصل کردہ دہند کہ کامیابی رفعت نشان مسطور فی الحقیقت خوشنودی

اینجانب تواند شد و مدام ترسیل مکاتیب مسرّت اسالیب مسرور و خورسند دارند۔

زیادہ چہ تحریر درآید۔"

مولوی محبّ علی خان عباسی، جنھوں نے امروہہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا ابتدائی دور بچشم خود دیکھا تھا، اپنی تالیف آئینہ عباسی میں لکھتے ہیں :۔

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں بعد سالار غازیؒ کہ آٹھ سو برس ہوئے ہونگے، اہل اسلام سادات و شرفا بود و باش رکھتے ہیں، سب کا ایک مذہب حق اہل سنّت والجماعت تھا جیسا کہ آثار و اطوار قصاصانیف واخبار سے بخوبی ثابت ہے۔ اب عرصہ ۵۰ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر (اودھ) کہ وہ ہی اس مذہب ۔ ۔ ۔ ۔ کا موجد ہندوستان میں ہے بمجواے اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ بعض بعض نے بہ طمع نفسانی اپنے بزرگوں کا مذہب ۔ ۔ ۔ چھوڑ کر تشیع اختیار کیا۔ اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی ہے[۲]"

اس خیال کی تائید کہ مذہب شیعہ نے امروہہ کے سادات فاطمی میں ابتداءً نوابان اودھ کی کوششوں اور شیعہ حکومت کے اثرات کی بدولت رواج پایا اور شیعہ حکومت کی حمایت سے اس کو قوّت حاصل ہوئی ہے۔

(بسلسلۂ گذشتہ) تعلقات واثرات سے شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا تو اپنے خاندان میں اس کی روک تھام کی حتیٰ کہ جو جائداد انہوں نے وقف کی تھی اسکے متولین کیلئے سُنّی المذہب ہونے کی قید لگائی ۔ [۱] بزرگان سادات امروہہ کے مذہب شیعہ اختیار کرنے پر "طمع نفسانی" کا عام اطلاق کرنا خاکسار مؤلف کے نزدیک صحیح نہیں سادات حسینی کا بہ[ ]

استفتاء در قومہ ۱۲۰۸ھ سے بھی ہوتی ہے۔ جب عزاداری بقول مولوی سیّد اعجاز حسن مرحوم اسی آخر صدی میں اوّل اوّل امروہہ میں شروع ہوئی تو اسوقت شیعہ حکومت اس فرقہ کی پشتی پر موجود تھی غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے "جنھوں نے نیا نیا مذہب شیعہ اختیار کیا تھا" ایک ایرانی شیعہ کی تحریک پر مجالس عزا میں جنھیں اس زمانہ کی اصطلاح میں "عرس شہدائے کربلا" کہتے تھے سب صحابۂ کرام کا ارتکاب کیا۔ اس وقت حسب ذیل استفتا ارباب شریعت کی خدمت میں پیش ہوا جس سے صاف طور سے مترشح ہے کہ عزاداری کا موجودہ طریقہ امروہہ میں اس سے پیشتر نہیں تھا بلکہ اسی زمانہ سے شروع ہوا ہے۔

.... درصورتیکہ مثلاً گروہے از بدعقیدگانِ زمانہ بہ ارادۂ ہتک حرمت جماعتے از اہل اسلام کہ حسن عقیدہ باصحابہ نبی آخر الزّمان داشتند مجلسے بطریق عرس شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ عنہم آراستہ ساختہ جماعتے حسن عقیدہ را از روئے فریب و عذر برائے ایذا و ہتک حرمتہ دراں مجلس طلب ساختند و چونکہ جماعتے از حسن عقیدگاں در مجلس آں بدعقیدگاں درآمد سخنان اہانت و تحقیر و سب درحق صحابۂ کبار آغاز نمودند پس آں جماعتے حسن عقیدہ **از خوفِ ولاۃ الملک** صبر و شکیبائی ورزیدہ ازاں مجلس خود ہا را بہ ہزار جدّ و کد بیروں آوردند پس آیا دریں صورت آں گروہ بدعقیدگاں کہ منشا و غدر و فریب گردیدہ متعرّض ہتک حرمت حسن عقیدگاں گشتہ و مرتکب طعن و تحقیر و سب صحابۂ کرام گردیدہ اند از روئے شریعت و از روئے قوانین عقلیہ مستحق تعزیر شدید و سیاست قلبیہ اند یا نہ۔ بینوا و توجروا۔

استفتا کے نقل کرنے سے چونکہ مقصد یہ نہیں کہ مذہبی بحث چھیڑی جائے بلکہ صرف ایک تاریخی سوال کا حل مطلوب ہے اس لئے مفتیوں کے جواب کو حذف کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔

---

* اکثر بنی ہاشم نسلی تعصبات کی بنا پر تفضیلی رہے ہیں تفضیل و شیعت میں مستحکم حد فاصل نہیں پس کیا تعجب کہ ان حضرات میں ایسے اشخاص شامل ہوں جو شیعان لکھنؤ کی صحبت سے شیعہ ہو گئے ہوں۔ طمع نفسانی کا حکم عام لگانا مبنی پر انصاف نہیں ہو سکتا ہے (صفحہ ۲۷) آئینہ عباسی صفحہ ۳۶ و ۳۷۔]

معلوم نہیں اس وقت کی شیعہ حکومت نے ان شکایتوں کا، جن کی بناپر یہ استفتا پیش کیا گیا تھا، کیا تدارک کیا لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قایم نہ رہی ۱۲۱۲ھ میں نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوگیا اور اس سے چار برس بعد یعنی ۲۸ جمادی الآخر ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۰۱ء سے روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت حکومت آگیا۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ شیعہ سنی کے مذہبی ہنگامہ آرائیوں میں امروہہ سے باہر کے کسی شیعہ کو جسے ایران کا باشندہ اور امروہہ میں تبرا و سب صحابہ کرام کے اس طریقہ کا جو اس زمانہ کے بعد سے امروہہ میں رائج ہوا بانی بتایا جاتا ہے کسی سنی نے اس فتوے سے متاثر ہوکر قتل کردیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر جہاں اب امام باڑہ محلہ قاضی زادگان کے دروازہ کی دوڑھی ہے مقتول کو دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کی مدت ڈیڑھ سو سال سے زائد نہیں۔ اس سے پیشتر تمام مسلمانوں کا، خواہ وہ نسباً شیخ ہوں یا سید، مغل ہوں یا پٹھان سب کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی مسلک تھا۔ نوابان اودھ کے زمانہ سے شیعہ سنی کی تفریق شروع ہوئی، پھر مقلد و غیر مقلد کے جھگڑے رہے اور اب بدعتی و وہابی کے جھگڑے زوروں پر ہیں۔ الغرض

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت — نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت — مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت

رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

اس ملک میں اب نہ سنی حکومت باقی ہے اور نہ شیعہ سلطنت، زمانہ کی رفتار نہ شیعہ پھیر سکتا ہے اور نہ سنی، حوادث روزگار کی چکی نے دونوں کو پیس ڈالا مگر افسوس کہ فریقین کے تنگ خیال افراد ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پر دست و گریباں ہونے کو اب بھی آمادہ رہتے ہیں، آگ بجھ گئی ہے لیکن خاکستر کے ڈھیر میں تعصبات لایعنی کی چنگاریاں دبی پڑی ہیں وہ کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہیں۔ عقائد و خیالات کا اختلاف کہاں نہیں لیکن امروہہ کے شیعہ اور سنیوں کا باوا آدم ہی نرالا ہے، آپس کی تفریق سے نہ ان کا کوئی اجتماعی کام سر سبز و کامیاب ہوتا ہے اور نہ باعتبار کثرت آبادی شہری معاملات میں ان کی آواز کو کوئی قوت حاصل ہے اسی وجہ سے عام اسلامی مقاصد پامال ہوتے رہتے ہیں

اگر بھولتے ہم نہ قولِ پیمبر | کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور | معین اس کا خود ہے خداوند داور

تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

عام قومی اور اسلامی مفاد کے کاموں میں بھی یہاں شیعہ و سنی کی تفریق موجود ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہ یعنی انگریزی اسکول میں بھی شیعیت و سنیت کی اڑنگے لگائے جاتے ہیں۔ امروہہ میں شیعہ و سنی کمیٹی جداگانہ قائم ہیں۔ شیعہ سوسائٹی علیحدہ ہے اور سنی سوسائٹی علیحدہ عام طور سے امروہہ کا شیعہ شیعہ سوسائٹی میں گھومتا ہے اور سنی سنی سوسائٹی میں۔ اور اب تو نوبت یہ پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی سنی شیعوں کے مجمع میں چلا جائے یا شیعہ سنیوں میں آ جائے تو اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حالت جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ساٹھ ستر برس پہلے نہ تھی۔ اس وقت عام قومی مقاصد میں شیعہ و سنی، سادات و شرفا سب متحد ہو کر کام کرتے تھے۔ ذیل میں ۱۳۲۳ھ کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو نکاح کی ایک غیر شرعی رسم کے موقوف کرنے کے متعلق ہے۔ اس پر امروہہ کے سادات و شرفا شیعہ و سنیوں کے تقریباً چار سو اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔ شیعہ و سنی علماء کے دستخط ساتھ ساتھ ہیں جہاں مولانا سید محمد عبادت شیعی مذہب کے دستخط ثبت ہیں وہاں اس زمانہ کے سنی علماء مولانا امام الدین نخشبی، مولوی سید رمضان علی اور مولانا کفایت اللہ "ملا پہلوان" کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر خاندان کے صدہا دستخط ہیں اس سے اس زمانہ کے اتحاد و یک دلی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما یان جملہ سادات و شرفاء سکنہ قصبہ امروہہ ایم از انجا کہ در اقوام سادات و شرفا کثر معمول و مرسوم است کہ عقد نکاح با زنان بستہ بلا خلوت آنہا را در خانہ پدر آنہا میگذرانند و رخصت و خلوت را شادی نام نہادہ بر آئندہ ملتوی می دارند چنانچہ حسب اتفاق بعضے از ناکحین زنان مذکورہ بقضاء الٰہی فوت شدہ اولیاء منکوحات را بطور ایامی یعنی زنان

بے شوہر ترک زینت وغیرہ بلا تعمیل نکاح ثانی نزد خود نگاہداشت می نمایند و آں بہ نیہ این معنی صریح خلاف احکام آیات الٰہی و بالعکس افعال و اقوال رسالت پناہی و مبائن طریقۂ اہل اسلام ہست لہٰذا ما جملہ سادات و شرفاء خدا و رسول او تعالیٰ شانہٗ را بالکل گر درمیان نمودہ اقرار صحیح و عہد صریح می نمایند کہ اگر احیاناً کدام جا اختیار ما جملہ مردمان مرقوم الاسماء قرطاس ہٰذا واقعہ مذکورہ بوقوع رسد بعد عدۃ نکاح مجوزان حسب نصوص قطعیہ و مسائل شرعیہ در برادری خود کردہ دہند تعذر و تلبث و حرف و حکایت نو سے وہیچ بمیان نیارند و ہر کہ موافق ایں امر معہودہ عمل نیارد و مخالف بارگاہ خدائے عظیم و حضرت رسول کریم و خارج از طریقۂ اسلام و بیروں از برادری تمام است بنا بر آں ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند گردد و عند الحاجت بکار آید و کان ذٰلک تحریر فی التاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ و سنہ “

اس زمانہ کے شیعہ و سنی بزرگ سنجیدہ اور باوقار تھے آجکل کے سے چھچھورے نہ تھے کہ خدا نہ ذرا سی بات پر شیعت و سنیت کے سوال اٹھاتے۔ نواب ثابت جنگ علی قلی خان عباسی المتخلص بہ والہ عقیدتاً اثنا عشری نسباً عباسی اور شاہ ایران کے وزیر اعتماد الدولہ فتح علی خان عباسی کے بھتیجے تھے۔ محمد شاہی دور میں ہندوستان آئے۔ اس زمانہ میں دہلی کے شیعہ و سنیوں کے لا یعنی تعصبات دیکھ کر یہ ایران کا شیعہ بھی جل اٹھا اور ایک رباعی شیعہ و سنی جہلا کے حسب حال کہی جو شاید امروہہ کے ان متعصبین کے حسب حال ہوگی جو فریق مخالف کے سب و شتم اور ایذا دہی کو اپنی نجات کا باعث سمجھتے ہیں :۔

“ دیدم ز نزاع سنی و شیعہ تعب   کاموختہ اند کیش جہل از ام و اب
ہر جا کہ خریست کیشش شیعہ بود   ہر جا کہ سگیست کیشش ہست لعب

امروہہ کی معافیات

مسٹر نیول، آئی۔ سی۔ ایس۔ مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر لکھتے ہیں:۔

"عطیات معافی کے تاریخی حالات تاریکی میں مستور ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے بہت پیشتر سے سادات امروہہ کو تمام ہندوستان میں بہت کچھ شہرت حاصل تھی اور نسبا یہ لوگ ضلع مظفرنگر کے سادات بارہہ سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنا سلسلۂ نسب (حضرت شاہ) شرف الدین واسطی سے متصل کرتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے فرزند (سید) عبد العزیز کی شادی ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں[1] فیروز شاہ (خلجی) کی دختر سے ہوئی تھی مگر یہ ممکن الوقوع معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ (سلطان) جلال الدین فیروز (خلجی) ۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء میں قتل ہو گیا تھا اور اس وقت وہ ایک مسن شخص تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس بادشاہ نے ان سادات پر اپنی عنایات مبذول کیں وہ **فیروز شاہ تغلق**[2] تھا۔

اسی سلسلہ میں صاحب تاریخ اصغری جو سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایت کی نسل سے ہیں لکھتے ہیں:۔

صدہا برس سے اس شہر کے باشندوں کی اوقات گذاری کا مدار اراضی معافی کی پیداوار پر ہے۔ ابتدا میں **فیروز شاہ خلجی** نے اپنے داماد سید عبد العزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دیے تھے۔ سلاطین مابعد نے بھی انکو بدستور برقرار رکھا اور خاندان تیموریہ سے مزید برآں جملہ سادات و شرفا کو دیہات معافی عطا کیے"۔[3]

---

[1] ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین خلجی سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے ۱۶ سال پیشتر سلطان جلال الدین فیروز خلجی بعمر ۸۰ سال فوت ہو چکا تھا۔ [2] مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۸۸۔ [3] تاریخ اصغری صفحہ ۱۲۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں عطیات معافی کی ابتدا، سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے بیان کی گئی ہے اور ان عطیات میں جزو غالب "ان بہت دسے گانوں" کا بتایا گیا ہے جو بقول صاحب تاریخ عصری فیروز شاہ خلجی نے "اپنے داماد سید عبدالعزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو..... سلطنت سے جدا کر دیے تھے" اسلئے معافیات امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضروری ہے، کہ اس روایت پر دوبارہ نظر ڈالی جائے جو سلطان جلال الدین فیروز خلجی یا سلطان فیروز شاہ تغلق یا کسی اور بادشاہ کی بیٹی سے سید عبدالعزیز کی شادی ہونے کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔

شادی کی روایت

صاحب تاریخ واسطیہ[1] نے یہ روایت بحوالہ سید سراج الدین احمد[2] مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کی ہے :-

"ہم از ثقات شنیدہ کہ چوں سلطان فیروز شاہ خبر یافت کہ سید عبدالعزیز پسر خورد حضرت شاہ ولایت در دہلی بجہت طالب علمی تشریف آوردند خلعت نمودہ و آگاہ کردہ دختر خود بحبالۂ نکاح ایشاں در آوردہ چوں ایں خبر در خدمت حضرت شاہ ولایت رسید از انجا کہ گوشۂ عزلت و قناعت و ترک دنیا طریق ایشاں بود بزبان مبارک فرمودند کہ آں گردن شکستہ را فقر ما خوش نیامدہ میر سید عبدالعزیز روزے بر عراقی سوار شدہ می رفتند ناگاہ از اسپ افتادند گردن ایشاں بشکست و جان بحق تسلیم کردند۔ بادشاہ از شنیدن ایں خبر متألم شد پرسیدند سید حاملہ ہست

ثقہ اشخاص سے سنا گیا ہے کہ فیروز شاہ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت شاہ ولایت کے چھوٹے فرزند سید عبدالعزیز طالبعلمی کی غرض سے دہلی میں تشریف لائے ہیں انکو خلعت پہنا کر اور انہیں اسکی اطلاع کر کے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر جب حضرت شاہ ولایت کو پہنچی تو چونکہ گوشہ نشینی و قناعت و ترک دنیا اپنا شیوہ کر لیا تھا آپ نے اسپر اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اس گردن شکستہ کو ہمارا فقر پسند نہ آیا۔ سید عبدالعزیز ایک دن (دہلی میں) گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گھوڑے سے گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور جاں بحق ہو گئے۔ بادشاہ کو اس خبر کے سننے سے صدمہ ہوا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ انکی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے

---

[1] تاریخ واسطیہ صفحہ ۹۱۔ [2] یعنی سید سراج الدین احمد بن سید نجیب الدین جو سنہ ۱۳۲۲ھ تک زندہ تھے۔

گفت چوں فرزند تولد شود در خدمت شاہ ولایتؒ برد قدم بوسی حاصل نماید، چوں فرزند تولد شد قدم بوس کنانیدند حضرت بر سر کودک دست مبارک نہادہ گفتند کہ از اولاد تو ریاست این دیار تا بہ قیامت خواہد ماند، چوں حضرت میر علی بزرگ پسر کلان حضرت شاہ ولایت ہمیشہ در خدمت قیام داشتند عنایت دربارہ برادرزادہ دیدند سکوت نمودند حکم شد کہ ولایت و دولت نعمت (؟) در اولاد شان تا بہ قیامت خواہد ماند بموجب فرمودہ آنحضرت ہر دو حکم جاریست

کہا کہ جب فرزند تولد ہو جائے تو شاہ ولایت کی خدمت میں جائے اور قدم بوس ہو۔ جب بیٹا پیدا ہو گیا تو قدم بوس کرایا گیا۔ آپ نے بچہ کے سر پر دست مبارک رکھکر فرمایا کہ تیری اولاد میں اس شہر کی ریاست قیامت تک باقی رہیگی۔ چونکہ حضرت میر علی بزرگ (؟)، حضرت شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے تھے انھوں نے جب بھتیجے کے حال پر عنایت زیادہ دیکھی تو خاموشی اختیار کی حکم ہوا کہ ولایت اور دولت روحانی (؟) ان کی اولاد میں قیامت تک باقی رہیگی حضرت کے ارشاد کے بموجب دونوں حکم جاری ہیں۔

روایت کی حیثیت

یہ روایت ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، لیکن کب سے مشہور ہے، راوی کون لوگ ہیں، سلسلۂ روایت کہاں ختم ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کسی قدیم تحریر یا کسی ثقہ صحیح الروایۃ شخص کے بیان سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ روایت ڈیڑھ دو سو برس سے خاندان کی بعض شاخوں میں مشہور چلی آتی ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کے متعلق قدیم ترین بیان صاحب **ثمرات القدس** کا ہے جو آخر عہد اکبری کی تالیف ہے، یعنی حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً تین سو برس بعد کی؛ لیکن صاحب ثمرات القدس نے بھی اپنی تالیف میں اس روایت کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ثمرات القدس کے علاوہ دوسری قدیم تالیف، جس میں اس خاندان کا تفصیلی تذکرہ ہے سید کمال محمد کی تالیف **اسراریہ** ہے جو ۱۰۶۸ھ کی تالیف ہے۔ صاحب اسراریہ کے بیان کو خاندانی حالات کے سلسلہ میں خاص اہمیت یہ حاصل ہے کہ وہ نسباً ان ہی سید عبد العزیز کی نسل سے ہیں جن کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہونا بیان کی جاتی ہے لیکن سید کمال محمد نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کا اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ سید کمال محمد کا اپنے جد امجد کے

متعلق ایک ایسے اہم واقعہ کا بیان نہ کرنا جو بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے اور بروایت مندرجہ
بالا حضرت شاہ ولایتؒ کی بددعا سے اچانک طور سے وفات پاجانے کی وجہ سے کم از کم مؤلف اسرار یہ کو خاندانی
کے لئے خاص تعلق اور اہمیت رکھتا تھا، اسکا قوی ثبوت ہے کہ یہ روایت ان کے زمانہ تک مشہور نہیں ہوئی تھی
علاوہ ازیں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے تقریباً ۴۰ برس بعد مشہور سیاح **ابن بطوطہ**
سنہ ۷۴۳ھ میں امروہہ آیا تھا، وہ تقریباً ایک مہینہ تک یہاں مقیم رہا، امروہہ کے سفر کے حالات اس نے اپنے
سفرنامہ میں بالتفصیل لکھے ہیں، سید عبد العزیز مذکور کے بڑے بھائی قاضی سید امیر علی سے ملاقات اور
ضیافت کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے حالات بھی تحریر کئے ہیں لیکن
اس نے بھی شادی کے واقعہ کا یا بادشاہ کی بیٹی یا نواسہ کے امروہہ میں موجودگی یا قیام کا مطلق کوئی تذکرہ
نہیں کیا حالانکہ اسکی آمد کا زمانہ یقیناً ایسا زمانہ تھا کہ شہزادی یا اسکا بیٹا ضرور بقید حیات اور امروہہ میں
موجود ہوتے اور ان کے واقعہ کی مفصل کیفیت کسی اور سے نہیں تو قاضی سید امیر علی سے تو اس نے مزید
سنی ہوتی اور واقعہ کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ امروہہ کے حالات کے سلسلہ میں وہ اس اہم اور عجیب
غریب واقعہ کا ضرور تذکرہ کرتا۔ ایک اور تالیف جس میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کا تذکرہ ہے
مقاصد العارفین ہے جو سنہ ۱۱۲۴ھ کی تالیف ہے اس میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ان وجوہ سے
اس روایت کی شہرت کا آغاز سنہ ۱۱۲۴ھ یعنی مقاصد العارفین کی تالیف کے بعد سے سمجھنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔

روایت پر تنقیدی نظر

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ شادی کی یہ روایت تو خاندان میں بہت قدیم زمانہ سے مشہور
چلی آتی تھی لیکن صاحب **ثمرات القدس** صاحب اسرار یہ، ابن بطوطہ یا صاحب
مقاصد العارفین نے کسی وجہ سے اسکو قابل تذکرہ نہیں سمجھا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے
وہ تاریخی حالات و واقعات کے لحاظ سے ممکن الوقوع بھی ہے یا نہیں؟

دو بادشاہوں کے نام اس سلسلہ میں لئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی دختر سے حضرت شاہ ولایتؒ
کے فرزند سید عبد العزیز کی شادی ہوئی تھی اور بہت سے مواضعات جہیز میں عطا ہوئے تھے۔ صاحب تاریخ
اصغری نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کا نام لیا ہے لیکن حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس بادشاہ کی

کسی بیٹی سے سید عبد العزیز مذکور کی شادی ہونی ممکن الوقوع نہیں ۔

اولاً یہ کہ اس بادشاہ کا زمانۂ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک ہوتا ہے۔ تاریخ آصفی و داستانیہ اور دوسرے تذکروں میں حضرت شاہ ولایت کا سنہ ولادت ۵۵۲ھ بتایا گیا ہے اس لحاظ سے حضرت ممدوح کی عمر اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں تقریباً ۱۴۰ برس کی ہوتی ہے۔ باپ کی عمر جب ۱۴۰ برس کی ہو تو بیٹے کی عمر اور ایک ایسے باپ کے بیٹے کی عمر جو ولی کامل ہو اور جسکا عہد شباب کے بعد تعلقات ذاتی کی جانب ملتفت ہونا قرین قیاس ہو، کم سے کم تو سے یا سو برس کی تو ضرور ہوگی پس کسی شخص کا نو عمری کے بجائے سن کہولت میں طالبعلمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اپنی دختر کو کسی پیر صد سالہ کے حبالۂ عقد میں دیدینا محض لغو اور مہمل ہے ۔

ثانیاً یہ کہ اگر شاہ ولایت کا سنہ ولادت بخلاف ان "مورخین" اور تذکرہ نویسوں کے بیان کے ۶۶۳ھ قرار دیا جائے، جیسا کہ خاکسار مؤلف نے کسی دوسری جگہ ثابت کیا ہے، تو اس بادشاہ کے زمانہ میں آپ کی عمر چھبیس پچیس برس کی شمار ہوتی ہے اسلئے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ کے چھوٹے فرزند کی ولادت بھی نہیں ہوئی ہوگی اور اگر پیدا بھی ہو چکے ہونگے تو زمانہ شیرخوارگی کا ہوگا پس کسی طفل شیرخوار کا طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینا اور بھی زیادہ لغو اور مہمل ہے

ثالثاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت کے تفصیلی حالات اور اس کے سوانح حیات معتبر و مستند کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیائے برنی نے، جو شاہ موصوف کا معصر ہے، بادشاہ کے حالات، اسکے بیٹوں، دامادوں کے نام اور ان کے کارنامے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، ان میں کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام، ان کا ذکر یا شادی کے اس واقعہ کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ ضیائے برنی کا باپ بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خان کا نائب تھا، جس کی سکونت کا مکان محلات شاہی سے متصل تھا، ان تمام وجوہ سے بادشاہ کے خانگی حالات پر مطلع ہونے کا ضیائے برنی

---

[1] افسانہ نویسوں نے حضرت شاہ ولایت کا سال ولادت ۵۵۲ھ سال وفات ۶۳۲ھ اور مدت عمر ۲۳۰ قرار دی ہے۔ تاریخی حالات کے لحاظ ولادت وفات دونوں صحیح نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

کو خوب موقع حاصل تھا، اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا جس کا ذکر اس روایت میں کیا جاتا ہے تو ضیاء برنی،
جو معمولی واقعات تک تحریر کرتا ہے اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔

رابعاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے چار بیٹے تھے یعنی شاہزادہ محمود خان خانان[1] ارکلی خان،
قدر خان اور رکن الدین ابراہیم۔ چار ہی بیٹیاں تھیں جن کے شوہروں کے یہ نام ہیں **علاء الدین** (جو
بعد کو سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا) **الغ خان و الماس بیگ** (یہ تینوں بادشاہ
کے برادر زادہ تھے) اور چوتھا **الغو خان** نبیرۂ چنگیز خان۔ ان میں کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا وجوہ اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کی دختر
سے شادی ہونے کی روایت ہرگز صحیح نہیں۔

دوسرا بادشاہ جس کا نام اس روایت کے سلسلہ میں لیا جاتا ہے سلطان فیروز شاہ تغلق ہے۔ اس بادشاہ کی کسی دختر
سے بھی سید عبد العزیز کی شادی کا ہونا مندرجۂ ذیل وجوہ سے ناممکن الوقوع ہے:۔

اولاً یہ کہ اس بادشاہ کا عہد حکومت ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک رہا ہے اگر تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق
حضرت شاہ ولایت کا سنہ ولادت ۶۳۶ھ قرار دیا جائے تو اس بادشاہ کے عہد حکومت کی ابتدا میں حضرت
ممدوح کی عمر ڈیڑھ سو برس کی شمار میں آتی ہے، لامحالہ آپ کے فرزند کی عمر کم سے کم سوا سو یا ڈیڑھ سو برس کی تو
ضرور ہوگی لہٰذا ڈیڑھ سو برس کی عمر والے شخص کا بنات خود تو درکنار اس کی اولاد در اولاد کا بھی طالب علمی کرنے
دہلی جانا اور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا خلاف قیاس اور مہمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ حضرت شاہ ولایت کی ولادت ۶۶۶ھ میں قرار دی جائے تب بھی آپ کی عمر اس بادشاہ
کے عہد حکومت میں تقریباً سو برس کی اور آپ کے فرزند کی تقریباً ساٹھ ستر برس کی تسلیم کرنا پڑے گی لیکن
یہ عمر بھی ہرگز ایسی نہیں کہ جس عمر میں وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور بادشاہ اپنی بیٹی کی ستر برس کے بوڑھے

---

[1] بادشاہ کا یہ بڑا بیٹا اس کے سامنے ہی مر گیا تھا حضرت امیر خسرو نے اسی شاہزادہ کی وفات کے وقت وہ مشہور مرثیہ لکھا تھا جس کے
دو شعر یہ ہیں:۔ چہ روز ست ایں کہ بی خورشید تاباں ماتمی بینم / دگر شب شمع را ماہ درخشاں ماتمی بینم
شہانیک بر سر تخت و خیدگاں صف زدہ ہر سو / ہمہ ستہند لیکن خان خاناں ماتمی بینم

کے ساتھ شادی کر دیا۔

ثالثاً سلطان فیروز شاہ تغلق ہی قدیم شاہان ہند میں ایک ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کے عہد سلطنت کے حالات میں ایک چھوڑ تین تین مبسوط اور مستند کتب تاریخ موجود ہیں یعنی تاریخ فیروز شاہی تصنیف ضیاء الدین برنی و تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ سراج عفیف اور فتوحات فیروز شاہی جو خود بادشاہ نے اپنے قلم سے لکھی ہے اور اپنے خاص خاص حالات و واقعات قلمبند کئے ہیں۔ ان کتب تاریخ میں بادشاہ موصوف کی اولاد اور اس کے دامادوں کے جابجا تذکرے ملتے ہیں لیکن کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام یا ان کی شادی اور ان کی اچانک موت کا واقعہ مذکور نہیں حالانکہ واقعہ کی نوعیت اور اہمیت اس کی مقتضی تھی کہ اسکا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسرے مؤرخ اگر نہ لکھتے تو خود بادشاہ جس کی حضرت شاہ ولایتؒ سے عقیدت کا تذکرہ ان تذکرہ نویسوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ تحریر کیا ہے اس اہم واقعہ کا تذکرہ ضرور کرتا۔

رابعاً۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی وفات اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے تقریباً بارہ برس پہلے واقع ہو چکی تھی، آپ کا سنہ وفات جو عام طور سے ۷۸۳ھ مشہور ہے وہ آپ کا سنہ وفات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً آپ کے پوتے سید اشرف جہانگیرؒ کا سنہ وفات ہے جو شرف الدین جہانگیر کے نام سے بھی مشہور تھے اور سلسلۂ مشائخ چشتیہ کے بزرگ اور اپنے جد امجد کے جانشین ہونے کی بنا پر شاہ ولایت بھی کہلاتے تھے۔ اس پر تفصیلی بحث میں نے دوسرے موقع پر کی ہے لیکن یہاں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو مشائخ کا عقیدتمند تھا، اثنائے سفر میں جہاں کہیں کسی ولی کامل کا ذکر سنتا ہے اس کی خدمت میں ضرور پہنچتا ہے اور ملاقات کے حالات لکھتا ہے، وہ ۷۴۲ھ میں امروہہ آتا ہے یہاں کامل ایک مہینہ تک مقیم رہتا ہے، آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی سے اس کی ملاقات ہے، وہ اُن کا اور ان کی ضیافت کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے پس اگر اس وقت حضرت شاہ ولایتؒ حیات ہوتے تو یہ مشائخ کا معتقد آپ کی خدمت میں خواہ آپ کسی صحرا میں موجود ہوتے ضرور حاضر ہوتا، آپ کے ذکر خیر سے اپنے سفر نامہ کو زینت دیتا لیکن اس نے کوئی تذکرہ آپ کا نہیں کیا کیونکہ آپ اس کی تشریف آوری سے بارہ برس پہلے یعنی تقریباً ۷۳۰ھ میں، جیسا کہ کسی دوسری جگہ ظاہر کیا گیا ہے، واصل بحق ہو چکے تھے۔ دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ

شاہ ولایتؒ کے پوتے سید محمد ابدال دودہ داری جوان ہی سید عبد العزیز کے فرزند تھے اپنے دادا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پس اگر انہوں نے خرقۂ خلافت شاہ ولایتؒ کی عمر کے آخری سال میں حاصل کیا تو سنہ ۷۴۰ھ میں جو شاہ ولایتؒ کا سنہ وفات ہے ان کی عمر کم از کم پچیس تیس برس کی تو ضرور ہوگی لہٰذا ایک ایسے شخص کے باپ کی عمر جو ۷۴۰ھ میں پچیس تیس برس کا ہو اس سنہ میں پچاس ساٹھ سال کی ہوگی اسلئے اس سے بارہ برس بعد یعنی سنہ ۷۵۲ھ میں جو فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کا سال ہے سید عبد العزیز کی عمر تقریباً ستر اسّی برس کی تسلیم کرنا پڑیگی جو ہرگز ایسی عمر نہیں کہ وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور فیروز شاہ تغلق اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دیتا۔

الغرض مندرجہ بالا وجوہ سے اس روایت کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی دختر سے سید عبد العزیز کی شادی ہوئی تھی۔

اور اگر ان تمام تاریخی واقعات و حالات سے بھی قطع نظر کرلی جائے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ تسلیم کرلیا جائے کہ نہیں سید عبد العزیز کی شادی کسی بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی اور ضرور ہوئی خواہ وہ بادشاہ خلجی ہو یا تغلق ہو یا اور کوئی ہو تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کی جو صورت اس روایت میں مذکور ہے اس طرح اسکے وقوع پذیر ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبد العزیز دہلی میں طالب علمی کرنے گئے تھے، بادشاہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ شاہ ولایتؒ کے چھوٹے صاحبزادے یہاں طالب علمی کی غرض سے آئے ہیں اسنے اپنی دختر ان کے حبالۂ عقد میں دیدی۔ اس کی اطلاع جب شاہ ولایتؒ کو ہوئی تو چونکہ حضرت ممدوحؒ گوشۂ عزلت و قناعت اختیار کرکے ترک دنیا اپنا شیوہ قرار دیا تھا آپ کو یہ امر ناگوار ہوا کہ فقیر کا بیٹا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرلے آپ نے فرمایا کہ اے گردن شکستہ تجھے ہمارا فقر اچھا نہیں معلوم ہوا آپ کے اس ارشاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ سید عبد العزیز دہلی میں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور فوت ہوگئے، بادشاہ کو اسکا صدمہ ہوا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو شاہ ولایتؒ کی قدم بوسی کے لئے بھیجا جائے چنانچہ بعد ولادت فرزند شہزادی مذکور

شاہ ولایتؒ کے پوتہ کو لیکر بقول صاحب واسطیہ کسی قدر شاہی فوج کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی تھی۔

مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیز طلب علم کے لئے دہلی گئے تھے، ظاہر ہے کہ طالبعلمی کا زمانہ نوعمری کا زمانہ ہوتا ہے آج بھی بالعموم اس عمر میں شادی بیاہ نہیں ہوتا، اور آج سے تقریباً چھ صدی پیشتر تو اس نوعمری کے زمانہ میں شادی بیاہ کا قطعاً دستور نہ تھا اور بالخصوص مشائخ کے بیٹے جب تک کسب کمالات نہ کر لیتے شادی بیاہ کی پابندیوں میں گرفتار نہ ہوتے تھے اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ اس نوعمر طالب علم کی کوئی شادی دہلی جانے سے پیشتر نہیں ہوئی تھی اور سید عبدالعزیز کی پہلی شادی یہی شادی تھی اور شادی ہونے کے چند روز بعد ہی وہ اپنے باپ کی بددعا سے گھوڑے سے گر کر فوت ہوگئے بادشاہ کی بیٹی کے سوائے اور کسی عورت کو عقد میں لانے کا انکو موقع ملا اور نہ صورت حالات اس کی مقتضی تھی کہ وہ ایسا کرتے یا ایسا ہوا ہوتا۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ سوائے اس فرزند کے، جو ان کے انتقال کے وقت شکم مادر میں تھا ان کے کوئی دوسری اولاد نہیں تھی لیکن یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جن "مورخین" نے ان کی شادی، ان کی اچانک موت اور ان کے فرزند کے تولّد کی یہ عجیب و غریب روایت نقل کی ہے ان ہی "مورخین" نے اُن کے، دو اور فرزندوں یعنی سید محمد ابدال دودہ دمعاری (جن کو حضرت شاہ ولایت کا خلیفہ بھی بتایا جاتا ہے) اور سید محمد آلدین (جد امجد مؤلف اسرار یہ) کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان کے یہ دو اور فرزند کہاں سے آگئے؟ آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ کی صورت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو سید عبدالعزیز کی شادی کی یہ روایت، جس طرح بیان کی گئی ہے اور آب و تاب سے نام نہاد "مورخین" نے شایع کی ہے، بے اصل و بے بنیاد ہے یا یہ دونوں فرزند فرضی اور مصنوعی ہیں۔ لیکن ان دو فرزندوں کا فرضی اور مصنوعی ہونا قرین قیاس نہیں، کم از کم ان میں ایک سے سلسلۂ نسل باقی رہا اور اب تک باقی ہے یعنی مؤلف اسرار یہ کا خاندان۔ اسلئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت ہی قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ طالب علمی کرنے اور دہلی جانے سے پہلے سید عبدالعزیز کی شادی ہو چکی تھی، اور نہ صرف شادی ہو چکی تھی بلکہ زوجۂ اولیٰ سے کم از کم دو فرزند (اور ممکن ہے کہ کوئی دختر) بھی متولد ہو چکے تھے لیکن ایسا حالت پر بھی بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے ساتھ کر دی (حالانکہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ ناممکن الوقوع ہے) اور حسب روایت صاحب تاریخ جعفری "اپنے داماد سید عبدالعزیز کی اولاد کے لئے بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئے" تو آخر عطائے جاگیر و مواضعات کا کوئی ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے؟ قدیم کاغذات کے مطالعہ سے

تجسس حالات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ عہد مغلیہ سے پہلے مالی حالت کے لحاظ سے امروہہ کے سادات وشرفاء کے دوسرے خاندانوں کے مقابلہ میں اس خاندان کو کسی قسم کا تفوق حاصل نہیں تھا بلکہ برخلاف اس کے جیسا کہ کسی دوسرے موقع پر ظاہر کیا گیا ہے، سادات نوگانواں کے مورثوں کو مواضعات معافی زیادہ تعداد میں عطا ہوئے تھے۔ خاندان خلجی یا تغلق کی کوئی شہزادی اگر امروہہ میں سکونت پذیر ہوتی اور جیسا کہ مؤلف واسطیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسقدر فوج شاہی کے ساتھ شہزادی امروہہ آئی اور یہاں مقیم رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی سکونت کے لئے امروہہ میں کوئی قلعہ یا گڑھی یا بدرجۂ اقل محلات یا عالی شان مکانات تعمیر ہوتے، کیا کسی شہزادی کے محل یا سکونت کے مکان کا کوئی پتہ بتایا جاسکتا ہے یا اسکے آثار یا نشانات ہی دکھائے جاسکتے ہیں؟ فیروز شاہ تغلق کو اگر حضرت شاہ ولایت سے اس قسم کی عقیدت ہوتی جس کا ذکر افسانوں میں کیا جاتا ہے یا رشتہ کے تعلقات ہوتے تو یہ بادشاہ جس کو تعمیر عمارت کا بہت شوق تھا[1] جو آپ کے زمانہ کے بہت بعد تک زندہ رہا اور اس کے خاندان میں سلطنت بھی اس زمانہ کے بعد عرصۂ دراز تک جاری رہی ضرور تھا کہ آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرتا، خانقاہ بنواتا، مصارف کے لئے بڑی جاگیر عطا کرتا۔ حالانکہ آپ کے مرقد منور پر نہ کوئی مقبرہ بنا، نہ کوئی عالیشان خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مصارف خانقاہ وعرس کے لئے کوئی جاگیر عطا ہوئی۔ فیروز شاہ نے اپنے سوانح حیات میں ان تمام تعمیرات کی تفصیل درج کی ہے جو مختلف مقامات پر اسنے تعمیر کرائی تھیں۔ فیروز شاہ خود لکھتا ہے کہ:-[2]

"یکے از مواہب الہٰی کہ ایں بندۂ بیچارہ	خدا تعالیٰ کے بعض انعامات میں سے جو اس عاجز بندہ
را عطا کردہ بر رشید مبانی خیرات	(یعنی فیروز شاہ تغلق) کو عطا ہوئے یہ ہے کہ خیرات کے
توفیق داد، بسے مساجد و مدارس	کاموں کی توفیق دی، بہت سی مسجدیں، مدرسے اور
و خوانق بنا کردیم تا علماء و مشائخ و زہاد	خانقاہیں میں نے تعمیر کیں تاکہ علماء، مشائخ زاہد اور عابد
و عباد دراں مقامہا معبود بحق را عبادت کنند	لوگ ان مقامات میں معبود حقیقی کی عبادت کریں اور اپنی

[1] فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں جو تعمیرات مختلف مقامات پر کرائیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:- ۳۰ مدرسے، ۳۰ خانقاہیں، ۴۰ مسجد جامع، ۱۵۰ کوئیں، ۱۰۰ کوشک، ۱۰۰ مقبرے، ۲۲ رباط، ۵ دارالشفاء، ۱۰۰ حمام، ۱۰ منارہ کلاں، ۳۰ نہریں، ۱۰۰ حوض و پل، اس کے باغات وغیرہ [2] فتوحات فیروز شاہی قلمی۔

بانیٔ خیر را بدعا مدد نمایند و حصر آبہا و
غرس اشجار و وقف آراضی برنہج شرع
متفق و مجمع علیہ است و در ملت اسلام
علمائے شریعت را در وی اجماع است و درو
شکے و شبہہ نے، و در جمیع ایام مصالح سیکرد تا
ہمیشہ حاصل آن بہ بندگان خدا برسد ذکر آن مشروحاً در وقف نامہ مذکور است

دعائے بانیٔ خیر کی مدد فرمائیں۔ پانی کا انتظام کیا گیا،
درخت نصب کئے گئے، اور آراضی اس طریقہ پر ان کے
مصارف کے لئے وقف کی گئی جو شرع میں متفق علیہ ہو اور
علماء کا اس پر اجماع ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں تاکہ
ہمیشہ اس کی آمدنی بندگان خدا کو پہنچتی رہے۔ اسکی
تفصیل وقف نامہ مذکور میں کی گئی ہے۔

غیروں کے لئے مقبرے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں، ان کے لئے اراضی وقف کی گئی لیکن جن سے عقیدت یا رشتہ کا تعلق تھا، جہاں اس کی بیٹی اور نواسے موجود تھے، وہاں نہ کوئی خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مقبرہ۔ یہ بات قرین قیاس نہیں
حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے مقبرہ کی درستی کے متعلق دوسرے موقع پر یہ بادشاہ
لکھتا ہے کہ:۔ [1]

"دریہائے گنبد و جعفریہائے مقبرۂ شیخ الاسلام
نظام الحق والدین ہم از صندل ساختہ و
قندیلہائے زریں با زنجیرہائے زر در چہار
زاویہ گنبد آویختہ و جماعت خانۂ جدید بنا
کردہ کہ آنچناں پیش ازیں آنجا نبودہ۔

مقبرۂ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء دہلوی) کے گنبد
جعفریوں کو بھی صندل کی لکڑی سے بنایا گیا اور سونے کی
قندیلیں سونے کی زنجیروں سے گنبد کے چاروں کونوں
میں آویزاں کی گئیں اور ایک نیا جماعت خانہ جیسا کہ وہاں
پہلے نہیں تھا تعمیر کیا گیا۔

"مورخین اردو بہ" کی روایتوں کے مطابق جب اس بادشاہ کو حضرت شاہ ولایتؒ سے اس درجہ عقیدت اور نیازمندی تھی کہ مرید ہونے کی بار بار خواہش ظاہر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، پھر اسی نیازمندی و عقیدت کی بنا پر آپ کے فرزند حضرت کے عقد میں اپنی بیٹی بھی دیدی اور انکی اولاد کے لئے "بہت گاؤں بھی سلطنت سے جدا کر دئے" تو یہ امر حیرت انگیز ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مقبرہ کو جن سے نہ عقیدت تھی، نہ جن کا مرید تھا، اور نہ جن سے کوئی رشتہ کا تعلق تھا، تو آراستہ و مزین کرتا ہو، سونے کی قندیلیں لٹکاتا ہو، سونے کی زنجیریں

---

[1] فتوحات فیروز شاہی قلمی۔

آویزاں کرتا ہے مگر حضرت شاہ ولایت کی درگاہ میں ایک اینٹ بھی نہیں رکھی جاتی - کیا یہ طرزِ عمل حیرت انگیز نہیں ؟ کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عقیدت دینا زمندی ورشتہ کی روایت محض ایک افسانہ ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں -

تاریخ سے ثابت ہے کہ سلطان فیروز شاہ طغلق بڑا مخیر بادشاہ تھا - صرف مشائخ و علماء قرآن خوانوں وغیرہ کو جو رقوم سالانہ خزانہ شاہی سے دیجاتی تھیں ان کی تعداد ۳۶ لاکھ ٹنکہ تھی اور شرفا و غربا کے انعامات کی تعداد تقریباً ایک کرور سالانہ مقرر تھی - جابجا مدارس و شفاخانہ جات قائم کئے تھے - ایک دیوان خیرات اس غرض سے قائم کیا تھا کہ تہی دست لوگوں کو جو اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کر سکتے اس سے امداد دی جائے - اس زمانہ کا مورخ سراج عفیف لکھتا ہے :[1]

دیوان خیرات برائے تزویج بنا کردہ یعنی آں مسلمانانِ غمگین و موسنان مساکین کہ دختراں دارند و آں دختراں بحد بلوغت رسیدہ اند پدرانِ ایشاں اسباب کار خیر ندارند بدیں سبب دائم دلہائے ایشاں پریشاں مانند ..... حضرت جہاندار . . . دریں محل فرمان فرمود ہر آں کسے کہ دخترے دارد بالغہ باید کہ آں شخص در خیرات دیوان اخبار رساند شرح احوال خویش بیان دلِ ریش پیش عہدہ دارانِ دیوان خیرات بازنماید ..... بر اندازۂ حال ہر ایک وجہ تعین کنند -

شادی بیاہ کے لئے ایک دیوان خیرات قائم کیا تھا یعنی ان غمگین اور مسکین مسلمانوں کے لئے جن کی بیٹیاں ہیں اور یہ لڑکیاں بلوغت کی حد کو پہنچ گئی ہیں مگر ان کے باپ ان کی شادی کا سامان فراہم نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے ان کے دل ہمیشہ پریشان رہتے ہیں ...... بادشاہ ..... نے اس بارہ میں یہ فرمان صادر کیا کہ جو شخص کوئی بالغہ لڑکی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ دیوان خیرات میں اس کی اطلاع دے اور اپنے حال سے عہدہ داران دیوان خیرات کو مطلع کرے ..... ہر ایک کی حالت کے اندازہ کے مطابق مدد مقرر کی جائے -

مندرجہ بالا بیانات سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایت کی کسی بلوغت کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے کی روایت صحیح نہیں، نہ کوئی شہزادی امروہہ میں کبھی سکونت پذیر ہوئی اور نہ اس کے یا اس کے اولاد

[1] تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف -

کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے کبھی "بہت گانوں سلطنت سے جدا کئے"[1] اور نہ اس طرح امروہہ کی معافیات کی ابتدا ہوئی۔

پھر یہ روایت کیوں اور کب سے مشہور ہے؟

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ پھر روایت کیوں اور کب سے مشہور ہوئی ۱۲۳۰ھ تک یعنی مقاصد العارفین کی تصنیف کے وقت تک یا پھر بفرض محال ۱۲۶۰ھ تک یعنی اسراریہ کی تالیف کے زمانہ تک تو یہ روایت مشہور نہیں ہوئی تھی یا کم از کم اسکو کوئی الیسا درجۂ اعتبار حاصل نہ ہوا تھا کہ مؤلف اسراریہ اسکا ذکر کرتا ۱۲۶۰ھ کا وہ زمانہ ہے جبکہ اس سے تقریبًا ایک صدی پہلے سے سید عبدالعزیز کی نسل میں امارت و ریاست آگئی تھی۔ سید محمد میر عدل و سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف کی لیاقت وقابلیت' ان کی شاندار خدمات اور کارناموں کی وجہ سے شاہان مغلیہ نے ان کو اعلیٰ مناصب اور جاگیریں عطا کی تھیں۔ اور اس خاندان کو تمول و اقتدار کے لحاظ سے اپنے ہمچشموں پر تفوق حاصل ہوگیا تھا۔ ان کے بعد کی نسلوں نے آنکھ کھولتے ہی ریاست کے ٹھاٹ دیکھے' ان کے آبائے کرام نے تو اپنی محنت وجانفشانی' تلوار کی جھنکار اور قلم کی سرسراہٹ کی بدولت دولت پیدا کی تھی' علم وفضل وفنون سپہ گری کے ذاتی جوہر ان میں موجود تھے' ان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ پوتڑوں کے رئیس تھے' خوشامدی مصاحبوں اور حاشیہ نشینوں نے خاندانی تفاخر واقتدار کے حاشئے چڑھانے شروع کئے' اس زمانہ میں خاندانِ شاہی سے تقرب فخر ومباہات کا اعلیٰ ترین معیار سمجھا جاتا تھا' کسی نے شادی کی یہ روایت بھی گھڑ ڈالی ابتداءً اس کی صورت کچھ اور ہوگی' آنے والوں نے اس میں اور رنگ آمیزیاں کیں' اس زمانہ میں تو کسی نے مانا کسی نے نہ مانا' دو چار پشت کے بعد یہی بات "مسلمات تاریخ" میں داخل ہوگئی' اس نسل کے بعض حضرات اظہار تفاخر کے لئے اپنے کو "منبۂ فیروز شاہ تغلق" بھی لکھنے لگے نام نہاد "مورخین امروہہ" نے بھی اس کو آب وتاب سے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ اور جو بات کبھی کسی نے "زیب داستان" کے لئے کہی تھی وہ اب "مسلمات تاریخ" میں شمار ہونے لگی۔ ورنہ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں' اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

---

[1] جو روایت مؤلف واسطیہ نے لکھی ہے جسکا اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے ذرا اسکے آخری فقروں کو غور سے پڑھئے۔

معافیات کی ابتداء

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قایم ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی سے علماء و مشائخ سادات و شرفا، کے خاندانوں کی پرورش کے لئے وظائف و مدد معاش میں حسب حیثیت املاک و اراضیات معافی عطا ہونے لگی تھیں امروہہ میں حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کی تشریف آوری کے بہت پہلے سے جو خاندان علماء و مشائخ و سادات و شرفاء کے موجود تھے ان کو املاک و معافیات دی گئی تھیں مثلاً اولاد حضرت نظام گنج رواں قدس سرہ، اولاد قاضی نظام الدین قریشی وغیرہ کو املاک معافیات عطا ہوتی تھیں ۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت میں البتہ بہت سی معافیات ضبط ہو کر خالصہ میں شامل ہوگئی تھیں[1] لیکن فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے حکومت کے پہلے ہی سال میں ستر سال پیشتر کے تمام عطیات کی اسناد کی جانچ پرتال کراکے مستحقین کو املاک و معافیات بحال کردیں ۔[2]

"امثلۂ ہفتاد سالہ کہ از سلاطین ماضیہ درباب ادرارات و انعامات و دیہا و زمینہائے سادات و مشایخ و سائر مستحقان صادر شدہ بود و ہمہ بخالصہ باز آمدہ بر اولاد و احفاد ایشاں بر حکم آں امثلہ مقرر و مسلم شد و تازگی فرمان ہائے ملعز او امثلۂ دیوانی یافتند و آناں کہ ندا شتند و محتاج نفقہ بود ند تجدید فوق الکفایہ ایشاں ادرار و انعام و دیہہ و زمین مفرز و معین شد"	سادات و مشائخ و دوسرے کل مستحقین کے مواضعات و آراضیات انعامات و ادرارات جو گذشتہ بادشاہوں نے عطا کئے تھے اور وہ سب پھر خالصہ میں شامل کرلئے گئے تھے ایسے متعلق ستر برس پیشتر کے کاغذات و امثلہ کو نکلوایا اور ان احکام کے مطابق ان عطیات کو ان کی اولاد و وارثوں کو دیا گیا اور از سر نو فرمان و امثلہ مرتب کئے گئے اور وہ لوگ جو تہی دست و صاحب احتیاج تھے ان کو اور بھی زیادہ مواضعات و اراضیات و انعامات وغیرہ عطا ہوئے ۔

(بسلسلۂ گذشتہ) بڑے بیٹے سید امیر علی کی اولاد میں شیخت اور چھوٹے بیٹے سید عبد العزیز کے اخلاف میں ریاست کے الفاظ اس روایت کے تصنیف کرنے والوں کی کس قسم کی ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں ۔]

[1] تاریخ فیروز شاہی [2] تاریخ فیروز شاہی ۔

امروہہ کی معافیات کی ابتدا اسی عہد فیروزی سے سمجھنی چاہئے۔ سادات نوگیاں کے مورث خواجہ فخرالدین حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے جانشین خواجہ محمد امام کی اولاد میں تھے ان کو متعدد مواضعات اسی عہد میں امروہہ کے علاقہ میں عطا ہوئے۔ خاندان شیخ زادگان اولاد حضرت شیخ فرید الدین فاروقی گنج شکر کو بھی پرگنہ رجب پور میں مواضعات معافی ملے [1]

وخاندان ہائے شیخ فرید الدین و شیخ بہاء الدین و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) . . . . و چندیں مشائخ قدیم دیگر دیہا و زمین ہا و باغہا از سر نو عطا شدہ است۔	حضرت شیخ فرید الدین (گنج شکر فاروقی) و شیخ بہاء الدین (زکریا ملتانی) و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) . . . . نیز بہت سے دوسرے مشائخ قدیم کے خاندانوں کو مواضعات و اراضیات و باغات عطا ہوئے۔

یہ عطیات معافی "علی الدوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوئے تھے۔ کوئی قدیم دستاویز اور فرمان تو دستیاب نہیں ہوا لیکن امروہہ کے قاضی اور مشائخ و سادات کے خانوادہ ہونے کی حیثیت سے حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے اخلاف کو عہد خلجی و تغلقیہ میں املاک معافیات عطا ہوئیں۔ قاضی سید امیر علی کے انتقال پر ان کے فرزند سید محمد المعروف بہ سید تاج الدین بروایت نزہت القدس ترکہ پدری میں "ملک و باغ" کے متعلق حصول فرمان کے لئے دہلی گئے تھے۔

"دو برادر سید اشرف جہانگیر، گفت میروم تا ملک و باغ را کہ از پدر ماندہ فرمانے بیارم تا کسے را مداخلت دراں نماند" [2]

اسی طرح صاحب اسرار یہ اپنے جد امجد کے متعلق، جو سید عبد العزیز کے پرپوتے تھے، لکھتے ہیں کہ: ۔

سید چاند بن سید معروف بن سید محمد الدین بن سید عبد العزیز بن صاحب ولایت در قریہ نوبج پورہ از مضافات امروہہ سکونت داشتند و بہ طاعت سلیک و استغنائے تمام بسر می بردہ واہل	سید چاند بن سید معروف بن سید مجدالدین بن سید عبد العزیز بن صاحب ولایت امروہہ کے نواح میں نوبج پورہ نام ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں زندگی بسر کرتے تھے اور اس

[1] تاریخ فیروز شاہی۔

[2] تاریخ فیروز شاہی

این کار بود کہ شیخ عمر شہ سنبھلی را با سید اتفاق
ملاقات افتاد و عمر شہ و فتح شہ دو برادر بودند
ہر دو عالم و فاضل و بزرگ از مشاہیر روزگار
صاحب جاہ آخر عمر شہ بہ سید چاند گفت سیدا
چرا نہ در شہر سنبھل آئی و اقامت گیری و
من دخترے دارم تا نامزد سید حامد پسر تو
بکنم سید چاند این معنی قبول کرد و بہ سنبھل
آمد بی بی خدیجہ دختر شیخ عمر شہ بحبالۂ عقد
سید حامد در آمد و از آں مر حویلی و باغ
و املاک بنام آں بی بی شد و اتفاق توطن
افتاد - امروز از آں باغ چند درخت انبہ
ماندہ کہ مشہور بہ چنن ٹی است و آں حویلی حویلی سید دارہ گشت

علم کے اہل تھے - ایک موقع پر شیخ عمر شہ سنبھلی کو ان سے
ملاقات کا اتفاق ہوا - عمر شہ اور فتح شہ نامی دو بھائی
تھے - دونوں عالم، فاضل، مشاہیر وقت اور صاحب
جاہ تھے - شیخ عمر شہ نے سید چاند سے کہا کہ سید صاحب آپ
سنبھل کیوں نہیں آتے اور وہاں سکونت اختیار کرتے
میں اپنی بیٹی کی تمہارے فرزند سید حامد کے ساتھ
شادی کر دونگا - سید چاند نے یہ بات قبول کی اور سنبھل
آگئے - شیخ عمر شہ کی دختر بی بی خدیجہ سید حامد کے حبالۂ
عقد میں آئیں اور حویلی و باغ و املاک ان بی بی کے
جہیز میں ملیں اور اسی طرح سنبھل میں وطن پذیر ہوئے -
اب اس باغ میں سے آم کے چند درخت باقی ہیں جسے
چنن ٹی کہتے ہیں اور وہ حویلی بھی سید داڑہ ہے -

سید عبد العزیز کی اولاد کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے "بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئے" ہوتے تو ظاہر ہے کہ ان سے تیسری ہی پشت میں یہ حالت پیش نہ آتی کہ ان کے خلاف اس طرح ترک وطن کر کے دوسرے مقام پر سکونت اختیار کرتے - سادات و مشائخ و شرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح یہ اراضیات املاک اس خاندان کو بھی عطا ہوئیں، ان میں سے بعض لوگ ان مواضعات معافی میں سکونت پذیر بھی ہو گئے۔

قاضی سید میر علی کی نسل میں ایک خاندان اغوانپور چلا گیا تھا - وہاں کا عہدۂ قضا بھی ان پشت با پشت تک جاری رہا اور اس خدمت کے صلہ میں بھی انکو معافیات ملیں -

حضرت شاہ ولایت رح کے خاندان کے علاوہ شاہان خلجی و تغلق کے عہد میں خاندان قاضی زادگان، خاندان حضرت ترکمان (دستار کلاں)، خاندان ملک بھورن و خاندان سالار ایوب وغیرہ کو اس کے بعد شاہان لودی

؎ اسرار یہ قلمی -

کے زمانہ میں خاندان حضرات بخشی و خاندان نوعباس کا اور ابتدائے عہد مغلیہ میں سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں مثلاً خاندان حضرت شاہ ابن بدچشتیؒ و خاندان سید جمن و خاندان مولانا سید اشرف دانشمند نیز دیگر خاندانوں کو وقتاً فوقتاً امروہہ میں متوطن ہوئے حسب حیثیت جائداد و املاک معافی ملتی رہی۔ اس عہد تک عطائے معافیات کے اعتبار سے امروہہ کے سادات و شرفا کے مختلف خاندان تقریباً مساوی الحیثیت تھے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت کے نصف آخر میں اولاد سید نجیب نبیرۂ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کو عطائے مناصب و معافیات کے اعتبار سے درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔

امروہہ کی معافیات عہد مغلیہ میں

عہد مغلیہ میں امروہہ کی معافیات کی دو اقسام تھیں (۱) سیورغال[1] (۲) جاگیر۔ سیورغال ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدد معاش کے ہیں۔ مدد معاش حسب ذیل چار گروہوں کو دی جاتی تھی:-

(۱) علماء (۲) مشائخ (۳) غربا (بیوگان) (۴) سادات و شرفا۔

مدد معاش بھی دو صورتوں سے دی جاتی تھی یعنی بصورت نقد، روزینہ، درماہہ اسکو **وظیفہ** کہتے تھے اور بصورت مواضعات و آراضی اسکو **مِلک** کہتے تھے۔

سیورغال علامہ ابو الفضل "آئین اکبری سیورغال" کے تحت میں لکھتے ہیں۔

"و چہار گونہ مردم را بزمین و روزینہ کامیاب گردا..... بخشیں آگہی جویان آباد اندیشہ کہ پست از ہمہ برگرفتہ و در فراہم آوردن حقیقی علوم شب از روز نشناسند، دوم ریخ کشان خویشتن گداز کہ دل بہ پیکار نفس خود آراستہ از جہانیاں رو برتافتہ سوم ناتوانان بیسامان کہ توانائی جستجو ندارد۔ چہارم بزرگ زادگان آزرم دوست کہ از کم

چار قسم کے اشخاص کو **زمین** اور **روزینہ** سے مدد دی جاتی ہے۔ اولاً وہ **علما** جو ہر اور سب مشاغل سے قطع تعلق کرکے شب و روز خدمت علم میں مصروف رہتے ہیں۔ دوئم **مشائخ** جو اپنے نفس کو آراستہ کرتے اور دنیا کے لوگوں سے بےتعلق رہتے ہیں۔ سوئم **غربا** (بیوگان) جو کسی کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چہارم سادات و شرفا جو عدم

---

[1] سیورغال بالسین مہملہ مکسورہ و یائے معروف و رائے مہملہ ساکن و غین معجمہ و الف و لام ساکن در ترکی بمعنی **جاگیر** گویند۔ (عمادالسعادت)

دانشی راہ پیشہ وری نسپرند ـ عقدرا بزبان توت **وظیفہ** گویند و زمین را **ملک و مدد معاش** ـ و بہ این عنوان کرورہا دادہ اند و روز بروز افزودہ گردد۔[1]	قابلیت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار نہیں کرتے ـ نقدی کی صورت میں جو مدد ملتی ہے اسے **وظیفہ** کہتے ہیں اور زمین کو **ملک و مدد معاش** ـ اس طریقہ پر کروروں کی امداد کی گئی ہے اور روز بروز تعداد زیادہ ہے

جو املاک سیورغال کے طور سے دی جاتی تھیں ان کے متعلق یہ قاعدہ مقرر تھا کہ نصف حصّہ ان کا مزروع ہوتا تھا اور نصف غیر مزروع ـ اور اگر سب مزروع ہوتا تھا تو چہارم حصّہ کم کر لیا جاتا تھا ـ اس وقت حاصل اراضیات تقریباً ایک روپیہ فی بیگہ تھا ـ یہ اراضیات معافی کہلاتی تھیں کیونکہ ہر قسم کے محصول سے معاف اور مرفوع القلم تھیں اور ان میں اکثر "علی الدّوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوتی تھیں ـ امروہہ میں ان سیورغالات کی تعداد ۱۰۰۴ھ تک حسب ذیل تھی :ـ

نام پرگنہ	تعداد بیگہ	کل جمع	سیورغال
امروہہ	32,654	63,42,000 دام مطابق 1,58,550 روپیہ	9,93,358 دام 24,902-10-4 3/5 روپیہ

گویا عہد اکبری میں سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کو جو معافیات بطور سیورغال ملی ہوئی تھیں ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ تھی ـ ان میں زیادہ تعداد سادات کی تھی[2] ہمایوں و اکبر بادشاہ کے

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۱۴۰ ـ [2] صاحب آئین اکبری نے "آئین احوال دوازدہ صوبہ" کے تحت میں تمام پرگنات کی جمع، تعداد سیورغال، وغیرہ کی تفصیلات درج کی ہیں ـ ان تفصیلات میں جن اقوام کے زمینداروں کی تعداد جس پرگنہ میں زیادہ ہے ان اقوام کا نام بھی لکھدیا ہے چنانچہ پرگنہ امروہہ کی تفصیلات میں "سادات" کا لفظ تحریر ہے ـ مؤلف واسطیہ نے اس کی ایک مضحکہ انگیز توجیہ یہ کی ہے کہ "قصبہ امروہہ کی زمینداری سادات کو عطا ہوئی تھی ـ کجا پرگنہ امروہہ اور کجا قصبہ امروہہ" ـ اپنی اس عجیب توجیہ کے ثبوت میں بعض دستاویزات کی نقول بھی درج کی ہیں مثلاً صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر جن دستاویزوں کی نقل درج ہے ان سے بھی ان کے قول کی تائید نہیں ہوتی ـ "دستخط ایشاں بطو امیر خالصہ شریفہ و جاگیرداراں" کے الفاظ اپنا مطلب صاف بتا رہے ہیں ـ خالصہ کا حق زمینداری، معافیداری، چودھرایت و مقدّمی وغیرہ کے حقوق گو تعداد میں سادات اولاد حضرت شاہ ولایت کو زیادہ

عہد میں امروہہ کے ممتاز علما و مشائخ کے جو نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔ ان کو مختلف تعداد میں اراضیات سیور غال عطا ہوئی تھیں :-

علما :- مولانا سید عسکری و مولانا سیف الدین (مورث سادات محلہ حقانی) تھہ سات سو بیگہ و یک ہزار و یک صد بیگہ، مولانا لال محمد عباسی کو ایک ہزار ساٹھ بیگہ، مولانا بابن عباسی کو ۱۰۵ بیگہ، مولانا عبد الملک بخشی معروف بہ حقانی ۳۰۰ بیگہ، مولانا عبد الغفور بخشی، مولانا عبد القدوس بخشی و قاضی الہداد (آخر الذکر تین اشخاص کے عطیات معافی کی تعداد معلوم نہ ہو سکی)۔ اس کے بعد مولانا سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان (محلہ لکڑہ)، مولانا محمد عباسی، و متعدد دوسرے علما کو مدد معاش ملتی رہی۔

مشائخ :- اس عہد کے مشائخ کبار میں حضرت شاہ ابن بدھ چشتی تھے۔ آپ کے مصارف کے لئے اکبر بادشاہ نے چار سو بیگہ زمین معافی بموجب فرمان مجریہ ۲۳ شہر ذیقعد سنہ ۹۸۳ھ دی تھی۔ اصل فرمان خاکسار مؤلف کو باوجود امکانی کوشش کے دستیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن اس کی تصدیق حسب ذیل پروانہ تصحیح مجریہ عہد عالمگیری سے ہوتی ہے جس کا اس موقع پر نقل کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :-

عرش آشیانی

عالمگیر بادشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب ابو الظفر مرید احمد ۱۰۶۹

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل بدانند۔

کہ چوں موجب فرمان عالی شان حضرت ... از قرار بتاریخ ۲۳ شہر ذیقعدہ سنہ ۹۸۳

(بہ سلسلہ گذشتہ) حاصل تھے لیکن بعینہ یہی حقوق سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کو بھی ملے ہوئے تھے جس کی تصدیق صدہا دستاویزات دیرینہ سے ہوتی ہے] [۱] صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں کہ "مولانا لال کو علاوہ چکوک دیہات چک امروہہ خاص قصبہ ایک ہزار پختہ اراضی کا ملا اور اکثر دیہات میں املاک معافی ملیں، فرمان عطیات موجود ہیں اور ان کے بیٹے عبد الحکیم کو بھی قصبہ خاص میں پانسو بیگہ پختہ چک ملا اور ان کے بھائیوں کو املاک و چکوک دیہات میں ملے" خاکسار مؤلف کو یہ فرامین دستیاب نہیں ہوئے البتہ مولانا لال عباسی نے اپنی جائداد جس دستاویز کے ذریعہ اپنی اولاد میں تقسیم کی تھی وہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے اس میں تعداد اراضی ایک ہزار و ساٹھ بیگہ درج ہے،

موازی چہار صد بیگہ زمین بطناب سن در وجہ مدد معاش حضرت غفران پناہ
میان شیخ ابن مقرر بود مشارالیہ ودیعت حیات سپرد و صدور سابق اراضی
مذکور را بہ شیخ نور محمد[1] وغیرہ ورثہ مشارالیہ مسلم داشتند و دریں ولا
مشارالیہم با فرمان و اسناد صدور سابق حاضر آمدند و متولی پرگنہ مذکور تصدیق حیات
و قیام و قبض و استحقاق آنہا داد بنا بریں بندہ درگاہ بتصدق فرق مبارک
بندگان خدیو زمان و زمین حامی شرع سید المرسلین سکندر قدر سلیمان آئین مؤید
ملت خاتم النبیین خورشید نظر   زمین مسطور بمشارالیہم حسب الضمن
مسلم داشتہ بتصحیح رسانید - می باید زمین مذکور را بہ آنہا واگذارند کہ حاصلات آنرا
فصل بہ فصل و سال بہ سال صرف معیشت خود نمودہ بہ دعاگوئی دوام دولت ابد پیوند
اشتغال داشتہ باشند دریں باب تاکید تمام دانند - تحریر فی التاریخ بست و ہفتم
جمادی الاول سنہ ۴ جلوس میمنت مانوس سنہ ۱۰۷۳ ہجری -

حضرت شاہ ابنؒ کے فرزندان باکمال میں سے شاہ قطب الدینؒ وغیرہ کو ۲۳۸ بیگہ ۱۴ بسوہ زمین بموجب فرمان ۵ رجمادی الاول سنہ ۹۸۰ عطا ہوا اور شاہ نور الدینؒ کو سنہ جلوس جہانگیری مطابق سنہ ۱۰۱۵ھ میں ۲۲۵ بیگہ اراضی معافی عطا ہوئی - حضرت شاہ صدر الدین قدس سرہ کو دو سو بیگہ سنہ ۱۰۲۹ھ میں دی گئی - شاہ صاحب موصوف کی اولاد میں کوئی فرد، اب باقی نہیں، اسلئے بطور یادگار ذیل میں عہد محمد شاہ بادشاہ کے پروانہ تصحیح کی نقل درج کرتا ہوں :-

ظل سبحانی نصرۃ الدین محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ -

جنت مکانی

گماشتہائے جاگیرداران عکر و سیان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ
شاہجہان آباد بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت

---

[1] غالباً شاہ معز الدینؒ سے مراد ہے جن کا انتقال سنہ ۱۰۲۸ھ میں ہو چکا تھا لیکن انکے ورثہ کے نام پروانہ تصحیح کی پشت پر تحریر ہونے کو

عکس پروانہ مدد معاش شیخ صدا

کے لئے

بہ خمار

بزمینہ

شدو علماء

نیکو عہد

عضد الدین

ق ۳۰

بہ پھو ۱۸

متعلقان شاہ محمد اعظم ۹ر محمد صلاح درویش ۵ر محمد سعید درویش ار

مرقوم بتاریخ ۲ ماہ خورداد الٰہی سنہ موازی دوصد بگیہ زمین بگز الٰہی از پرگنہ مذکور
در وجہ مدد معاش **شیخ صدر الدین** ولد قدوۃ العارفین حضرت **شاہ ابن**
مقرر بود بعد فوت او صدور سابق آراضی مذکور را بہ **شیخ فتح اللہ** وغیرہ وارثان
متوفی مذکور مسلم داشتند۔ دریں ولا باخبار مخبرین معتبر بوضوح پیوست کہ آنہا حی و
قائم و بر اراضی مذکور قابض و متصرف اند بنا بر آں سجدۂ فرق
مبارک بندگان خدیو جہان خداوند زمان مظہر اتم پروردگار رحمت
اعم آفریدگار حضرت اراضی مسطورہ را حسب بضمن
بحال داشتہ تصحیح رسانید می باید کہ زمین مذکور را بدستور سابق از محل قدیم بشرط
قبض و تصرف آنہا واگذارند کہ حاصلات آں را صرف مایحتاج خود نمودہ بوظائف
دعاگوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال نمایند۔ دریں باب قدغن شناسند۔
تحریر فی التاریخ بست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۲٦

خواجہ الحسینی
الدین صدر
منیر

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری قدس سرہٗ کے اخلاف میں شاہ روشن محمد مدنی کی مدد معاش کے لئے بعہد محمد شاہ بادشاہ سنہ ۱۱۳۲ھ میں پچاس ہزار دام (مساوی ۱۲۵۰ روپیہ) کی املاک سرسہ خمار میں عطا ہوئی۔ اسی طرح امروہہ کے دیگر مشائخ کے خاندانوں کی مدد معاش میں املاک اور روزینہ ملتا رہا۔

روزینہ:۔ روزینہ داران کی بعض فہرستیں جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذری ہیں ان میں متعدد علماء مشائخ سادات و شرفا کے نام ملتے ہیں، مثلاً علماء میں شیخ فیض محمد (خاندان شیوخ کلاں) کو بعہد محمد شاہ بادشاہ ۱۲؍ یومیہ اور مشائخ و سادات و شرفا میں سے سنہ ۱۱۵۸ھ میں متعلقان حضرت شاہ عضد الدین جعفری ۱۲؍، مولوی حکیم جلال الدین ۱۲؍ یومیہ، سید جعفر شاہ (محلہ بھوکہ) ۸؍، سید محمد اسحٰق ۴؍، حافظ غریب اللہ ۲؍، مولوی عزیز اللہ (پیرزادہ) ۴؍، سید صابر علی شاہ پسر شاہ جعفر (محلہ بھوکہ) ۸؍، متعلقان شاہ محمد اعظم ۶؍، محمد صلاح درویش ۵؍، محمد سعید درویش ۱؍

خواتین سادات و شرفا

امروہہ کے سادات و شرفا کے تقریباً ہر خاندان کی خواتین کو کسی نہ کسی صورت سے مدد معاش ملتی تھی۔ انکے نام کے صدہا فرامین و پروانے خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے۔ مولانا سید میر علی کی والدہ، خواہر، عمہ وغیرہ کو یکصد بیگہ زمین موضع یحیٰی پور میں بعہد عالمگیر عطا ہوئی۔ چک نامہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے :۔

هو الفیاض

چک نامہ حضرت بادشاہ عالمگیر

اراضی مدد معاش موازی یکصد بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت ... در وجہ معاش مسماۃ بی بی نور جہان وغیرہ وارثان سید میر علی در جاگیر اقبال پناہ ... در موضع یحیٰی پور اند سرو پہ شتدار تلسی داس خوطہ دار و جریب کشان عالم خان و شیخ جلیل و سید بدھ برادر سید سلطان محمد متوفی بہ اتفاق چودھریان و قانون گویان در موضع مذکور پیمودہ و چک بستہ دادند محدود بچہار حدود مفصلۂ ذیل :۔

مشارالیہا حصہ ۲۵ ر

مسماۃ بی بی خالق دی والدہ سید میر علی حصہ ۲۵ ر

مسماۃ ماہ بیگہ بی بی سکی خواہر سید میر علی حصہ ۲۵ ر

مسماۃ بی بی زینب عمہ سید میر علی حصہ ۲۵ ر

تحریر فی التاریخ ۲۵ ر شہر ذی الحجہ سنہ ہجری ۱۰۷۶

اسی طرح امروہہ کی صدہا خواتین کو بالخصوص مسماۃ نجم النسا دختر مولانا بابن عباسی کو بموجب فرمان عہد جہانگیر مجریہ سنہ ۱۰۲۱ھ یکصد بیگہ و مسماۃ شاہ گتا... وغیرہ متعلقہ "حقایق و معارف آگاہ میاں شیخ ابو اللیث فرزندان قدوۃ العارفین والمحققین حضرت شاہ اثن کو بموجب فرمان عہد شاہجہان مطابق تجدید سند بست و یکم شہر جمادی الاول سنہ ۲۵ جلوس عالمگیری کو موازی دو صد بیگہ

اور موازی ہشتاد بیگہ زمین٭ باسم عصمت مآب صالحہ ساجدہ مسمات فاطمہ از بنات قطب العارفین حضرت شاہ ابن قدس سرہ٭ بموجب پروانہ مہری علی تقی خان عالمگیری مجریہ غرہ رجب المرجب ۳۵ جلوس عالمگیری٭ متعلقین شاہ قیام الدین محمد کو مجموعتاً پانسو بیگہ بعہد عالمگیر آراضیات مدد معاش عطا ہوئیں۔

بعض خواتین کو بھی روزینہ ملتا تھا۔ مؤلف تاریخ واسطیہ کے جد امجد سید فتح مراد کی والدہ کو ۴؍ یومیہ، ان کی دو بہنوں کو فی کس ۴؍ یومیہ بموجب فرمان مرقومہ بست و سوم شہر ذیقعدہ ۱۱۸۶ھ روزینہ ملتا تھا (یہ اصل فرمان خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے۔)

اسی طرح [illegible] صدہا اشخاص کو ملک مدد معاش اور روزینہ سلطنت اسلامی سے ملا کرتا [illegible] قدر مراتب مقرر ہوتی تھی جس کی مقدار حسب حیثیت و ضرورت [illegible] [illegible] سو بیگہ ہوتی تھی اور روزینہ ار یومیہ سے دو تین روپیہ یومیہ تک۔ ان اشخاص کو جنہیں ملک مدد معاش [illegible] اصطلاحاً "یومیہ دار" کہتے تھے۔ عہد عالمگیری کے "یومیہ داران" کی ایک تحریر کا عکس تاریخی دلچسپی [illegible] علیحدہ درج کیا جاتا ہے۔ دستخط کنندگان میں مختلف خاندانوں کے اشخاص شامل ہیں یعنی خاندان حضرت شاہ شرف الدین خاندان عباسی، خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ ابن، خاندان نخشبی، خاندان حضرات ترکمان زبرنگیہ، خاندان صدیقی و قریشی وغیرہ۔

جاگیر

شاہان اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو علیٰ قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں، انکی بھی دو اقسام تھیں، ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دوران خدمت میں عمال و عہدہ داران حکومت و منصبداروں کو ان کے عہدہ و منصب کے مصارف اور تنخواہ کے لئے دیجاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنہ بھوجپور وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بعوض خدمات

۱؎ بعض لوگ "یومیہ دار" کو "آئمہ دار" لکھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں یومیہ ترکی میں خوراک روزینہ کو کہتے ہیں۔

منصبدار اور انکی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوئی تھیں۔ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دوئم کی تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ معافی میں دی گئی تھیں ان کا جزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتدا شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہئے، اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایت کے متعدد افراد شاہی فوج میں بہ سلسلۂ ملازمت منسلک تھے، بعض عہدۂ قضاۃ امروہہ پر مامور رہتے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت اور سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے **مولانا سیّد محمد میر عدل** نے **میر عدلی** کے بعد ۹۸۳ھ میں صوبہ بھکر (سندھ) کی **گورنری** کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے، اسوقت ان کا منصب[1] ہزاری ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دہ ہزاری منصب کے مساوی بلکہ وقعت میں اس سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہوگا کیونکہ اسوقت عطائے منصب کے لئے ذاتی لیاقت و قابلیت شرط تھی، عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب رعایتی یا موروثی ہو گیا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار

عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سیّد محمد میر عدل، ان کے بھائی سیّد مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی، بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال۔ عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصب دار تھے:۔

---

[1] امروہہ کے مورخین نے ان کا منصب ہفصدی لکھا ہے، آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے اور جسکے مؤلف مولانا سیّد محمد میر عدل کے ہمعصر بلکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہزاری ذات کے منصبدار کو ۱۰۴ گھوڑے، ۳۱ ہاتھی، ۱۰۴ قطار اونٹ، ۴ قطار خچر، اور ۲۴۰ عرابہ گاڑی رکھنے پڑتے تھے جسکے مصارف خزانہ میں آٹھ ہزار دو سو بیالیس روپیہ ماہانہ ملتا تھا

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایتؒ
۲	سید ابوالقاسم خلف میر عدل	پانصدی "	"	(اولاد سید عبدالعزیز)
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چہارصد پنجاہی "	"	"
۴	سید ابوالمعالی خلف "	سیصدی "	"	"
۵	سید ابوالحسن خلف "	دوصدی "	"	"
۶	سید عبدالواحد خلف سید مبارک	دوصدی "	"	"
۷	سید عبدالہادی " "	یکصد پنجاہی "	"	"
۸	سید ابوالفضل خلف میر عدل	صدودی "	"	"
۹	سید عبدالجلیل خلف سید مبارک	صدوبستی "	"	"
۱۰	سید عبدالغفار " "	یکصدی "	"	"
۱۱	سید عبدالحفیظ " "	" "	"	"
۱۲	سید عبدالرشید " "	" "	"	"
۱۳	سید عبدالمجید " "	چہاربستی "	"	"
۱۴	سید خضر (مورث سادات کٹہرہ)	" "	"	اولاد قاضی سید امیر علی
۱۵	شیخ معظم صدیقی	دوصدی "	"	شیوخ صدیقی
۱۶	مولانا الہداد عباسی	یکصد پنجاہی "	"	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبدالمنان صدیقی	چہاربستی "	"	شیوخ صدیقی

عہد اکبری کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کی اس شاخ میں جو خاندان سید محب بن سید بڑے سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ ابتدائے عہد مغلیہ سے انتزاع سلطنت

اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصبداران شاہی کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولایتؒ میں تقریباً ۱۱۶ اور سادات و شرفاء امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں ۸۴ منصبدار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا۔

خاندان حضرت شاہ ولایتؒ: مجموعی منصبدار	اولاد فرزند اکبر	اولاد فرزند اصغر	ہاشمی زادگان	دانشمندان	نقویان	چاند پوری سادات	بخاری سادات	حسنی ثقفیان	بزرگ زادگان	کمبوہ صابیان	کلال صابیان	خاندان حکیمان	مجموعی منصبدار
۱۱۶	۲۰	۹۶	۱۸	۱۶	۱۲	۷	۶	۷	۶	۶	۶	۱	۲۰۸

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

خاندان سید محمد میر عدل

عہد اکبری کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے درج ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مولانا سید محمد میر عدل کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔

سید **ابوالفضل** اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ سندھ گئے، شاہی فوج کے سپہ سالار رہے، متعدد معرکہائے جنگ سر کئے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے **گورنر** رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیم ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علی جن کا کٹرہ مشہور ہے، نیز آخر الذکر کے فرزند سید مظہر علی خان یہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے، بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئیں۔

سید ابوالفضل کے دو اور بھائی سید **ابوالقاسم** اور سید **ابوالمعالی** اپنی شجاعت و شہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں۔ یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے۔ شجاعت ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے، ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی **قندھار** میں۔ کبھی **راجپوتانہ** کے معرکے سر کئے اور کبھی **بندیلکھنڈ** کے ایک ہندی دوہا ان دونوں کی شجاعت و شہامت اور جان بازیوں کا جو راجہ جیل فتح سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہوئیں مشہور ہے:۔

دل دبا دل گنجر دگہنا فوج کافر نو کاٹے — عادل محمد کی مہابلی سُندر قاسم شاہ ہے
(سید محمد میر عدل — سید ابوالقاسم)
پڑی دھمک کے چوٹ تھر تھر کلپنے کوٹ — جائے چھپو گھر اوٹ
دہشتو بچھڑکے جائے چھپو ہندو ہو دھر لاج — جس کا بندلا یو چیتا جیسے معالی قاسم راج
مارے ہم جلیں تم چلے چلو خاں سلطان — معالی قاسم جب جلیں چپیا چیم اُبجھے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سید ابوالقاسم اور سید ابوالمعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' کیوں نہ ہو' آخر اسی کرار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں کہا گیا ہے لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی وَلَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار۔ سید ابوالمعالی لاولد رہے' سید ابوالقاسم کے فرزند سید محمد منعم عہد شاہجہانی میں ششصدی[1] ذات کے منصبدار تھے' ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا' ان کے ترکہ کی مالک ان کی بہن تھیں' سید سراج الدین قادری مورث سادات حسنی محلہ حلیہ کی زوجہ بی بی اچھی ہوئیں۔

مولانا محمد سید میر عدل کے خلف اکبر سید شاہ ابوالحسن بذات خود بھی منصبدار تھے اور ان کے فرزند سید عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر فائز تھے' بڑی جاگیر انعام پائی' انہوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا اسکو ناتمام چھوڑ کر ۱۰۷۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی' وہ خود بھی بڑے منصبدار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اعزاز اور تفاخر کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوق واقعتاً حاصل تھا اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد "مورخین" امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے' حسن اتفاق سے خاکسار مولف کو دیرینہ کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان[2] عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس سے ثابت ہے کہ

---

[1] شاہجہاں نامہ ملا عبدالحمید لاہوری و عمل صالح۔ [2] محمد ابراہیم نام' عمدۃ الملک امیر الامرا اسد خان خطاب' قلعہ خان ذوالفقار خان منصبدار سہ ہزاری شاہجہانی کے بیٹے تھے۔ انکے دادا کا وطن ایران تھا

دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب اسد خان جس تحریر میں اُس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کہ کل قصبہ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور اُن کے ہمراہیوں کی جاگیر میں شامل ہے اسلئے قصبہ مذکور کے کوتوال کا تقرر تم اپنی جانب سے نہ کرو اور جو تقرر غلطی سے ہو گیا ہے اسے مسترد کردو۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط دلفریب اسپر طلائی نقش و نگار ہیں۔ ذیل میں اسکی نقل اور اسکا عکس جداگانہ شایع کئے جاتے ہیں:۔

"امارت و ایالت پناہ ابہت و حشمت دستگاہ عزت و خلّت انتباہ

خان عالیشان مہربان ما — در حفظ و حمایت ایزد منان باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند کہ درینولا وکیل سیادت پناہ سید محمود ظاہر
نمود کہ سابقاً از جہت قصبہ پرگنہ امروہہ از توابع سرکار سنبھل بجاگیر ہیچ
کس تعلق داشت از طرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبہ مزبور مقرر بود و تا ایں
الحال کہ قصبہ مرقوم دربست بجاگیر موکل کہ مہین شرکتیت
تنخواہ شد امارت پناہ نامدار خان کوتوال خود را از اخبار طرف ساخت
والحال آں امارت پناہ کوتوال خود را برخلاف معمول در آنجا تعین کردہ اند امیدوار است

(در سلسلہ گذشتہ) نسباً فاطمی سید تھے۔ شاہ عباس صفوی نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے اس خاندان کو اسقدر تنگ کیا کہ بالآخر ترک وطن کرکے ہندوستان آئے۔ جہانگیری دور کی آخری منزل تھی۔ محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں بخشی دوم تھے جب عالمگیر کا آفتاب چمکا تو چہار ہزاری منصبدار ہوئے اور ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ کو وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچے ہفت ہزاری منصب اور عمدۃ الملک خطاب ہوا۔ تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے۔ عالمگیر کو ان کی ہر ادا پسند تھی یہ وزیر اور مدار المہام ہی نہ تھے بلکہ خلوت و جلوت کے رفیق اور مہمات ملکی میں مشیر خاص بھی تھے۔ انکی سیادت و نجابت پر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا اسقدر اعتقاد تھا کہ ایک موقع پر جب مہم سر ہوئی تھی تو بادشاہ نے انہیں لکھا کہ "آں فدوی خود سید کریم النفس است اگر بحضور قلب دعا کنند گنجائش دارد" ان کا پورا خطاب تھا "نواب عمدۃ الملک امیر الامرا آصف الدولہ اسد خان بہادر

کہ در باب برطرف نمودن کوتوال بآں حشمت دستگاہ نگارش یابد لہذا نگاشتہ می آید
کہ چوں قصبہ پرگنہ مزبور بجاگیر موکل کہ مہین شریکیت تعلق
دارد و امارت پناہ نامدار خاں کوتوال آنجا را برطرف ساختہ بود آں امارت دستگاہ
نیز کوتوال مزبور را برطرف نمایند زیادہ چہ نوشتہ شود عواقب امور بخیر و خوبی مقروں باد
۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۴ قلمی شدہ سہم

اس سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں دیوان سید محمود کے خاندان کو خاص قصبہ امروہہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیری تک کی متعدد قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں کے نزاعی معاملات عام اس سے کہ وہ سادات و شرفا کے ہوں یا اہل حرفہ کے، اولاد شاہ ولایت کے ہوں یا دوسرے خاندانوں کے، دیوان سید محمود اور ان کے اخلاف کے "چبوترہ" یعنی عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے آنریری واسپیشل مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔

ذیل میں ایک دستاویز "صورت حال" کی نقل درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہر قسم کے نزاعی معاملات ابتداً بغرض تصفیہ ان حضرات کے یہاں پیش ہوتے تھے۔ اس دستاویز میں جس معاملہ کا ذکر ہے وہ ابتداءً سید عبدالمعالی بن دیوان سید محمود کی عدالت میں پیش ہوا تھا:۔

میراں سید عبدالمعالی

(مہر: المحسنی ابن سید محمود عبدالمعالی ۱۰۷۹)

ذکر بیت در بیان آنکہ چوں سید اشرف ولد مرحومی میر سید عبدالقادر بحضور سیادت و نقابت پناہ آمدہ

(بسلسلہ گذشتہ) فدوی خاص " عالمگیری عہد کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے انہیں وکیل مطلق کا منصب عطا کیا جو وزارت عظمیٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا تھا۔ سنہ ۱۱۲۹ھ میں بعمر نوے سال انتقال کیا۔

لہ (صفحہ ۳۱۰) عہد مغلیہ میں ہر پرگنہ میں دو حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ اندرون شہر کے حاکم کو **کوتوال** اور بیرون شہر کے حاکم کو **فوجدار** کہتے تھے یعنی موجودہ زمانہ کے سٹی مجسٹریٹ کو توال کہلاتا تھا اور سب ڈویژنل افسر فوجدار۔

ظاهر ساخت که شبنداس نام کایته زمین سرائے بنده بدست داؤد کلال ساکن

مرادآباد فروخته است سیادت و نقابت پناه میران مزبور کایته

مذکور را بحضور خود طلبیدند آمده رجوع شد و داؤد کلال و کشر

کلال اسر و سه دیگر همراه او آمدند چون سیادت و نقابت پناه

میران مسطور استفسار این معنی کردند کایته مذکور جواب داد که در آن زمین خانه

پدر بنده و دو سه برادران دیگر موروثی بودند و بنده تا این مدت در لشکر بود چون

زمین از آن ماست فروخته ایم سید اشرف گفت که آنها همه رعیت ما بودند

سیادت و نقابت پناه میران مذکور بکایته مذکور حکم کردند که آن دو سه برادران

دیگر که هستند آنها نیز بیایند هرچه دعوی داشته باشند بکنند. کایته جواب داد

که آنها مردند و برادرزادگان دو کس مانده اند در لشکر اند بنا بر آن اقرار افتاد

که این زمین موافق شریعت غرا در بیع نمی آید تمسک که ناتحقیق و خلاف شرع

شده است آنرا پاره باید ساخت چون داؤد کلال حاضر بود از تمسک طلب

کردند نداد و گفت که بمرادآباد گذاشته ایم در اینجا نیست هرچند که تاکید کردند

هرگز نداد بنا بر این چند کلمه بصورت مجلس نوشته شد که تمسک موافق شریعت غرا

نامسطور و منسوخ است و سید اشرف و شبنداس و آن دو کس دیگر که در لشکر اند

جانبین در محکمهٔ عدالت العالیه رجوع شوند شخصے را که از روئے

شرع شریف حق ثابت شود بموجب سند عدالت العالیه آمده

دخل خود نماید تا زمانیکه سند عدالت العالیه کسے نیاورد

جائے مسطور بدستور سابق بماند خرید و فروخت منظور نیست هرکرا از این حال آگاهی

اطلاع باشد در ذیل این گواهی خود بنویسد با نوشتن اجازت فرمایند تا عند الله ماجور

و عند الناس مشکور گردد تحریر فی التاریخ ۲ رجب المرجب ۱۱۱۵ھ.

بندهٔ درگاه
سید عبدالرحمن
حسن بن سید

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولانا سید محمد میر عدل اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا۔ شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح تھی کہ سادات و شرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں، سرایوں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے۔ یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ حکومت تک بدستور حاصل رہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے :-

نقل

پروانہ بہرخان صاحب دوندے خان بہادر — آنکہ

متصدیان مہمات حال و استقبال قصبہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بدانند چوں ارث زمینداری خالصہ و آبادی شہر بہ نبائران میر سید محمد (میر عدل) و میر سید مبارک مغفور و مبرور است و ہمیشہ بہ امور متعلقہ مداخلت نشد معز الیہما قایم و مستحکم ماند

ل۔ مؤلف تاریخ واسطیہ نے صفحات نمبر ۲۹،۲۳ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حق زمینداری تمام سادات اولاد شاہ ولایتؒ کو حاصل تھا اور یہ کہ " اولاد شاہ ولایتؒ نے قوم تگا کو اس شہر (امروہہ) کی حکومت و ریاست و دیگر تعلقات وغیرہ سے بشجاعت و دلاوری خارج کر دیا اور خود ان کے جملہ تعلقات و زمینداری شہر و مکانات مسکونہ پر حسب الحکم بادشاہ وقت قابض و متصرف ہوئے۔ سلطان وقت نے زمینداری شہر و جملہ تعلقات انکا سادات موصوف کو عطا و مرحمت فرمایا اور قوم تگا کو مقام امروہہ سے مطلقاً نکال دینے کا حکم جاری فرمایا" یہ بیان محض لغو و مہمل ہے۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی امروہہ میں تشریف آوری بلکہ آپ کی ولادت سے بھی تقریباً نصف صدی پیشتر سے اس شہر پر مسلمانوں کا پورا تسلط و قبضہ تھا اور مسلمانوں کے مختلف خاندان یہاں آباد تھے۔ البتہ عہد اکبری اور اس کے بعد پرگنہ امروہہ کی اراضیات خالصہ وغیرہ کی طرح یعنی کاغذات حساب کے دستخط کرنے کا حق جملہ زمینداران کو جن میں زیادہ تعداد اسی خاندان کی تھی حسب ضابطہ حاصل رہا ہے۔ اس سے شہر امروہہ کے حق زمینداری سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔

گا ہے غیر دخیل شدہ حالاہم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہا بحال و مسلم
داشتہ باید کہ از فیما بین بحصہ نصفا نصف خو یا در ترکہ وراثت دخیل بودہ بہر چہ از محصول
وابواب زمینداری حاصل شود موافق حصہ مسطور مید بانیدہ باشند اصدے در امور متعلقہ
مشار الیہا تعرض بیجا نرسانند و سند مجدد نطلبند و دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور
بعمل آرند۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شعبان سنہ جلوس عالمگیر ثانی

دیوان سید محمود کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیر دار و منصب دار تھے ان کی نسل میں متعدد اشخاص نے عہد مغلیہ میں مناصب جلیلہ پائے اور بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سید یوسف علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود مذکور محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب دار اور خطاب خانی سے سرفراز تھے ان کے فرزند سید عاشق علی خاں[1] بھی عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصبدار اور "خاں" کے خطاب سے ممتاز تھے۔ سید عاشق علی خاں کے فرزند سید عزت علی خاں بھی پانصدی ذات[2] کے منصبدار ہوئے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی سید حسن علی خاں بن سید یوسف علی خاں مذکور اور سید رحم علی خاں بن سید عبدالعزیز خاں مذکور اور سید غلام شرف الدین بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود نامور منصبدار تھے، بڑی بڑی جاگیریں اس خاندان کو ملیں۔

سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیر دار و منصبدار ہوے۔ ان کے فرزند سید عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی منصبدار تھے، ان کے اخلاف میں بھی بعض اشخاص مثلاً سید کرم علی خاں جاگیر دار و منصبدار تھے۔ سید عبدالواسع کے دوسرے بھائی سید عبدالہادی باوجود امارت فقیر منش تھے ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق جن کے نام

---

[1] در سطیہ میں ان کا منصب دو صدی ذات تحریر ہے غالباً مؤلف در سطیہ کو انکے فرامین و کاغذات دیکھنے کو نہیں ملے خاکسار مؤلف کے پاس انکے اصلی فرامین منصب موجود ہیں جن سے منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی ہے۔

[2] انکا منصب در سطیہ نے پانصدی ذات لکھا لیکن یہ صحیح نہیں مؤلف مذکور نے انکے فرزند سید عزت علی خاں کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ ان حضرات کے اصلی فرامین منصب خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔

بازار رزاق موسوم ہے، جاگیردار ذی اقتدار تھے۔

خاندان سید مبارک

سید مبارک کے آٹھ فرزند تھے اور آٹھوں شاہی منصبدار ہوئے ان بھائیوں میں سید عبدالغفار، سید عبدالجلیل و سید عبدالواحد اور سید عبدالہادی زیادہ نامور ہوئے۔ سید عبدالواحد اور سید عبدالہادی عہد اکبری میں اپنے ابنائے عم زاد سید ابوالقاسم و سید ابوالمعالی کے ساتھ مہم بنگالہ پر متعین ہوئے تھے۔ سید عبدالہادی نے عنفوان شباب میں کارہائے نمایاں کئے، شجاعت حیدری کے جوہر دکھائے جس کے صلہ میں منصب بڑھا اور دربار شاہی سے کلمات تحسین و آفریں سے سرفراز کئے گئے۔ فرمان مجریہ ۲۱ ربیع الثانی ۹۸۲ھ کا ایک فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔[1]

> چوں سلالۂ سلسلۂ نقویہ، زبدۂ دودۂ جعفریہ فرد الحاضر و البادی سید عبدالہادی ولد سید مبارک بجلال اکبر تعالیٰ و تبارک باوجود نوخاستگی کہ بنوز بلطفلی تعبیر میتوان کرد داد جلالت و مردانگی دادہ، جزائے شورہ بختی در کنارش نہادہ دانش کہ بنجاہی بود صدو سوار دیگر افزودہ وامید کہ بمنصب اعلیٰ سرفراز گردد۔

سید عبدالہادی نے عمر کم پائی،[2] ان کے فرزند سید راجے جو جانی بیگم دختر عیوض بیگ کے بطن سے تھے عہد جہانگیر میں ہانصدی ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان سے نسل نہیں چلی۔ سید عبدالواحد جو خود بھی نامور منصبدار تھے

---

[1] تاریخ اصغری میں بیان کیا گیا ہے کہ "قوم تگا کے راجا ساسا چاندن کو جو امروہہ کا آخری راجہ تھا، سید عبدالہادی نے کسی قصور پر بحکم اکبر بادشاہ گرفتار کرنا چاہا وہ تبر دپیش آیا اور آمادہ جنگ ہوا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا" یہ بیان محض بے اصل و بے بنیاد ہے۔ امروہہ میں عہد اکبری سے چار سو برس پہلے سے مسلمانوں کی حکومت تھی اور برابر قائم رہی یہاں اسی عہد میں کسی ہندو راجہ کی موجودگی ہرگز قرین قیاس نہیں۔

[2] سید عبدالہادی "کالے پہاڑ" کے نام سے مشہور تھے۔ کسی غیر کفو کی خاتون غالباً حبشن کے بطن سے تھے۔ بہت طاقتور و قوی الجثہ ہونے کی وجہ سے "کالا پہاڑ" مشہور ہو گئے تھے۔ بعض خاندانی تحریرات میں جو ان کے زمانہ سے بہت بعد کی ہیں ان کے نام کیساتھ "نواب" کا لقب بھی لکھا گیا ہے لیکن اس خطاب کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔

ان کے فرزند سید عبدالوارث بعہد جہانگیر بڑے مرتبہ پر پہنچے۔ ابتداءً سنبھل کے فوجدار رہے۔ پھر قنوج اور اودھ کے حاکم ہوئے۔ انھوں نے بھی عالم جوانی میں انتقال کیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سید عبدالباقی ان کے قائم مقام ہوئے۔ بڑی کثیر جاگیر عطا ہوئی ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی فرد نہیں ہے۔

سید عبدالغفار کے فرزند دیوان سید محمد مختار شاہ میں دو ہزار بذات کے منصبدار اور خطاب بہادر سے سرفراز تھے، کثیر جاگیر انعام میں پائی۔ ان کے چار فرزندوں میں سے سید لطف علی و غضنفر علی بھی منصبدار و جاگیر دار تھے، اول الذکر سے عقب نہیں۔ سید غضنفر علی کے ایک فرزند سید وارث علی اور ان کے خلف الصدق سید عبدالواحد دونوں باپ بیٹے ہزاری ذات کے منصبدار و جاگیر دار ہوئے۔ سید غضنفر علی کے دوسرے فرزند سید ہزبر علی تھے ان کے ایک بیٹے سید علی مرتضیٰ خاں بعہد محمد شاہ بادشاہ ہزاری ذات و خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ بڑی جاگیر انعام میں پائی ان کے نامور فرزند سید علی اعظم خاں بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ سہ[1] ہزاری ذات و ستات سوار کے منصبدار اور خطابات "بہادر" اور "خان" سے سرفراز ہوئے۔ پندرہ مواضعات جاگیر میں پائے۔ اور ان کے دونوں بیٹوں سید امان علی خاں و سید بنیاد علی خاں کو بھی جاگیریں ملیں۔

سید علی مرتضیٰ خاں کے برادر زادہ سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو بھی اپنے زمانہ میں نامور منصبدار اور امیر کبیر ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ان کا منصب پنجہزاری ذات کا تھا۔ کثیر جاگیر انعام میں ملی۔ ان کے آٹھ فرزند تھے جن میں سے تین بھائی یعنی سید بدر الدین عرف میر لبّاون جن کے نام پہ لبّاون گنج منسوب ہے۔ سید ظہور اللہ اور سید نعیم اللہ بھی شاہی منصبدار ہوئے۔ انکے اور بھائی بھی جاگیر دار تھے۔ اس خاندان میں اور اشخاص مثلاً سید شجاعت علی بن سید ہزبر علی کی اولاد میں مولوی سید منور علی اور سید فضل علی عرف کلو بھی منصبدار و جاگیر دار تھے۔

[1] صاحب تحفۃ التواریخ نے ان کا منصب شش ہزاری ذات اور صاحب اصغری نے دو ہزاری ذات لکھا ہے جو صحیح نہیں ان کا منصب حقیقتاً سہ ہزاری ذات تھا۔

سید اعظم علی خان اور سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اپنے زمانہ میں امروہہ کے مشہور اور ممتاز امرا اور بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ان کی نسل کے بعض افراد کے پاس اب بھی جزوی جاگیر باقی ہے۔

خاندان قاضی سید امیر علی

حضرت شاہ ولایت کے ولد اکبر قاضی سید میر امیر علی کی نسل میں اتنے ہزار نہ سے زیادہ تر مشائخ اور علماء و فضلاء ہوتے رہے جنھیں عموماً نہ ملازمت شاہی کی خواہش ہوتی ہے اور نہ مناصب و جاگیروں کے حصول کی آرزو۔ عہد اکبری میں البتہ سید خضر منصبدار ہوئے، صوبہ مالوہ اور سرکار سنبھل میں جاگیر ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخ دیوان سید مجھو اور ان کے اخلاف میں دیوان سید سعید خاں یہ سب حضرات شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ ان کی نسل میں سید محمد سنور اور ان کے فرزند سید محمد شاکر، سید آبدال محمد اور سید عظمت اللہ جاگیردار و منصبدار تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات باوجود امارت کے فقر کی جانب مائل تھے۔ سید آبدال محمد کو نواب دوندے خاں اپنا پیر کہتے تھے۔ ان کے فرزند سید فیض احمد و سید عطا احمد وغیرہ اور ان کے برادر زادگان بھی موروثی منصبدار و جاگیردار رہے۔

خاندان قاضی زادگان

شاہان تغلقیہ کے زمانہ سے اس خاندان کے متعدد اشخاص امروہہ کے قاضی کی حیثیت سے جو اس زمانہ میں ایک ممتاز جوڈیشل عہدہ تھا نسلاً بعد نسلٍ صاحب منصب و جاگیردار ہوتے رہے۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں قاضیوں کے علاوہ اور بھی چند اشخاص شاہی منصبدار و جاگیردار ہوئے لیکن نہ کوئی بڑا منصبدار ہوا اور نہ کوئی جاگیر ملی۔[1]

---

[1] سید رحیم بخش مؤلف واسطیہ نے جو اسی خاندان قاضی زادگان کی ایک شاخ سے اپنا سلسلۂ نسب متصل کرتے ہیں اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ بڑے شد و مد اور بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جابجا شدید غلط بیانیاں کی ہیں۔ یہ غلط بیانیاں اگر غلطیوں ہی کی حد تک محدود ہوتیں تو نظر انداز ہونے کے قابل تھیں، لیکن جس شخص نے شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات قلمبند کئے ہوں وہ اگر قصداً اور عمداً غلط بیانیوں کا

خاندان لوگیاں | اس خاندان میں صرف چھ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں سید عبدالرسول عرف میراں خاں۔ پنجہزاری ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان کے برادر زادہ سید غلام محی الدین بھی دوہزاری ذات کے منصبدار ہوئے۔ اور اشخاص کو بھی جاگیریں ملیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷) مرتکب ہو تو مقتضائے انصاف وصداقت یہ ہے کہ اس کی غلط بیانیوں بلکہ دروغ بافیوں کے "بیت عنکبوت" کا تار و پود بکھیر دیا جائے۔

پہلی غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنی تالیف کے تقریباً ۲۰۳ صفحات خاص اپنے خاندانی حالات میں رنگے ہیں، ان میں انہوں نے اپنے خاندان کے عروج، امارت وریاست کی جو حکایتیں درج کی ہیں ان سے مجھے مطلق سروکار نہیں، مثلاً وہ صفحہ ۲۲ پر ارقام فرماتے ہیں کہ "اس محلہ (صابون گراں) کو میراں سید یعقوب (رنے) کہ جو بزمانہ سلطان ابراہیم لودھی وظہیرالدین بابر بادشاہ میں بڑے عالی منزلت والامرتبت منصبدار ذی اقتدار گزرے ہیں" آباد کیا تھا، محلات، بنگلے بنائے جو دربار کے نام سے مشہور ہوئے، یا مثلاً "دیوان خانہ عالی شان" کی "کوٹھریوں کا چھجہ سنگ سرخ کا تھا" و "پیش آں چبوترہ کرسی دار" تھا۔ اور "زیر چبوترہ ایک باغیچہ درختاں بہار بپلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین وتعمیر کرایا"۔ مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں کہ صاحب تاریخ واسطیہ کے بزرگوں نے جو محلات یا عالی شان دیوانخانے تعمیر کرائے" ان کی کوٹھریوں کا چھجہ سنگ سرخ کا "تھا یا" زیر چبوترہ" کوئی باغیچہ "درختاں بہار بپلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین وتعمیر" کرایا تھا یا ان کے بزرگوں میں کوئی صاحب سید سعادت اللہ نام "میراں" یا "دیوان" کے لقب سے ملقب نہ تھے۔ اگرچہ اس لقب کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی انہوں نے پیش نہیں کیا تاہم مجھے ان میں سے کسی بات سے انکار نہیں البتہ صفحہ ۱۳۰ پر جو وہ ایک شخص سید سعادت اللہ کے منصب وجاگیر کا ذکر کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اجداد میں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سید سعادت اللہ مذکور عالمگیری عہد میں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ تو ان کا منصب وجاگیر بنام اشخاص دیگر تبدیل وتعمیہ ہو گیا مگر تنخواہ سی ایک روپیہ سہ پاؤ پیسہ

خاندان سادات جڑودیہ

ان میں بھی تقریباً چھ منصبدار تھے۔ سید رفیع الزماں خاں ولد سید عمر بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ یک ہزاری ذات کے منصب اور خطاب سے سرفراز ہوئے معقول جاگیر معافی میں ملی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۸) سید سعادت اللہ موصوف کی وراثتاً بنام سید لطف اللہ وغیرہ پنج سالہ و شش سالہ پسران عنایت اللہ موصوف (؟) و بی بی رحمت جہاں و بی بی صاحبنی دختران سعادت اللہ و بی بی پیاری زوجہ" کو بموجب "فرمان والا شان مذکورہ بالا مورخہ ۱۹ سنہ جلوس مقدس" ملتی رہی۔ نیز اسی سلسلہ میں صفحات ۳۴۶ تا ۳۴۷ پر جو "فرمان علیہ عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ" کی جو نقل شائع کی ہے اور اس فرمان میں بھی یومیہ مذکور کی تعداد سی و یک روپیہ و سہ پاؤ تحریر کی ہے اس کے تسلیم کرنے سے انکار او قطعاً انکار ہے۔ کیونکہ یومیہ مذکور کی تعداد کے اظہار میں انہوں نے قصداً غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے یہ تعداد لہ ۳۱ عہ ۱ ہرگز نہ تھی بلکہ صرف ۳ عہ ۱۱ یومیہ تھی۔ لفظ سی کا اضافہ صاحب واسطیہ کے قلم صداقت رقم (؟) کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید یہ کتابت کی غلطی ہو کیونکہ اول تو کتابت آخر میں بوز صفحات کا صحت نامہ شامل کیا گیا ہے اس میں کہیں اس کی تصحیح نہیں کی گئی حالانکہ صفحہ ۲۴۷ پر جہاں اس فرمان کی نقل درج ہے وہاں کتابت کی ایک اور غلطی کی توضیح دی گئی ہے۔ لیکن لفظ سی جس کا دو جگہ مع رقم ہندسہ کے اضافہ کیا گیا ہے، اسے بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ اس سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ امروہہ کے ایک شخص سید سعادت اللہ نام، جنہیں صاحب واسطیہ اپنا جد اعلیٰ بتاتے ہیں۔ عالمگیری عہد میں فوج شاہی میں ملازم تھے ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی سپاہیوں کے زمرہ میں منسلک تھے کسی لڑائی میں جو شاہی فوج اور افغانوں کے مابین ایک پہاڑی (یعنی کتل) پر جو "کتل خیر الدین" یعنی خیر الدین کی پہاڑی کہلاتی تھی۔ واقع ہوئی تھی، مارے گئے۔ مقتول نے ایک زوجہ، دو بیٹے جن کی عمریں چھ اور پانچ سال کی تھیں اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا مقتول کے ورثہ کا روزینہ مقرر ہوا۔ یعنی آٹھ آٹھ آنے یومیہ ان دو خورد سال بچوں کے نام اور چار چار آنے فی کس زوجہ اور دونوں بیٹیوں کے نام۔ یعنی کل

خاندان نجشی | اس خاندان میں تقریباً ۱۲ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں خواجہ احمد خاں و خواجہ خیر اللہ خاں زیادہ نامور تھے۔ انہیں بھی معقول جاگیریں ملیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۹) ۱۲؍ یومیہ۔ جس فرمان کے ذریعہ یہ روزینہ مقرر ہوا تھا اور جس کی نقل صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ صفحات ۳۳۶ و ۳۴۰ پر درج کی ہے وہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب ہو گیا ہے اور یہ یقیناً وہی فرمان ہے جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہا ہے کیونکہ اس میں جہاں جہاں ۱۲؍ کی رقم درج تھی اس کو چاقو سے چھیل دیا گیا ہے لیکن چھیلنے والے نے ہوشیاری سے کام نہیں لیا کیونکہ فرمان مذکور کی عبارت کے تحت میں ۱۲؍ یومیہ کی جو تفصیل درج ہے اس کو مٹایا نہیں گیا جس سے یومیہ مذکور کی تعداد صاف طور سے معلوم ہو جاتی ہے اور شاید اسی بنا پر صاحب واسطیہ نے بھی اس تفصیل کو اپنی کتاب میں درج کرنا پسند نہیں کیا اور صرف یہ کہہ دینے پر اکتفا کیا کہ "اور نیچے اس کے تقسیم سہام ورثا اور اس پشت پر نو مہریں تصدیق اہلکاران مع عبارت تصدیق ثبت ہیں" جی ہاں، نو مہریں تو پشتِ فرمان پر ضرور ثبت ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمان مذکور کی نقل تو اپنی کتاب میں درج کرنا ضروری سمجھی، اس کی کل عبارت بھی نقل کر دی اور "ستی و یک روپیہ و سہ پاؤ" کی تعداد بھی لکھدی اور "تقسیم سہام" سے بھی ناظرین کتاب کو مطلع فرمانا ضروری سمجھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر تفصیل کیوں نہ درج فرمائی؟ کیا جس طرح لفظ سی کا اضافہ آپ نے اپنی عالی ہمتی سے کر دیا تھا "تقسیم سہام" نہیں کر سکتے تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب واسطیہ کو "فن تاریخ" کے سوائے فن ریاضی میں ایسی کوئی مہارت حاصل نہیں تھی بہرحال تاریخ واسطیہ کے ناظرین کی اطلاع کی غرض سے مولف واسطیہ کی فرد گذاشت کو خاکسار مولف پورا کرتا ہے۔ تحت فرمان حسب ذیل تفصیلات درج ہیں:-

مشارٌالیہ ــــــــ مسماۃ ــــــــ ۱۲؍ بلا قصور

وغیرہ پسران ــــ پیاری منکوحہ

نفران ۵؍ اسامی ۴؍

خاندان دانشمند

اس خاندان میں تقریباً ۱۶ اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے جن میں سید تاج محمود خاں و سید محمد فیاض مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۰) موسی الیہ پسر مشارٌ الیہ

۶ سالہ ۸ ر ۵ سالہ ۸ ر

مسماۃ مشارالیہ مسماۃ

رحمت جہاں وغیرہا دختران دواسامی ۴ ر صاجنی ۴ ر

اور اگر حسن اتفاق سے یہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب نہ ہوتا تب بھی مولف واسطیہ کی یہ کارستانی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ ۳۱/۱۲ یومیہ کے حساب سے روزینہ کی ماہوار مقدار ۹۵ ر اور سالانہ رقم ۱۱۴۳۰ ر ہوتی ہے سالانہ رقم کی یہ تعداد ایسی ہے کہ اس عہد میں امروہہ کے کسی بڑے سے بڑے جاگیردار کی سالانہ آمدنی بھی اتنی نہ تھی۔ عالمگیری عہد سے تقریباً ایک صدی بعد سید علی اعظم خاں کو حسن خدمات میں جو جاگیر عطا ہوئی تھی جس میں پندرہ مواضعات شامل تھے اسکی مجموعی آمدنی صرف سہ ۳۲۷ تھی گویا ان بچوں اور ایک خاتون کے روزینہ کی مجموعی سالانہ رقم کے یک ثلث سے بھی کم آیا بالفاظ دیگر سید علی اعظم خاں، سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اور ان ہی جیسے ایک دو امیر کبیر کی جاگیروں کی مجموعی آمدنی جناب مولف واسطیہ کے اجداد میں سے چھ سالہ و پنج سالہ دو لڑکوں، ان کی دو بہنوں اور ان کی ماں کی مدد معاش میں محض اس لئے مقرر کر دی گئی تھی کہ اس خاندان کا روزی کمانے والا جو معمولی سپاہی تھا، کسی لڑائی میں مارا گیا تھا!!

یہ ہے مولف واسطیہ کی صداقت بیانی اور تاریخ نویسی کی حقیقت!! ؏

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

دوسری غلط بیانی:۔ مولف واسطیہ نے اپنے خاندانی شجرۂ نسب میں سید سعادت اللہ مذکور کے سید عنایت اللہ ایک فرزند قائم کرکے ان کے دو بیٹے سید لطف اللہ اور سید فتح مراد ظاہر کئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ٣٢١) ہیں حالانکہ محولہ بالا فرمان سے بخوبی ثابت ہے کہ سید لطف اللہ مذکور سید سعادت اللہ مذکور کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے تھے (ملاحظہ ہو حصہ سوم) بہر حال وہ ان سید لطف اللہ کے بھائی سید فتح مراد کو اپنا جد امجد بتاتے ہیں اور ان کے متعلق صفحہ ٣٣٢ پر یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "ممدوح عہد بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب میں بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار تھے" اس کا ثبوت وہ اسی صفحہ پر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ "موصوف اپنے زمانہ مقدرت و منصب میں احکامات اپنے بنام اہلکاران شاہی جاری کرتے تھے"۔ اس کے ثبوت میں وہ فرماتے ہیں کہ "چند پروانے ان کے حکمی مولف (یعنی سید رحیم بخش مولف واسطیہ) کی نظر سے گزرے ہیں" چنانچہ اس سلسلہ میں صفحہ ٣٥١ پر "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد بن سید عنایت اللہ" کے عنوان سے ایک تحریر کی نقل بھی درج کی ہے جو ٢٥ بیگھہ اراضی کی واگذاشت کے متعلق ہے جو ان کی جاگیر کے ایک موضع میں شامل تھی اور جو اس زمانہ کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنے کارندوں کے نام لکھی تھی۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ جو مواضعات کسی جاگیردار کی جاگیر میں شامل ہوتے تھے ان میں اگر دوسرے اشخاص کی اراضیات ملک مدد معاش و سیور غالات عطیہ شاہی بھی پہلے سے شامل ہوتی تھیں یا بعد میں دی جاتی تھیں اور ان کے متعلق کوئی تنازع ہوتا یا جاگیردار کے کارندے ان پر قبضہ کر لیتے تو یہ جاگیرداران کے ادائے محاصل یا واگذاشت کے متعلق تحریر دیتا تھا جس کی عبارت حسب دستور مقرر تھی۔ سید فتح مراد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑے جاگیردار نہ تھے اور نہ بقول مولف واسطیہ "عہد عالمگیر کے بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار" تھے بلکہ برخلاف اس کے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد کے معمولی جاگیردار تھے۔ ان کی جاگیر کے موضع کا آلی لیسٹ میں "حقائق و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش" کے خاندان کی کسی خاتون کی ٢٠ بیگھہ زمین عطیہ شاہی بھی شامل تھی۔ اس اراضی کے متعلق سید فتح مراد مذکور کی اس تحریر میں جسے صاحب واسطیہ نے بڑے جلی الفاظ میں "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد" تحریر کیا ہے اپنے

آپ کے فرزند باکمال شاہ نورالدینؒ کچھ عرصہ سرکار سنبھل کے عہدہ صدارت پر ممتاز رہے۔ ان کے پوتے شیخ محمد عاشق بھی جزو صدر تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند شاہ احمدؒ کی اولاد میں کئی اشخاص

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۳) کارندوں کو لکھتے ہیں کہ :-

"مشیخت پناہ شیخ علی محمد و شیخ فقیر عالم کو معلوم ہو کہ موازی ۲۰ کنٹر (؟) زمین جو
حقائق و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش کے گھرانے کی بعض مسماۃ کے نام
بموجب پروانہ صدور حکام سابق موضع کالی آنیٹ میں مقرر تھی اب کچھ مدت سے
موضع مذکور اینجانب کی جاگیر میں شامل ہے ابتداءً دو تین فصلوں تک یہ زمین بے کاشت
پڑی رہی اور پھر چند فصلوں سے اس زمین کی آمدنی بیہ دار مزبورہ کو نہیں پہنچی
اس میں خلل واقع ہوا۔ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ اینجانب کی اس تحریر کے مطابق
اس اراضی کو ان کے حق میں واگذار کردو"۔ الخ

یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے اس پروانہ کا جسے صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے مگر اس میں انہوں نے اپنی صداقت کا یہ عبرتناک ثبوت پیش کیا ہے کہ "حکام سابق" کے بجائے قصداً اور عمداً حکم سابق کے الفاظ تحریر کردئے ہیں۔ یہ بھی حسن اتفاق سمجھئے کہ سید فتح مراد مذکور کی یہ اصل تحریر اور یقیناً وہ ہی تحریر جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہی ہے، خاکسار مولف کو دستیاب ہو گئی۔ اس تحریر میں جہاں "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے الفاظ تحریر ہیں وہاں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ تحریر صاحب واسطیہ کے جد امجد کا پروانہ اور حکم ہے لفظ حکام کے آخری حصہ یعنی ک ا م کی جگہ کاغذ میں سوراخ کردیا گیا ہے مگر یہ کارروائی بھی ایسے بھونڈے طریقہ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا "حکم" کے بجائے اصلی لفظ "حکام" ہی کو پڑھے گا اور اگر یہ لفظ بالکل ہی مٹا دیا جاتا تب بھی اس تحریر کی عبارت ایسی نہیں ہے کہ کوئی پڑھا لکھا شخص "حکام" کے بجائے "حکم" پڑھ سکے مولف واسطیہ نے شاید اپنی طرح اپنے ناظرین کتاب اور اہل شہر کو بھی فارسی زبان سے ناآشنا سمجھ لیا تھا کہ "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے بجائے "حکم سابق" مہمل الفاظ کو کوئی نہ پہچان سکتا یہ ادارہ

صاحب منصب و جاگیر ہوئے یعنی **شیخ محمد شاکر** بن **شیخ** ولی محمد بن شاہ آحمد مذکور اور ان کے فرزند **شیخ رحمت اللہ** عرف **شیخ** بدھا بن **شیخ** محمد شاکر مذکور ان حضرات کے فرامین و اسناد جن سے

(بقیہ نوٹ ص ۳۲۳) "مرز بوم" کے الفاظ صاف بتا رہے ہے کہ یہ زمین عطیہ شاہی تھی۔ صاحب واسطیہ کا مبلغ علم شاید اتنا نہ تھا کہ ترکی زبان کے لفظ "یہ وارہ" کے معنی سمجھ سکتے!

ایک اور جگہ یعنی ص ۳۲۴ پر شاہ قیام الدین محمد درویش کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب واسطیہ نے پھر اسی "پروانہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید فتح مراد، جن کو وہ اپنے اجداد میں بیان کرتے ہیں، اتنے بڑے جاگیردار تھے کہ دوسروں کی مدد معاش میں اراضیات عطا کرتے تھے اور ان کے احکامات "بنام چودھریان و متصدیان و قانون گویان حال و استقبال" جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ بیان ان کا محض لغو اور بے اصل و بے بنیاد ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مولف واسطیہ نے حضرت **شاہ قیام الدین محمد** رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا تذکرہ جس طریقہ پر کیا ہے وہ نسلی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ شاہ صاحب ممدوح کا خاندان **قوم کلال** میں شامل تھا، وہ بذات خود اپنے زمانہ کے عمائد میں سے تھے۔ عہد عالمگیری میں مرادآباد کے عہدہ محتسب پر فائز تھے طبیعت کا رجحان فقر کی جانب تھا، یہ معزز عہدہ ترک کرکے درویشی اختیار کرلی تھی۔ آپ کا مفصل تذکرہ حصہ دوئم میں ملاحظہ ہو۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول اور تعزز کے اعتبار سے مولف واسطیہ کے خاندان کے مقابلہ میں یہ خاندان کسی لحاظ سے کم نہ تھا لیکن مولف واسطیہ نے جس پیرایہ میں اس خاندان کا تذکرہ کیا ہے وہ افسوسناک ہے مثلاً ص ۳۳۴ پر وہ لکھتے ہیں کہ شاہ قیام الدین محمدؒ کو "کچھ روزینہ برائے مدد خرچ ملتا تھا" روزینہ کی تعداد نہیں لکھتے، پھر فرماتے ہیں "ایک بلک تعدادی ۵۰ بیگھہ اراضی واقع موضع کالی لیٹ .... حسب پروانہ بمہر سید فتح مراد" مقرر تھی یہاں تعداد اراضی ظاہر کرتے ہیں لیکن چند سطروں کے بعد "ایک ملک واقع موضع بہوپور" کا ذکر کرتے ہیں تو اراضی کی تعداد کا مطلق حوالہ نہیں دیتے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ اراضی ۵۰ بیگھہ نہیں بلکہ صدہا بیگھہ تھی۔ روزینہ کی تعداد اس لئے نہیں بتاتے کہ ان کے اجداد کے روزینہ کی اصلی تعداد کم رہ جاتی ہے

منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی، باوجود امکانی کوشش کے خاکسار مولف کو نہیں دکھائے گئے
میر ابن علی صاحب نے جو شیخ رحمت اللہ مذکور سے چھٹی پشت میں ہوتے ہیں، خاندان کے اور
اشخاص سے تو کاغذات دکھانے کا وعدہ کیا تھا جسے وہ پورا نہ کر سکے لیکن خاکسار مولف جب انکی
خدمت میں حاضر ہوا تو کاغذات کے تلف ہو جانے کا عذر فرمایا۔ بہرحال شیخ رحمت اللہ مذکور کی
بعض تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے پدر بزرگوار اور
ان کے بھائی شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ یہاں دو تحریروں کی نقول اور ایک کا عکس شائع
کیا جاتا ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۴) اس خاندان کے یومیہ کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں پانچ اشخاص کو عہ ۱۲؍
یومیہ ملتا تھا۔ جسے صاحب واسطیہ نے لہ ۱۲؍ یومیہ کر دکھایا تھا اور یہاں تنہا ایک شخص کو عہ
دو روپیہ یومیہ ملتا تھا۔ اس حرکت سے مولف واسطیہ کا مطلب دوسرے خاندانوں کی تنقیص
یا ان کی کم مائیگی کا اظہار ہے۔ اور اپنے خاندان کا فرضی و مصنوعی بلکہ جعلی اعزاز و اکرام۔ مگر مثل مشہور ہے
کہ دروغ کو فروغ نہیں۔ مولف واسطیہ نے مکڑی کے جالے کے مانند اپنے پندار میں دروغ بافی
کا ایک "بیت عنکبوت" تیار کیا تھا، "اوھن البیت لبیت العنکبوت" مکڑی کی طرح انہوں نے
بھی کیسے کیسے زاویئے، دائرے اور بیل بوٹے بنائے تھے جنہیں صداقت کی ایک ہی پھونک نے
ھباءً منثوراً کر دیا۔ الحق یعلو ولا یعلی۔

مجھے افسوس ہے کہ اس موقعہ پر یہ بحث چھیڑنی اور ناظرین کو یہ بے مزہ داستان سننی
پڑی لیکن ان واقعات کا اظہار اس لئے ضروری تھا کہ جو شخص اپنے خاندانی حالات کے اظہار میں قصداً
وعمداً غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہے، لوگوں کو غلط واقعات باور کراتا ہے، کاغذات کے نقل کرنے میں
جعلی کارروائیوں تک سے پرہیز نہیں کرتا اسکی تالیف، جو شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات میں ہو کہاں
تک قابل اعتبار و اعتماد ہو سکتی ہے؟

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ وغیرہ نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ

سید علی مرتضیٰ خاں احد ۱۱۲۵

ولی محمد ابن شیخ محمد شاکر احد

اقرار معتبر شرعی کردہ مخبر باسم و نسب خود مسمی شیخ رحمت اللہ و شیخ لطف اللہ ابنائے شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد ابن شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال صحیح اقرارہ بریں وجہ کہ شیخ پیر و شیخ عبد الرحمٰن و ما مقران ہر چہار برادران عینی باخودہا مشترک بودیم بعقد عنان و بعد فوت مشارٌالیہما مقران باخودہا ہماں عقد شرکت عنان مقرر داشتیم کہ ہر یک از ما ... است خرچ خوراک پوشاک شادی و غمی ہمہ مشترک است و آنچہ از جنس اسلحہ و دواب ظروف و فروش و زمین و سکنائی و باغات وغیرہ از جنس عروض عقارات از مبلغ آمدنی تحصیل مواضع جاگیر اینجانب بموجب تمسکات باسم ہر یکے از ما یان و با باسم و لیعنی جیو یعنی ان کے والد شیخ شاکر کہ والی و کیل مطلق اند از طرف ما یان زر خرید و گروی باشد ہمہ مشترک علی السویہ باشد ما مقران ہمہ زر خرید و گروی را با خود ہا قسمت بالمناصفہ کردہ بگیریم و ما دامے کہ واہہائے جاگیر بنام کسے از ما یان بحال و مسلّم باشد، ہمہ شرکت عنان باقی است بنا بران ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ شرکت عنان نوسیانیدہ تا ثانی الحال عند الحاجت سند گردد۔ تحریر فی التاریخ چہارم شہر ربیع الثانی ۱۱۲۰ھ

اس تحریر سے ثابت ہے کہ شیخ محمد شاکر اور ان کے بیٹے جاگیردار تھے۔ دو سال کے بعد جب شیخ لطف اللہ کا انتقال ہو گیا اور صغر سن فرزند عزیز اللہ عقب چھوڑا تو شیخ رحمت اللہ نے حسب ذیل تحریر بطور مچلکہ لکھی اس تحریر میں انہوں نے صاف طور سے اپنے کو منصبدار

"سرکار والا لکھا ہے :-

نقل اقرار نامہ اقراری شیخ رحمت اللہ منصبدار شاہی

سید علی مرتضیٰ خاں ۱۱۲۵

ولی محمد ابن شیخ محمد شاکر

منکہ شیخ رحمت اللہ منصبدار سرکار والا ام چون مبلغ نود ہزار دام
از پرگنہ امروہہ وغیرہ سرکار سنبھل کہ از انتقال شیخ لطف اللہ برادر حقیقی بندہ کہ در
ما بیائے درآمدہ بسبب صغر سن عزیز اللہ پسر متوفی بجاگیر بندہ درگاہ تنخواہ
شدہ لہذا نوشتہ میدہم واقراری نمایم کہ ہرگاہ عزیز اللہ مذکور جوان وقابل نوکری سرکار
والا باشد واماہائے مذکورہ برائے تنخواہ مومی الیہ بلا حجت وحیلہ گذاشت نمایم وما دامے کہ
واماہائے مذکورہ بجاگیر بندہ تنخواہ است انچہ کہ از تحصیل مبلغ جاگیر از عوض وعقارات خرید
نمایم نصفی ازآں من باشد ونصفی ازآں عزیز اللہ مذکور قسمت کردہ بدہم وچنانکہ شیخ لطف اللہ
مذکور شریک عنان من مقرر بود ہمچناں عزیز اللہ مذکور قایم مقام پدر خود شریک عنان من مقرر
باشد وخبر خوراک وپوشاک وشادی وغمی ذمہ بندہ است بنا براں ایں چند کلمہ بطریق محلکہ
نویسانیدہ دادہ شد تا سند باشد تحریر فی التاریخ ہشتم شہر رجب المرجب سنہ

جلوس والا مطابق ۱۱۲۷ھ

شیخ رحمت اللہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد حسین بھی جو میر بہادن کے
عم بزرگوار تھے جیسا کہ حسب ذیل اقرار نامہ نوشتہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ سے ثابت ہے
جاگیر دار تھے۔ اس اقرار نامہ پر سید مصطفیٰ علی وسید شجاعت علی رساکنان محلہ گذری، وسید
عنایت غوث کی مہریں بطور شاہد ثبت ہیں :-

نقل اقرار نامہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ

منکہ شیخ عزیز اللہ ولد شیخ لطف اللہ ساکن قصبہ امروہہ ام چوں بدعوی محال
پدر خود کہ بجاگیر شیخ رحمت اللہ واز محال شیخ رحمت اللہ بجاگیر شیخ
محمد حسین پسرش تنخواہ شدہ با شیخ محمد حسین مذکور مناقشہ داشتم در یں ولا بحسب
صلاح سادات عظام و مردم مصلحین بتراضی طرفین صلح کردم از دعوی مذکورہ بر فصلانہ
مبلغ چہل و ہشت و نیم روپیہ کہ نصف آں بست و چہارم و پاؤ روپیہ از محصول موضع یعقوب پور
عملہ پرگنہ امروہہ محال جاگیر مشار الیہ من ابتدائے فصل ربیع پارس ئیل سنہ ۱۱۰۳ فصلی پس بعد
ازیں تاریخ ہیچ حقے و دعوے بندہ بوجہے من الوجوہ بابت جاگیر بذمہ شیخ محمد حسین
مذکور نیست و نماندہ اگر احیاناً در صورت وصول فصلانہ مذکور دعوی نمایم باطل گردد انچہ از وجہ
فصلانہ من ابتدائے فصل مذکور بگیرم و انچہ بابت درماہہ لغایت حال از مشار الیہ گرفتہ ام
واپس دہم و لبشرط وصول فصلانہ مذکور را از دعوی مذکور ابرا کردہ ام در صورت عدم وصول
فصلانہ ابرا نا معتبر دعوی بندہ باقی باشد و در صورت وصول فصلانہ ابراء بندہ صحیح است
و دعوی باقی نیست۔ بنا براں ایں چند کلمہ بطریق سند نویسانیدہ دادم تا ثانی الحال
حجت گردد تحریر فی التاریخ غرہ شہر ربیع الثانی سنہ ۲۹ بیست و نہم از جلوس میمنت مانوس مطابق سنہ ۱۱۰۹ھ

غرضیکہ حضرت شاہ احمد بن حضرت شاہ آبن بدر چشتی کی اولاد میں یہ سب اشخاص منصبدار
و جاگیردار رہتے۔

حضرت شاہ آبن کے تیسرے فرزند شاہ قطب الدین کی اولاد میں شیخ عبد الباری
بن شیخ عبد الوالی حسب فرمان مجریہ یکشنبہ شہر ربیع الاول سنہ ۳ جلوس مطابق سنہ ۱۱۲۶ھ یکصدی
ذات کے منصب و جاگیر پر سرفراز ہوئے اس فرمان میں جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہے انکے
نام کے ساتھ یہ الفاظ تحریر ہیں "شیخ عبد الباری ولد شیخ عبد الوالی عموزادہ شیخ رحمت اللہ

ولد شیخ محمد شاکر از بندہائے چوکی خاص بمنصب یکصدی ذات سرفراز باشد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمت اللہ مذکور عرصہ دراز سے منصبدار اور غالباً کسی اعلیٰ منصب پر سرفراز تھے اس زمانہ میں یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو جدید منصب ملتا تھا اس کے عطائے منصب و جاگیر کے فرمان پر کسی دوسرے منصبدار کی ضمانت بھی درج ہوتی تھی۔ سید شیر زماں ولد سید محمد خواہرزادہ سید علی مرتضیٰ خاں (مورث خاندان گھوڑیا والے) کے منصب کی سند پر بضامنی شیخ رحمت اللہ بن محمد شاکر تحریر ہے۔ یہ بھی ایک اور ثبوت اس امر کا ہے کہ شیخ رحمت اللہ کسی اچھے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کے برادر حقیقی شیخ پیر بن شیخ محمد شاکر بھی بڑے جاگیردار تھے اپنے خاندان کی ایک خاتون کو انہوں نے ۹ رجمادی الاول ۳۳ جلوس عالمگیری میں اپنی جاگیر میں سے للعہ بیگہ زمین مدد معاش میں دی تھی۔

خاندان صدیقیاں الملقب بہ میرزا

اس خاندان میں چار پانچ اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ شیخ محمد فاضل عہد عالمگیر میں یکصد و پنجاہی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کی نسل میں شیخ غلام قلندر کو میر ابوالفضل کا خطاب ملا، شیخ جلال الدین ابن شیخ کمال الدین پانصدی ذات پنجاہ سوار کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ شیخ معظم بعہد شہنشاہ اکبر صدیقیوں کی دوسری شاخ میں منصبدار و جاگیردار تھے۔

خاندان عباسی

اس خاندان میں سوائے مولانا الہداد عباسی کے جو عہد اکبری کے نامور منصبدار تھے اور کوئی شخص صاحب منصب و جاگیر نہیں ہوا۔ مسٹر نیول مولف ڈسٹرکٹ گزیٹر ص ۱۷۹ پر خان عباسی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

"حافظ عبداللہ کے فرزند ابوالمکارم (شہنشاہ) اورنگ زیب کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ مشہور و معروف لشکری جو "جاں نثار خاں" کے خطاب سے زیادہ مشہور ہیں ۱۶۷۵ء میں شہزادہ معظم کی فوج میں منسلک رہے

دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کارنمایاں کئے اور باغی شہزادہ مسمی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں بھی زیادہ تھی شکست دی تب وہ (یعنی ابوالمکارم) جلوے شاہی میں داخل ہوتے۔ اور اس کے بعد سنہ ۱۶۸۱ء میں قلعہ گوالیار کے قلعہ دار ہوئے اور پھر ۱۶۹۱ء میں خاندیس (یعنی برار) کے گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے چونکہ وہ (مذہباً) سنی تھے اسلئے سادات بارہہ سے ان انزاع ہوا جس کی بنا پر انہیں سنہ ۱۷۱۲ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہوکر خانہ نشین ہونا پڑا۔ ان کے فرزند علی اکبر یا کامیاب خاں اور رمضان علی یا داراب خاں حملہ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے۔ موخرالذکر البتہ ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے"۔

خاکسار مولف کو تاریخ نویسی میں اگر صداقت بیانی مطلوب نہ ہو اور جو عبرت آموز مثال مولف واسطیہ نے قائم کی ہے صرف اسی کی تقلید کی جاتے تو اپنے خاندانی حالات کے تذکرہ میں کم از کم سرزمین امروہہ پہ ہی بغداد کا افسانہ کہن تو ضرور دوہرا دینا چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے بتوفیق ایزدی راست بیانی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ مسٹر نیول کی مندرجہ بالا عبارت نقل کردینے کے بعد خاموش رہنا ہی راست بیانی وصدق مقالی کے مذہب میں گناہ سمجھتا ہوں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ابوالمکارم عباسی کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسٹر نیول کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں۔ جن خواجہ ابوالمکارم المخاطب بہ جاں نثار خاں[1] کا تذکرہ مستند کتب تاریخ میں ملتا ہے جن کے فرزندوں کے نام داراب خاں وکامیاب خاں ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے اور وہ ابوالمکارم عباسی جن کے فرزند علی اکبر ورمضان علی تھے قطعاً دوسرے شخص امروہہ کے باشندے اور غالباً

---

[1] مآثرالامراء

معمولی اہلکار شاہی تھے۔ اس ثبوت میں متعدد دیرینہ کاغذات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ علماء کے طبقہ کو طبعاً نہ حصول مناصب کا شوق ہوتا ہے اور نہ وہ ذوق علمی دوسرے مشاغل اختیار کرنے کا محرک۔ ابوالمکارم عباسی کے اجداد میں مولانا اکبر ان کے فرزند مولانا احمد اور مولانا احمد کے فرزند ملا صدرالدین عباسی یقیناً اپنے زمانہ کے عالم فاضل تھے لیکن ہر عالم و فاضل کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ بادشاہ یا شاہزادگان کا استاد و اتالیق بھی ہو۔ جہاں تک تاریخی حالات کے تجسس اور دیرینہ کاغذات سے معلوم ہو سکا ان سب حضرات کا قیام امروہہ میں رہا۔ ممکن ہے کہ مولانا احمد اور ان کے فرزند ملا صدرالدین عباسی القول ڈسٹرکٹ گزیٹر "عہد جہانگیر و شاہجہاں میں شاہزادگان بنی تیموریہ کے اتالیق ہوں" لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ صاحب آئینہ عباسی و صاحب تاریخ اصغری کے بیان کے مطابق مولانا بابن عباسی شاہزادگان تیموریہ کے اتالیق تھے۔[1] ان کے اخلاف میں مولانا احمد، مولانا عبدالصمد و مولانا فتح محمد بھی دربار شاہی سے منسلک رہے۔ لیکن عہد شاہجہانی کے بعد سے اس خاندان کے علماء کا افادہ درس زیادہ تر امروہہ میں جاری رہا۔ اس زمانہ میں یہی حضرات مسلمانان امروہہ کے دینی مقتدا و پیشوا اور مرجع انام تھے۔ سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ جس کے ثبوت میں متعدد فرامین اور پروانے خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں خاکسار مولف کے اجداد میں مولانا عنایت اللہ اور ان کے فرزند مولانا عبدالرحیم پرگنہ بھوگپور عرف جوالاپور میں بعہد فرخ سیری و محمد شاہی معزز عہدوں پر مامور رہے ان کو، ان کے ورثا اور ان کے خاندان کی بعض خواتین کو املاک ادجاگیر پرگنہ مذکور میں ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں بعض اشخاص معلمی کا پیشہ بھی کرتے تھے جو دور انحطاط و تنزل میں مکتب کے "میاں جی" کے درجہ تک پہنچ گیا تھا اور آج ان کی اکثر نسلوں میں وہ حالت بھی باقی نہیں ہے۔

---

[1] آئینہ عباسی ص۱۲ تاریخ اصغری ص۱۷۹

دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند
پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں

صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ[1]

"اکثر لوگ اس خاندان کے صاحب علم اور لائق ہوتے رہے اور بیشتر سادات امروہہ نے ان سے پڑھا لکھا ہے"

دیوان سید محمود اور ان کے سب فرزند مولانا عبدالرشید اور ان کے خاندان کے شاگرد تھے۔ دیوان سید محمود کے اخلاف کی متعدد تحریرات خاکسار مولف کی نظر سے گذری ہیں۔ جن میں ان حضرات کو جابجا "پیر و مرشد" "قبلہ و دو جہاں" وغیرہ القاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ خدا اس زمانہ کے استاد و شاگرد کے تعلقات کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے کیجئے جو سید علی[2] بن دیوان سید محمود نے اپنے استاد مولانا عبدالرفیق عباسی کے مشاہرہ کے متعلق اپنے کارندوں محمد شریف و گنج بہاری کے نام تحریر کی ہے۔ آج بیسویں صدی کے مہذب زمانہ میں اسکول و کالج کے ٹیچر و پروفیسر و کیے سا تھان کے شاگردوں کے عقیدت و خلوص کی ایسی کتنی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں؟

"مشیخت مآب محمد شریف و خیر اندیش گنج بہاری بعنایت و التفات امیدوار گشتہ بدانند کہ چوں برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ از برات مخدومی مولوی اخوند جیو علیحدہ نمودہ بلا توقف و اہمال میرسانیدہ باشند کہ شہود الخیر ایشاں و رضامندی اینجانب دریں معنی است البتہ بلک ہزار البتہ برات ایشاں بلا اہمال رسانند کہ تمام رضامندی اینجانب دریں است و تعجب تمام دست داد کہ در وصول برات ایشاں تغافل نمایند می باید کہ از ہمہ بیشتر ایشاں را دادہ تا دیگرے را بدہند عجب است پیر و مرشد و استاد

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۷۱ + [2] ان کا نام تاریخ واسطیہ نے عدم مطالعہ کی بنا پر ترک کر دیا۔ سید محمود کے تین فرزند کا نام سید معالی درج کیا ہے ان کا صحیح نام سید عبدالمعالی تھا +

ماباں رائی فہمند دریں صورت زیادہ از زیادہ خلی میگردد کہ سعادت دارین خود انگاشتہ
خدمت ایشاں را صلاح دولت خود دانستہ بلا توقف رسانند رضا مندی ایشاں
عین رضامندی اینجانب دانند وپٹی موضع نوراحسن پور کہ در تنخواہ حضرت قبلہ اخوندجیو
مطابق طلب مقرر ساختہ برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ علیحدہ میرسانیدہ باشند دریں
باب تاکید تمام دانستہ و انحراف نورزند۔ تحریر فی التاریخ غرۂ شعبان المعظم ۱۰۸۰ھ

خاندان شرفائے کمبوہ

خاندان ساکن محلہ منڈو کے بزرگوں میں نامور طبیب اور منصبدار وجاگیردار ہوئے۔ حکیم قوام الدین خاں منصبدار پانصدی ذات عہد محمد شاہ اور ان کے دونوں فرزند حکیم رضی الدین خاں و حکیم امام الدین خاں بھی جاگیردار و منصبدار تھے حکیم امام الدین کا منصب یک ہزار و پانصدی ذات اور حکیم الملک خطاب تھا ان کی اولاد میں بھی بعض اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے۔

دوسرا خاندان ساکنان محلہ شاہی چبوترہ ہے۔ ان میں بھی کئی خاندان ہیں جن کے بزرگ وقتاً فوقتاً امروہہ میں توطن پذیر ہوئے ایک خاندان دائم خاں برادر عینی دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا تھا ان میں حکیم منصور علی خاں ولد محمد مسعود تھے ان کے اخلاف کو معقول جاگیریں ملیں۔ دوسرا خاندان فاخر علی خاں بن دیوان محمد عاقل خان عالمگیری کا ان میں بھی منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ خاندان محمد محتشم خاں وغیرہ میں بھی بعض اشخاص صاحب جاگیر ہوئے۔

شرفائے کلال

ان میں درویش علی خاں منصبدار پنجہزاری عہد فرخ سیری کا خاندان ہے۔ ان کو بہت بڑی جاگیر پرگنہ امروہہ و سنبھل وغیرہ میں عطا ہوئی تھی۔ ان کے اخلاف میں بھی دو دو ہزاری و ہزاری ذات کے متعدد منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اس خاندان کی جاگیریں ضبط ہو گئیں۔

معافیات کی نوعیت

سادات و شرفائے امروہہ کو جو اراضیات مثل غال و مواضعات جاگیر شاہان مغلیہ کی جانب سے عطا ہوئے ان کا بیشتر حصہ علی الدوام والاستمرار کے طریقہ پر دیا گیا تھا۔ جن فرامین و اسناد کے ذریعہ یہ عطیات شاہی دے گئے ان کی عبارت خود اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ معافیات جن خاندانوں کو عطا ہوئی تھیں ان کی اور ان کی نسلوں کی دائمی پرورش و مدد معاش ان سے مطلوب تھی فرامین میں اس کی صراحت کی گئی تھی کہ یہ عطیات صرف اس شخص اور اسکی اخلاف کی مدد معاش کے لئے ہیں اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے "مصئون و محروس" اور ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" ہیں۔ مثلاً یہاں اس قسم کے فرامین کے ایک فقرہ کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"باید کہ فرزندان نامدار کامگار والا تبار و وزرائے عالی مقدار و حکام کرام
و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات
سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و موبداً در استقرار
و استمرار ازیں حکم مقدس و معلی کوشیدہ دامہائے مواضعات مرقومہ را
نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن خالداً و مخلداً بتصرف آنہا وگذارند
و از صوادم تغیر و تبدل مصئون و محروس داشتہ بعلت پیشکش
صوبہ داری و فوجداری و مال وجہات و سائر اخراجات مثل تفلغہ و محصلانہ و
داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی و مقدمی و صدودی و قانون گوئی مزاحم
و معترض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و
مرفوع القلم شمارند"

اسناد خمسہ

سلطنت مغلیہ کے بعد جو جو حکومتیں اس علاقہ پر قائم ہوئیں ان سب نے ان معافیات کو بدستور برقرار و بحال رکھا یعنی روہیلہ حکومت، سلطنت اودھ و حکومت برطانیہ۔ معافیات کی بحالی کے متعلق مختلف حکومتوں نے جو اسناد

وقتاً فوقتاً دیں وہ یہ ہیں (۱) پروانہ بجانب نواب علی محمد خاں (۲) پروانہ منجانب نواب دوندے خاں مفرزندان (۳) سند منجانب نواب شجاع الدولہ بہادر (۴) سند منجانب نواب آصف الدولہ بہادر (۵) سند منجانب نواب وزیر الممالک بمہر مسٹر بالفور مرقومہ ۱۱۹۴ھ - ان پانچ اسناد کو "اسناد خمسہ" کہا جاتا ہے۔

روہیلوں کی حکومت نے ابتداءً امروہہ کی جاگیروں پر ملازمان ومتصدیان حکومت کی تنخواہوں کا بار ڈالدیا تھا لیکن دوندے خاں کے حسب ذیل پروانے کے بموجب سادات وشرفائے امروہہ کی جاگیریں واگذار کی گئیں :-

نقل

پروانہ بمہر خان عالی شان دوندے خاں بہادر آنکہ

معتمد الخدمت محمد دیندار در پناہ الٰہی باشند۔

دریں ولا کہ دیہات امروہہ واجب پور جاگیر سادات وغیرہ سکنہ امروہہ و بارہہ کہ بعلت اجارہ و تنخواہ ساہوکاراں ومتصدیان وغیرہ بآن معتمد الخدمت تفویض یافتہ بود چوں پاس خاطر سادات بہمہ وجوہ منظور است جمیع دیہات جاگیرات وآیمہ دیہہ، آنہارا واگذاشت نمودہ شد و در مقدمہ اجارہ وغیرہ سادات معزالیہما را تنا رگردانیدہ در آنچہ بہبود خودہا بدانند بعمل آرند از سرکار بوجہے من الوجوہ تعرض ومزاحمت آں مقدمات نیست لہذا قلمی میگردد کہ بمجرد وصول پروانہ آن معتمد الخدمت از دیہات جمیع سادات وغیرہ بابت پرگنات مذبورہ بعلت مرقومات مزاحمت نمودہ در تصرف جاگیرداران واگذارند واگر احیاناً بہ کسے عنوان عذر درمیان خواہد آورد در حق خود بہتر ندانند، رضانامہ سادات نویسانیدہ بحضور ابلاغ دارند دریں باب تاکید دانند زیادہ -

نواب وزیر الممالک کی جانب سے بھی ۱۲۰۲ھ میں جو آخری پروانہ واگذاشت جاگیرات واملاک معافی کے صادر ہوا اس کی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے :-

رفعت و عوالی پناہ مہدی علی خاں محفوظ باشند

جاگیرات و یمیہ سادات و شرفائے امروہہ کہ از عہد نواب صاحب غفراں مآب نیاز مقرر و معاف و مرفوع القلم است بدستور سابق معاف دانستہ نائبان مال و سائر امروہہ تقید نمایند کہ خلاف معمول از جاگیرات و یمیہ مذکور تعرض نہ نمایند۔ موافق معمول گذشتہ و پیوستہ بعمل آوردہ از پروانجات علیحدہ علیحدہ اسم باسم تکرار و حجت نیارند و از دستکاب و اخذ بہنیت و فرمائشات دیہات را خراب و ویراں نسازند و اظہار مخالفان و غرض گویان بنوع نباید نمود۔ دریں باب تقید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔ دوئم ربیع الاول ۱۲۰۲ھ -

ایسٹ انڈیا کمپنی اور معافیات کی تحقیقات

۱۸۰۱ء میں جب روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگیا تو دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۰۲ء میں مسٹر لیسٹر[1] نے تمام علاقہ میں بذات خود دورہ کر کے مالیات کا جائزہ لیا اس کو بندوبست اول کہنا مناسب ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد (نواب) امیر خاں کے حملہ کی وجہ سے وہ سب انتظام درہم و برہم ہو گیا تو ۱۸۰۳ء میں بندوبست دوئم شروع ہوا جو ۱۸۰۷ء میں ختم ہوا پھر تیسرا بندوبست مسٹر لائڈ[2] نے ۱۸۰۸ء میں شروع کیا جو ۱۸۱۲-۱۸۱۱ء تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں معافیات علی حالہ قایم و برقرار رہیں۔ ۱۸۱۸ء میں مسٹر اینڈروز جن کو اس زمانہ کے محاورہ میں "قاضی صاحبان انگریز" سے تعبیر کیا گیا تھا بتقریب دورہ" مع صاحبزادے

[1] M. Leycester
[2] M. Loyd

مسمی نشتر صاحب" امروہہ آئے اور سید امان علی خاں دگھڑیال والے کے مکان پر مقیم ہوئے۔ اس وقت معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی اور اسناد خمسہ" ملاحظہ کی گئیں۔

اس سلسلہ میں صاحب موصوف کے نائب کا مندرجہ ذیل پروانہ موسومہ سید امان علیخاں دگھڑیال والے جن کو اس زمانہ کی تحریرات میں "نواب" کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا دلچسپی سے پڑھا جائیگا:۔

"نواب صاحب مشفق مہربان سلامت،

وقت کوچ دائرہ دولت حضور کہ آں مہربان فرستادن مختار کار مع اسناد مقرری اقرار بالمشافہہ حضور نمودہ بودند ہنوز کدام کس را روانہ حضور نساختند دریں صورت کمال استعجاب است درحالیکہ آں مہربان ایں طور خلاف وعدہ نمایند پس دیگر اشخاص چرا زیادہ تر مرتکب لیت ولعل نگروند۔ لہذا نظر بہ ہرج کار سرکار قلمی میگردد کہ آں مہربان بر فور ورود پروانہ کدام شخص مختار کار خود را مع اصل اسناد مقرری برائے ملاحظہ روانہ حضور سازند کہ بو اوید روانگی مختار کار آں مہربان اشخاص دیگر ہم اسناد مقرری خود بحضور بگذارند و ہرج کار سرکار رو ندہد۔ برائے اطلاع قلمی آمد مرقوم بست و پنجم مارچ ۱۸۱۱ء

دستخط آر۔ ایس۔ الیکزنڈر"

غرضکہ بموجب قانون دوئم ۱۸۱۹ء معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی، امروہہ کے معافی داروں کا وفد بمقام پانی پت نواب گورنر جنرل کی خدمت میں باریاب ہوا۔ بچھراؤں وغیرہ کے معافیدار شریک حال تھے۔ اکثر اشخاص دہلی تک ساتھ رہے۔ چنانچہ بہت سے دیہات برائے دوام واگذاشت ہوئے لیکن افسوس اس زمانہ میں معافیداروں نے عاقبت اندیشی سے کام لیا اگر اسی زمانہ میں اسکی کوشش کی جاتی کہ یہ معافیات جس غرض و منشا سے شاہان اسلام نے

عطا کی تھیں اس کا ہمیشہ کے لئے تحفظ و انتظام ہو جاتا اور کوئی ایسا قانون نافذ ہو جاتا کہ معافیات بیع و شرا اور انتقال (درانتقال) کے انقلابات سے مستثنیٰ کر دی جاتیں۔ اور جس طرح تعلقداران اودھ کے متعلق خاص قانون ہے یا پنجاب میں ایکٹ اراضیات نافذ ہے اسی طرح امروہہ کی معافیات کو جو "نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطن" کی تصریح کے ساتھ دی گئی تھیں جن کے دائمی حیثیت "خالداً و مخلداً" کے الفاظ میں بیان کی گئی تھی جن کو "عوادم تغیر و تبدل" سے مستثنیٰ "و مصئون محروس" رکھنے کی تاکید تھی، جو ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" تھیں اور جن کے عطا کرنے کی غرض و غایت یہی تھی کہ جن اشخاص نے اپنی جانبازیوں و جانفروشیوں یا کمالات اور کارناموں سے سلطنت کی خدمات لائقہ انجام دی تھیں وہ اور انکی نسلیں ان سے دائمی طور پر متمتع ہوں۔ ان کا بالآخر یہ حشر نہ ہوتا کہ قرضہ و سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان خاندانوں سے نکلکر جن کی نسلوں کی پرورش ان سے مطلوب تھی غیروں کے قبضہ میں چلی جائیں!

۱۹۰۸ء میں امروہہ کے جاگیرداروں نے ایک تحریر کے ذریعہ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ باہم یہ معاہدہ کیا تھا کہ جاگیر کے فروخت کرنے کی اگر نوبت پیش آئیگی تو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کے یا بدرجہ اقل اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ہاتھ فروخت کرینگے کسی غیر اور اجنبی شخص کے ہاتھ جائیداد فروخت نہ کی جائیگی۔ اس معاہدہ پر سادات و شرفائے امروہہ میں سے اکثر جاگیرداروں کے دستخط ثبت ہیں مثلاً سید قمر علی خاں (دربار کلاں)، سید اعظم خاں (محلہ گذری)، سید دوست علی (دکھوئی)، سید فیض احمد (دلکرہ) وغیرہ کے نیز لالہ محکم چند قانون گوئی کے اس پر دستخط ہیں۔

عرش آرام گاہ

نقل

بمہر خادم شرع قاضی سید الٰہی بخش دحکومت پناہ نتھے خاں و دیگر جمیع سادات و شرفا — آنکہ

ما یانکہ جمیع سادات و شرفائے منصبداراں و جاگیرداراں سکنہ امروہہ تابع سرکار سنبھل

درگاہ شاہ عبدالہادی قدس سرہ

مضافات صوبہ۔ دار الخلافہ شاہجہاں آباد ایم چوں سررشتہ حضور معلی بعہد عہد حضرت مرزا احمد
در دست نماندہ و روزے بتقضائے الٰہی وفات ہر یک خواہد شد لہذا بنا بر رفع تکرار و مناقشہ یکدیگر
فی مابین قرار یافتہ کہ جاگیر کسانیکہ از عہد مذکور تا حال در تصرف او ماندہ مالک است اسناد و تغیری
کسے سوائے گذاشت از وقت حضرت   معتبر نیست، بعد متوفی وارث او بموجب دستخط
حضرت   قرار بالاتفاق یکدیگر اولاد پسر و نبیرہ و اگر ایشاں نباشند پدر و اگر خویش
و برادر و اگر اینہا نباشند نواسہ و اگر ایں ہم نباشد برادر زادہ است و اگر اینہا نیز نباشد ہر کہ
ذی حق و قریب تر باشد قابض و متصرف باشد و اگر بر تقدیر کسے جاگیردار و زمیندار بحسب
ضرورت جاگیر و زمینداری تعلقہ خود گذاشت و بیع و شرا کردن خواہد بدست احق و قریب
خود نماید و اگر احق و قریب را مقدور نباشد بدست سادات و شرفائے ہم وطن۔ غرضیکہ
بدست غیر و اجنبی گذاشت و بیع نسازد و شخصے کہ در اسناد تنخواہی عہد سابق شریک
توجیہ بودہ دخل و تصرف نیافتہ اگر ثانی الحال بدعوی شراکت توجیہ پیش آید باطل ناشنیدہ باشد
بموجبیکہ در عمل افغاناں الی آن قبضہ و تصرف شدہ آمدہ آں را تغیر و تبدل ندہند۔ دریں باب
حجت و تقریر کسے پذیرا نباشد۔ تحریر بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاول ۱۱۹۵ھ ہجری"

سلطنت مغلیہ کے بعد جو اور حکومتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوئیں انہوں نے بھی ان معافیات
کو بدستور بحال و برقرار رکھا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ علاقہ از روئے معاہدہ حاصل کیا تھا اس لئے
وہ اپنی پیش رو حکومت کے ان احکامات کی پابند تھی جو "حکام کرام و عمال کفایت فرجام و کروریان
حال و استقبال" کے نام جاری ہوئے تھے اور جن کی پابندی کے لئے "ابداً و موبداً" کے الفاظ
فرامین میں درج کئے گئے تھے اور اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اس کے "استقرار
و استمرار" کا لحاظ رکھتی۔ لیکن افسوس ایسی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسا کوئی قانون نافذ
نہ ہوا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ان حالات کے اندر ہر جگہ ہوا ہے یعنی آیندہ نسلوں کی غفلت و
عیش و پرستی اور نااہلی کی وجہ سے بڑی بڑی جاگیریں تباہ و برباد ہو گئیں۔ بڑے بڑے

گھرانے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ پشتینی رئیس فقیر بے نوا ہو گئے۔ بہت سے اب نانِ شبینہ کو محتاج ہیں ؎

جن کی عمارتیں بہ فلک سر کشیدہ تھیں	نسلوں میں ان کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخمل رومی کے فرش تھے	اب ان کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز	نوبت یہ ہے کہ چولھے پہ ان کے توا نہیں

معافیداروں اور جاگیرداروں کی تباہی

انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد تک امروہہ کے سادات و شرفا کے قبضہ و ملکیت میں تقریباً سات سو مواضعات جاگیر و معافی میں تھے جو زیادہ تر پرگنہ امروہہ، سنبھل، رجب پور، اعظم پور، بازیستہ، بچھراؤں، اسلام پور بہرہ، مراد آباد، ٹھاکردوارہ اور بجنور میں تھے تقریباً ایک صدی کے اندر ان سات سو مواضعات میں سے چھ سو سے زیادہ مواضعات تو ان پاس سے قطعاً نکل گئے۔ بقیہ تقریباً سو مواضعات میں سے باستثنائے معدودے چند مسلّم مواضعات کے جزوی حصص باقی ہیں۔ ان میں بھی اکثر پر قرضہ کا بار ہے۔

معافیداران امروہہ کی جائدادوں کی تباہی کا مرقع مولف ڈسٹرکٹ گزیٹر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ [۱]

"امروہہ کے معافیدار زیادہ تر سادات ہیں ان کی جائدادیں اکثر معافیداریاں ہیں لیکن من حیث الجماعت سادات مفلوک الحال ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی جائیدادیں متواتر تقسیم ہوتی چلی آتی ہیں۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب بہت زیادہ مقروض ہیں اور حالانکہ بہت سے سیدوں کے پاس رشتہ حیات قائم رکھنے کو بھی کافی آمدنی نہیں مگر یہ لوگ "رئیس" کہلانے کے بہت زیادہ دیوانے ہیں"

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیٹر ص ۹۷

رؤسائے سادات امروہہ کی تباہی کی داستان نہایت دردانگیز اور عبرت آموز ہے۔ مال و دولت کی بہتات نے پچھلی نسلوں میں سے اکثر کو اپنے نفس میں قابلیت پیدا کرنے سے باز رکھا، جائداد کا کاروبار زیادہ تر چالاک، حریص اور خود غرض کارندوں کے ہاتھ میں رہا۔ جن اشخاص نے جاہل اناؤں کی گودوں میں پرورش پائی ہو، جو آغاز جوانی تک ان کے گھونٹے سے لگے رہے ہوں، وہ جب ترکہ پدری کے مالک ہوئے تو جو تباہی آنی تھی وہ آئی اور جو نہ ہونا تھا وہ ہوا۔ کارندوں اور ملازمین نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ بعض رؤسا کے ادنیٰ ادنیٰ ملازم، حمال اور تولنے تک اپنے آقاؤں کی بدانتظامی اور بے وقوفی کی بدولت دولتمند بن گئے۔ ادنیٰ نوکروں اور خدمتگاروں کی اولاد آج رئیس، زمیندار و معافیدار ہے، اور آقاؤں کی اولاد نان شبینہ کو محتاج!

فاعتبروا یا اولی الابصار!!

امروہہ کے مسلمانوں کی جاگیروں اور جائدادوں کا کثیر حصہ ان کی غفلت، بدانتظامی فضول خرچی کی بدولت ساہوکاروں اور بنیوں کے قرضہ اور سود در سود کی بلا میں پھنس کر ضائع ہوا کسی دل جلے نے نصف صدی پیشتر کی حالت کا خاکہ ایک نظم میں کھینچا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے "قابض ہوئے جو ترکہ مورث پہ اک جناب" اس میں ایک نوجوان رئیس کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ عیاشی اور عیش پرستی کی فضول خرچیوں میں جب جائداد کی آمدنی کافی نہ ہوئی تو قرضہ کی فکر ہوئی۔ فن شعر کے اعتبار سے نہیں بلکہ عبرت کے لحاظ سے پڑھئے کہ کس طرح آنکھیں بند کرکے ساہوکاروں سے قرضہ لیا جاتا تھا؎

چاروں طرف سے قرض کی ہونے لگی جو مار — تب فکر یہ ہوئی کہ کہیں سے لو اب اُدھار
بنیئے بھی ان کی فکر میں رہتے تھے تین چار — پھر وہ اس طرح کے کہ تو دے کے لیں ہزار

بیٹھے گھات میں تھیلوں پہ وہ اپنے پڑے ہوئے
خوش ہو کے قرض دینے کو پھر اٹھ کھڑے ہوئے

بنیئے بھی وہ کہ جن کا نہ جاتا رہا درخت — کوڑی نہ چھوڑیں سود کی لینے کے ایسے سخت

صدہا بنے گھروں کو بگاڑا تھا ایک لحت　　قرضہ وہ ان سے لیتا تھا لٹے تھا جن کا بخت

ممکن نہیں تھا ان کا جو پا جائے کوئی پھیر
بچتا نہیں تھا قرضہ میں جبکو وہ لائے گھیر

بنیوں کی سمت جاتا تھا کوئی جوان کا یار　　بٹھلا کے اس کو پوچھتے تھے ان کا تار بہار
اس طرح سے لگاتے تھے سب انکی وہ تہار　　جب گھر کو وہ چلا تو دیا تیل کا اچار

کیتے تھے سیکھی (شیخ جی) کبھی تم پھر بھی آئیو
کچھ کرج (قرض) لیں میاں جی تو ہم سے دلائیو

کچھ خرچ کی طرف سے ہوئے جبکہ پھر ملول　　بنیہ گئے بلانے کو وہ شیخ جی جہول
لالہ بھی بیٹھے آن کے دھوتی کی جھاڑ دھول　　یہ بولے قرض دوگے؟ وہ بولے کہ ہے کبول (قبول)

من مانتا جو لوگے تمہیں کرج (قرض) دیں گے ہم
دکت (وقت) کی بات کچھ نہیں جب دوگے لیں گے ہم

گہہ آتے سیل چند، کبھی لالہ خانچند　　لے بیٹھتے اپنے مال سے پھر قرض یہ دوچند
القصہ ان کے مال کو پھر ہو گیا گزند　　اور قرض خواہوں میں ہوئے مشہور نادہند

بنیوں کی ڈگریاں ہوئیں ہر اینٹ اینٹ پر
سوسی کا پھر تو لگ گیا پیوند پیٹھ پر

سادات وشرفاء امروہہ

غرضیکہ امروہہ کے اکثر مسلمان جاگیرداروں کی املاک وجاگیر وجائیداد کا جزو کثیر زیادہ تر بد انتظامی غفلت مدہوشی وعیاشی کی بدولت قرضہ اور سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان کے پاس سے نکلتا اور رفتہ رفتہ دوسری قوم کے قبضہ میں جاتا رہا۔ گذشتہ ستر اسی برس میں انتقال جائداد کی رفتار نہایت تیز رہی اور اسی نسبت سے ان میں افلاس وناداری بڑھتی گئی۔ سادات وشرفا کے بعض چوٹی کے گھرانے ہمیشہ کے لئے تباہ وبرباد ہو گئے۔ یہ سچ ہے کہ دولت ہمیشہ کسی قوم میں نہیں رہتی

یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے، آج کہیں اور کل کہیں، لیکن رونا یہ ہے کہ مال و دولت کے ساتھ ساتھ وہ اوصاف بھی رخصت ہو گئے جو کسی قوم و ملت کی قومی زندگی میں بمنزلہ روح کے ہوتے ہیں ؎

عزت غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال	چھپتی ہے جس سے دولت وہ عزت ہم میں تھی
ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار	جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی

یہ اور اس قسم کے دیگر اوصاف حسنہ ایک ایک کرکے معدوم ہو گئے سیرتیں بدل گئیں، صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اب نہ چھوٹوں میں وہ آداب باقی ہیں نہ بزرگوں میں شفقت، عزیزوں میں الفت ہے نہ بھائیوں میں محبت، شریفوں میں غیرت نہ حمیت، اسلامی اخوۃ اور قومی مودۃ کا صرف نام باقی ہے، وہ مسلمان ایسے کم ملیں گے جن میں بے غرضانہ خلوص و محبت ہو اور قومی بھلائی کا ملکر کام کر سکیں، اگر میل ملاپ ہے بھی تو ۔ ع "غرض کی تواضع غرض کی مدارا" یا یہ حالت تھی کہ ہم میں ثقہ و نیک کردار تو درکنار بداطوار و اوباش تک محبت و یگانگت کے تعلقات کو نباہتے تھے۔ مولانا حالی نے اس کا صحیح خاکہ کھینچا ہے ؎

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم	جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم	شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم
دوست بن جاتے تھے جس کے اس سے کرتے تھے نباہ	عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
جن کے ہو جاتے تھے ساتھی ان کا ہم دیتے تھے ساتھ	رنج و راحت میں شریک انکے رہا کرتے تھے ہم
کرتے تھے عسرت میں انکے واسطے فکر معاش	ان کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ	اپنے روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب	یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد	ان کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست	ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم
آج وہ کام آگئے اپنے کل ہم ان کے کام آئے	بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

برعکس اس کے اب نسلی تعصبات اور مذہبی اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے۔ بدعتی اور وہابی کے لغو اور مہمل جھگڑے اس شدت سے شاید کہیں بھی نہ ہونگے جس شدت کے ساتھ کچھ عرصہ سے امروہہ میں شروع ہوئے ہیں۔ منبع فساد زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنہیں علم وعمل سے خود کوئی واسطہ اور تعلق نہیں، اگر کسی نے خیر سے دو ایک کتابیں اردو فارسی کی الٹی سیدھی پڑھ لی ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا، علم غیب وامکان کذب اور اسی طرح کے بیکار و بے نتیجہ مباحث پر کج بحثی کرتے اور سیدھے سادے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے جنت و دوزخ کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ کسی کو کافر و مردود کہہ کے دوزخ میں بھیجتے اور کسی کو جنت کا سارٹیفکٹ عطا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلوانوں کے اکھاڑے اور دنگل ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں یا جس طرح لکھنؤ میں انیسؔ اور دبیرؔ کے دو مخالف ٹولیاں شاعروں کی بن گئی تھیں جو ایک دوسرے کی تنقیص و تفضیح میں شاعری کا کمال دکھاتے تھے بعینہٖ اسی طرح یہاں بھی مذہبی دیوانوں کی ٹولیاں ہیں۔ باہر سے کرائے کے واعظ بلوائے جاتے ہیں انہیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے۔ اسلامی اخوۃ کا مردہ دوزخ میں جاتے یا بہشت میں، وہ تو تعصبات لایعنی کے خوفناک شعلے بھڑکا کے اور لطیف و مرغن غذائیں کھا کے واپس چلے جاتے ہیں لیکن امروہہ کے مذہبی دیوانے آپس کی تو تو میں میں برابر مصروف رہتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارے مولوی صاحب نے کیسی معرکۃ الآرا تقریر کی، دوسرا اکڑ کے جواب دیتا ہے کہ واہ ہمارے حضرت نے کیا نکتہ کی بات بیان کی لیکن ان احمقوں کو کیا معلوم کہ یہ لڑانے والے واعظ خود حقیقت سے ناآشنا ہیں ؟ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ ایسے ہی علماء کے متعلق ایک صاحب نے سچ کہا ہے ؎

چار عالم میں جگہ بیٹھیں کھڑے ہوں سو فساد — جب یہ صاحب جاگتے ہوں فتنہ سو سکتا نہیں

دل سے استفسار بہ پا یا یہ سنجیدہ جواب — ریلیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں

الغرض وہ سادات عظام کا گروہ ہو یا شرفائے کرام کا۔ ذرا ذرا فروعی معاملات پہ

داستان کِل کِل ہوتی رہتی ہے۔ ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ طبیعت میں شرافت کا جوہر اور نہ نفس میں قابلیت، آبائے کرام کے کارنامے اور پدرم سلطان بود کی داستانیں الاپتے پھرتے ہیں اور خود ہیچ ہیں۔ بعض شریف خاندانوں کے افراد کا مذاق طبیعت دیکھئے، انگریزوں کا بیرا[۱] بننے اور خانساماں گری کو معراج کمال سمجھتے ہیں، ان کا اترن پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔ میں کسی پیشہ کو بشرطیکہ اکل حلال ہو، ذلیل نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف زادے نے انگریزوں کی خانگی خدمت کا پیشہ کسی مجبوری سے کر لیا تو خیر کیا مضائقہ لیکن بدمذاقی دیکھئے اپنی اولاد کو بھی اسی دھرّے پہ ڈالتے ہیں، یہ لوگ کا انگریزوں کے بیرا اور خانساماں، جو کماتے ہیں اس کا جزوی حصہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم پر صرف کریں۔ انہیں کوئی صنعت سکھا دیں تو اپنی برادری اور سوسائٹی کا اچھا عنصر نہیں اور "نام نیک رفتگاں" کو بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اسلاف پرستی کا مرض لاحق ہو گیا ہے اور مثل زن بیوہ آبائے کرام کے نام پہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد سے منکر ہو کر کسی دوسرے مشہور خاندان سے سلسلہ نسب ملانے میں انہیں تامل نہیں، ان ہی میں وہ بھی ہیں کہ چند پیسوں پر جھوٹی گواہی دینے میں انہیں باک نہیں۔ یتیموں کا مال یہ کھاتے، وقف کی آمدنی یہ ہضم کر جاتے ہیں۔ غرضیکہ آدے کا آوا بگڑا ہوا ہے، مٹ گئے، تباہ و برباد ہو گئے، مگر مزاجوں میں اب تک نسبی تعصبات، نسبی فخر مباہات کی رعونت باقی ہے۔ سیادت و شیخت، شرافت اور بزرگی کے دعویدار ہیں اور اپنے سامنے دوسروں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے، سادات امروہہ میں بالخصوص کبر و نخوت کے عجیب و غریب نمونے ملتے ہیں ؎

ہو گئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاک سیاہ
لیک نکلے ہوں کسی کے بل چلے پر کیا مجال

نازش بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
راگنی بے وقت کی، بے تک نہ اسمیں سُر نہ تال

اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

---

[۱] Bearer

اُٹھ گیا امروہہ سے اب اتفاق و اتحاد ۔۔۔ اور اسی نااتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال
اب یہ حالت ہے کہ گویا ایک کا دشمن ہے ایک ۔۔۔ بس چلے اور دسترس پائے تو کرڈالے حلال
ایسے سفاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہے ۔۔۔ شیر مادر ہے جو پا جائیں کسی کا مفت کا مال
جنگ ہوتی دیکھ، مذہب آن کود ایچ میں ۔۔۔ تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال
یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں ۔۔۔ مکر و تلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال
کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض ۔۔۔ کیا ہوا ہم میں اگر خوشحال ہوں بھی خال خال
بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ ۔۔۔ جن کو جو کچھ وقت پر ملجائے کھالینا حلال
دن کو کھالیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ ۔۔۔ رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال
یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں ۔۔۔ بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال
اس قدر دُبلے کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں ۔۔۔ حلقے آنکھوں میں پڑے، پچکے ہوئے اندر کو گال
ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر ۔۔۔ پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال
ہو چکے دورے وہ عبد اللہ و احمد بخش کے ۔۔۔ اب ہیں ماتا دین، تلسی داس و بابو شام لال

میں اس سے منکر نہیں کہ امروہہ کے سادات و شرفا میں ایسے گھرانے بھی ہیں جن میں علم و فضل بھی ہے اور دولت و تمول بھی، ذی علم، نیک کردار، غیور و با حمیت، سنجیدہ و با اخلاق افراد بھی موجود ہیں لیکن خال خال، مستثنیات سے بحث نہیں، سوال عمومیت کا ہے، اقلیت کا تذکرہ نہیں، اکثریت کا ذکر ہے، اور اس لحاظ سے حالت اندوہناک ہے۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ گذشتہ زمانے کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے، کوئی وقت اور کوئی زمانہ عیب سے خالی نہیں ہوتا، فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانہ کے نیک کردار آج کے نیک کرداروں سے، اس زمانہ کے بدکردار آج کے بدکرداروں سے اچھے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس زمانہ کے دشمن آج کے دوستوں سے بہتر تھے، قول کے پابند اور بات کے پکے تھے ؂

جیسے رہزن اور لٹیرے بھتے ہمارے راستباز رہنماؤں میں نہیں پاتے ہم آج ان کی نظیر
سادات و شرفائے امروہہ کے اسلاف کرام کے عام حالات زندگی اور ان کے علمی
وعملی کارناموں کے مقابلہ میں ان کے موجودہ اخلاق کی پستی اور بدحالی پر جب نظر کی جاتی ہے
تو ایک حساس دل غم واندوہ سے بھر جاتا ہے۔ ان ہی سادات، ان ہی شیوخ اور ان ہی شرفائے
امروہہ کے بزرگوں کے گذشتہ علم وفضل، ان کے گذشتہ فضل وکمال، ان کے گذشتہ جاہ و
جلال، ان کی گذشتہ عظمت وابہت، ان کی گذشتہ شجاعت وشہامت، ان کی گذشتہ شوکت
وصولت، ان کی گذشتہ مکنت ورفعت، غرضیکہ ان کے گذشتہ عادت واطوار، اخلاق و
شمائل، صفات وخصائل، کے دھندلے نشان بھی اب ڈھونڈھے نہیں ملتے۔ لیکن ان کے
حالات زندگی آج بھی چشم تصور کے سامنے ان کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کر دیتے ہیں جن کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ حد سے بڑھا ہوا تعصب تھا، نہ مقدار سے زیادہ تشخص،
نہ افراط تھی نہ تفریط، نہ بے سبب نفرت تھی نہ بے وجہ عداوت، نہ نسلی تعصبات تھے نہ اس طرح
کے مذہبی اختلافات، نہ خود پسندی تھی نہ خود بینی، کہیں بڑھی ہوئی حاجتمندی تھی نہ کہیں گھٹی ہوئی
حوصلہ مندی، نہ جھوٹا فخر تھا نہ بیجا تعلّی، نہ نسب پر ناز تھا نہ کمال پر مباہات، نہ اعتدال سے
زائد فروتنی تھی نہ اندازے سے افزوں سرکشی، وہ مسلمانوں کا یا یوں کہئے کہ انسانوں کا اچھا
نمونہ تھے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ کیا ہوا
رفتہ رفتہ ان کے تہذیب وتمدن اور اس اسلامی ماحول کا بھی خاتمہ ہو گیا جو "مشرقی تہذیب"
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امروہہ کے مسلمانوں بالخصوص سادات وشرفا کے خاندانوں پر جن کے
اسلاف اپنے علمی وعملی کارناموں اور گوناگوں اوصاف کی بدولت شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ آج
تنزل وادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے انہیں اگر اپنی اس حالت زار کا صحیح احساس ہو تو
اب بھی آیندہ نسلوں کی حالت بہتر بنانے کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر
میں نے یہ داستان غم چھیڑی ہے اور قصداً ان کی برائیوں کا دکھڑا بیان کیا ہے یہ ضرور ہے

کہ "عین الرضا" خوشنودی کی آنکھ ہر فردِ بشر کو پسندیدہ ہے اور "عین السخط" کی نگاہوں سے سب گھبراتے ہیں۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ۔ ولکن عین السخط تبدی المساویا
خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے ۔ وہ تو غصہ ہی کی آنکھ ہے جس کو برائی نظر آتی ہے

کاش میرا یہ نالۂ غم انگیز عزیزوں کو چونکانے کا باعث ہو، میں نہایت دلسوزی سے عرض کرتا ہوں کہ۔ اے سادات و شرفائے امروہہ! کیا تمہارے بزرگوں کی روحیں تمہاری اس حالتِ زار پر بے چین و بے قرار نہیں ہونگی؟ جس تہذیب و تمدن پر، جن باکمال بزرگوں پر، جن واجب الاحترام اسلاف پر تمہیں ناز ہے، جن کے تم نام لیوا ہو، خدارا اٹھو اور ان کے نقوشِ قدم پر، جو انقلابِ زمانہ سے مٹتے جاتے ہیں، چلکر اپنی گرتی حالت کو سنبھالو!

تا چند رہو گے مست و سرشار؟ ۔ اٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟ ۔ کس خواب میں ہو، خیال کیا ہے؟
غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے ۔ واب تو اٹھو! سحر ہوئی ہے
کچھ تم کو خبر ہے، یا نہیں ہے؟ ۔ کچھ دل پہ اثر ہے، یا نہیں ہے؟
اغیار کے طنز کو بھی سن کر ۔ لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار ۔ کیوں قیدِ بلا میں ہو گرفتار؟
ہو گردِ رہِ صفِ پسیں کیوں؟ ۔ اس بزم میں خوار ہو تمہیں کیوں؟
کیوں تیرِ ستم کے ہو نشانہ؟ ۔ بگڑا ہے تمہیں سے کیوں زمانہ؟
کس نے تمہیں اوج سے اتارا؟ ۔ اقبال نے کیوں کیا کنارا؟
کیوں بار ہو تم دلِ زمیں پر؟ ۔ کیوں برقِ بلا گری تمہیں پر؟
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنسکر؟ ۔ کیا ہے کہ اجڑ گئے ہو بسکر؟
شکوے ہیں جو بے زری کے تم کو ۔ لالے ہیں جو نوکری کے تم کو

عزت کو جو کر چکے ہو غارت   برباد جو ہو چکی تجارت
ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو   صنعت میں جو تم شکستہ پا ہو
مدخل جو نہیں کمال میں کچھ   وسعت جو نہیں خیال میں کچھ
روتا ہے تمہیں اب آج جن کا   خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو   ہونا جو نہ تھا وہ ہو چکے ہو
دنیا کے نہ کام کے، نہ دیں کے   افسوس! رہے نہ تم کہیں کے
نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی   افلاس کی ہر طرف دہائی
اب عیش نصیب ہے، نہ آرام   گھر گھر میں مچا ہوا ہے کہرام
برباد پڑے ہیں کارخانے   نکبت نے مٹا دئے گھرانے
رونق کا اثر، نہ عیش کی بو   اک خاک سی اڑ رہی ہے ہر سو
امید کے دن کی ہو چکی شام   خورشید اب آگیا لب بام
اب وقت اخیر ہے خبر لو   جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو
دعوے ہیں تو کچھ ہنر دکھاؤ   ہمت کے قدم ذرا بڑھاؤ
اندازِ عرب اگر ہے خو میں   باقی ہے وہ جوش اگر لہو میں
کر دو جو گذشتہ کی تلافی   ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھی
گو دورِ فلک ہوا دگرگوں   پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خوں
اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی   اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی
اِس حال میں بھی روش وہی ہے   دن ڈھل بھی گیا طپش وہی ہے
اس جام میں ہے شراب باقی   اب تک ہے گہر میں آب باقی

گو خوار ہیں، طرز و خو وہی ہے
مرجھا گئے پھول، بو وہی ہے

اسلامی اوقاف

اسلامی شریعت میں وقف جس خیر و برکت کا اصول ہے وہ محتاج تشریح نہیں
انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد سے اسلامی اوقاف کی نگرانی کا عرصہ دراز تک منجانب حکومت
کوئی انتظام نہ ہوسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے طول وعرض میں ہزاروں اوقاف متولیوں
کی بدانتظامی یا بدنیتی کی بدولت نیست ونابود ہوگئے۔ امروہہ کے متعدد اوقاف کا بھی یہی حال
ہوا۔ ان کی تباہی کا تذکرہ اوہناک ہے۔ دیرینہ کاغذات سے جن اوقاف کا پتہ چلتا ہے۔ ان
میں سے بعض کا آج وجود بھی باقی نہیں۔ مشائخ کی درگاہوں، خانقاہوں، مساجد و مدارس کے
متعدد اوقاف میں سے، جو اسلامی عہد میں قائم ہوئے، آج صرف دو تین وقف باقی ہیں۔ انکی انتظامی
حالت بھی درست نہیں لیکن بہت سے متوسط درجہ کے اوقاف متولیوں یا ان کے جانشینوں کے
تغلب وتصرف کا شکار ہوگئے۔ جو اوقاف دستبرد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان کی تنظیم کا کام
کسی صحیح اصول کے ماتحت کیا جائے تو واقفین کے منشار کے مطابق مسلمانوں کے بہت سے قومی
کاموں کی فلاح وبہتری کا ذریعہ پیدا ہوسکتا ہے۔ امروہہ میں سنی وشیعہ اوقاف کی مجموعی تعداد
۶۲ ہے جن کی سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے، تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ
ہے۔ ذیل میں سنی وشیعہ اوقاف کی فہرستیں درج کی جاتی ہیں۔ مجھے اس کا دعویٰ نہیں
کہ یہ فہرستیں مکمل ہیں، بہت ممکن ہے کہ بعض اوقاف کا اندراج عدم معلومات کی بنا پر نہ ہوسکا
ہو، ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اپنی معلومات سے خاکسار مولف کو مستفید فرمائیں۔

سنیوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۴۶ ہے۔ اور
سالانہ آمدنی، جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے تقریباً
للعہ ۴۷۰۰۰ ہے۔ ان میں چھ اوقاف ایسے شامل ہیں جن کا ثبوت تو مستند دیرینہ کاغذات

میں ملتا ہے لیکن ان کا وجود اب باقی نہیں۔ ان میں سے بعض پر کچھ اشخاص مالکانہ حیثیت سے قابض ہو گئے۔ ابتدائی بند و بستوں کے کاغذات میں ان کا اندراج وقف کی حیثیت سے کیا گیا تھا لیکن بعد میں جن لوگوں کے نام کسی غلطی کی بنا پر مالکانہ حیثیت سے درج ہو گئے انہوں نے یا ان کے ورثا نے یا تو انہیں خورد برد کر کے ختم کر دیا یا اب تک یہ لوگ مالکانہ حیثیت سے قابض ہیں۔ یہ کام وقف کمیٹی کا ہے کہ وہ ان اوقاف کو ناجائز قبضہ سے نکالے تاکہ واقف کے منشاء اور اغراض وقف کے مطابق ان کی آمدنی صرف ہو۔

اس سلسلہ میں وقف کمیٹی کو ما فشکہ[۲۵] اراضی متعلقہ روضہ حضرت شاہ آتنؒ، ما فشکہ اراضی درگاہ حضرت شاہ عبد المجید علویؒ، بیشکہ[۲۶] اراضی متعلقہ عرس حضرت شاہ ولایتؒ اسی طرح بعض مساجد کی متعلقہ اراضیات مثلاً ضنکا اراضی مسجد عباسیاں کی جانب خاص طور سے متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس موقع پر ایک اور وقف کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبد الہادی صدیقی قدس سرہ کے فرزند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو نے یکم ربیع الاول ۱۱۹۳ھ کو بعض اراضیات جن کی مجموعی تعداد دیرینہ کاغذات سے ماقۃ بیگہ خام معلوم ہوتی ہے اپنے پدر بزرگوار حضرت شاہ عبد الہادیؒ کے "مصارف عرس و آذوقہ آیندہ و روندہ مجمع فقرا" کے لئے، نیز ایک دوسری دستاویز مرقومہ ۱۹ محرم الحرام ۱۱۹۱ھ کے ذریعہ ایک قطعہ باغ برائے "مصارف مخدوم معبرہ و مصارف صادر و وارد زائرین" وقف کی تھی۔ وقف نامہ کی نقل ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

نقل وقف نامہ شیخ ظہور اللہ صدیقی

غرض این نوشتہ آنکہ اقرار می نماید و اعتراف میکند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو سکنہ قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبھل بریں وجہ کہ منمقر زمین مزروعہ معلومۃ الحدود و مملوکہ خود بیروں احاطہ خندق پیرامون روضہ مقدس والد خود[۱]

[۱] یعنی روضہ حضرت شاہ عبد الہادیؒ

که بجیّز رابطهٔ فرزندی واسطهٔ رسوخ عبودیت و غلامی دارد محض بنا بر مصارف اخراجات روشنی وغیره لوازم عرس وآنو وقه آینده روند مجمع فقرا که هر سال بطور عرس فراہم می آیند خیر بده درحین حیات خود مقرر داشته است من بعد منمقر اینائے منمقر چه از اناث و چه از ذکور که هر یکے مسمی شیخ عبد الباری و شیخ دوست محمد و محمد عظیم و نجیب اللہ و حفیظ اللہ و حمد اللہ اند محصول زرعی سوائے اثمار و فواکه اشجار زمین مذکور را مخصوص برائے ہمیں وجوه دانسته دست تصرف خود ہا را بر ماحصل آراضی مذکوره دراز نسازند و بجز ایں وجوه مذکوره ماسبق که از روئے کلّی منمقر آن است بوجہے از مایحتاج خود ہا نگذارند و اگر مصارف بر مداخل فوق باشد از نزد خود ہا ہر یکے در افزایند و اگر نتوانند بر آں اکتفا نمایند و در بیع و قسمت آراضی مذکوره باہم قصد نکنند الا بمحافظت و اہتمام و ہر کسے از اشخاص اسمار مذکوره بالا یا وارثان اینہا نظر بر ثواب متابعت حکم والد خود نمایند بموجب کلام الٰہی "وَقَضٰی رَبُّکَ اَن لَّا تَعبُدُوا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالوَالِدَینِ اِحسَانًا" که در دنیا موجب دولت است و در عقبیٰ سبب نجات و سعادت مثوّب و برخلاف آں بعذاب دنیا که فلاکت است و عقاب عقبیٰ که نارضامندی خالق است معذّب گردد و نعوذ باللہ منہا و من سوء انفاس الطامع بنا براں ایں چند کلمه بر سبیل ہدایت ایشاں براہ رشاد بقلم آید او سبحانه توفیق متابعت و تخویف معاقبت بخشاد بفضله و کرمه بتاریخ غره ربیع الاول سنه ۱۱۹۲ھ مرقوم گردد۔

العبد شیخ ظهور اللہ مذکور — العبد شیخ عبد الباری مذکور — العبد شیخ محمد عظیم مذکور — العبد شیخ نجیب اللہ مذکور

العبد شیخ دوست محمد مذکور — العبد شیخ حفیظ اللہ مذکور — علامت دستخط شیخ حمد اللہ مذکور العبد[1]

---

[1] ان کے علاوہ اس دستاویز پر اور بھی متعدد اشخاص کے دستخط بطور شاہد ثبت ہیں۔

وقف نامہ کی عبارت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ واقف نے اپنے اخلاف کو کن الفاظ میں تاکید کی تھی کہ اراضیات موقوفہ پر "دست تصرف دراز" نہ کریں، اسی غرض سے انہوں نے اپنے سب بیٹوں کے دستخط بھی وقف نامہ پر ثبت کرائے تھے۔ وقف نامہ کی عبارت کے آخری فقرے واقف کی دلی کیفیت کا اظہار صاف طور سے کر رہے ہیں کہ "من سوء انفاس الطامع" سے محفوظ رکھنے کا انہیں کس درجہ خیال تھا لیکن افسوس کہ سوائے درگاہ کی زمین کے دیگر اراضیات زرعی کی جو موقوفہ تھیں، یہ حیثیت اب باقی نہیں۔ غالباً [illegible]ء سے ان پر بعض اہل خاندان مالکانہ تصرف رکھتے ہیں ان حضرات کو اس وقف کا اگر علم نہیں اور کسی غلطی کی بنا پر ان کے ناموں کا اندراج مالکانہ حیثیت سے سرکاری کاغذات میں ہو گیا ہے تو کیا وہ اس علم کے بعد اپنے واجب الاحترام مورث کے منشار وقف کو پورا کرنے کا اہتمام کریں گے ؟

اس کے علاوہ ایک اور وقف، جو امروہہ کا سب سے بڑا وقف ہے، سید نبیاد علیخاں دگھڑیال والوں کے خاندان کا ہے، اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سید علی اعظم خاں گھڑیال والے کے دو فرزند تھے، ایک سید نبیاد علی خاں اور دوسرے سید امان علی خاں، ان دونوں بھائیوں کی املاک اور جاگیریں تقریباً مساوی تھیں۔ سید نبیاد علی خاں کے کوئی اولاد نہ تھی، سید امان علیخاں کے دو فرزند سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں ہوئے۔ اول الذکر سے بھی نسل نہیں چلی۔ سید علی مظفر خاں کی نسل میں موجودہ خاندان ہے۔ سید نبیاد علی خاں مذکور، اصل واقف طبعاً صوفی منش، علم دوست اور علوم دینیات سے خود بھی بہرہ وافر رکھتے تھے، بعض مسائل شرعیہ کے متعلق علمائے اہل سنت والجماعت کے فتاوی پر، جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، ان کی مہریں ثبت ہیں۔ ۱۲۱۱ھ میں انہوں نے اپنی کل جائداد صحرائی وسکنائی کو ان اغراض کیلئے وقف کیا جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے اور اپنے برادر زادگان سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں کو نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن متولی اور منتظم بنایا۔ ذیل میں تولیت نامہ کی نقل، جس سے وقف کی نوعیت اور اغراض کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے، درج کرتا ہوں :—

نقل وقف نامہ سید محمد بنیاد علیخاں گھڑیال والے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد وحسبی اللہ نعم الوکیل
نعم المولیٰ و نعم النصیر وانک ولی فی الدنیا والاخرۃ الیٰ انت حی القیوم ابداً وموبداً

اقرار معتبر شرعی صحیح کردہ مخبر باسم ونسب خود سید محمد بنیاد علی خاں بن سید
محمد علی اعظم خاں بن سید محمد علی مرتضیٰ خاں از وارثان نواب[1] سید عبد الہادی خان
بہادر مرحوم ومغفور ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد
فی حال نقیح اقرارہ شرعاً بدیں وجہ کہ چوں سنمقر ہمگیں و تمامی دیہات معافی وزمینداری و
اراضیات واملاک واقع پرگنہ امروہہ وسہنس پور، سیوہارہ وغیرہ متعلقہ ضلع مراد آباد
وبجنور و حویلیات واراضیات سکنائی وحصص سرایات وبازار واقع آبادی قصبہ امروہہ
مذکور وقطعات اراضیات مزروعہ وباغات سردرختی واقع سواد قصبہ مذکور وزمینداری
قصبہ خاص ودیہات خالصہ معلوم الحدود مفصلہ ذیل وجملہ اثاث البیت از قسم ظروف و
فروش واسلحہ وکتب وغیرہ مندرجہ فرد علیحدہ مملوکات ومقبوضات خود را وقف فی
سبیل اللہ وثواب آں بنام جملہ دوستاں خدائے تعالیٰ نمودہ بطور
تولیت و منتظمی برآں قبض ودخل خود وازواج وحرمہا واولاد خود کرپیدا
شود داشتہ۔ حاصلات آنرا در مصارف دین دنیوی یعنی ریاست بلوازمات حاضر می
آرم فی الحال من مقر در حالت صحت ذات وثبات عقل وہوش وحواس خود طائعاً وراغباً
بلااکراہ واجبار سید محمد علی احسن خاں وسید علی مظفر خاں برادرزادگان
خود را کہ بہر کیف استحقاق دارند متولی و منتظم آں نسلاً بعد نسل وبطناً بعد بطن دائماً

---

[1] خاندان والے ان کے نام کے ساتھ "نواب" لکھتے ہیں لیکن دیرینہ کاغذات سے اس خطاب کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

ابداً غیر منقطع ولا منفصل علی سبیل الاستمرار والاستقلال گردانیدم واگرچه بالفعل تولیت
وانتظام کل اشیاء موقوفه بدست خود وازواج خود مقرر داشته بودم لیکن حسب صلاح
وتفویض من مقر وازواج من مقر متولیان مذکوران جمله کار وانتظام ریاست واخراجات
اشیاء موقوفه وسبیل ایصال زر باقیات محال وغیره بطریق نیابت وقائم مقامی
بلا دعوی حق که از طرف من مقر وازواج وحرمهائے من مقر باشد بموجب اقرارنامه
مرقومه ومقبوله خودها محرره بست ودویم شهر ذیقعده سنه ۱۲۶۱ھ مدام می نموده باشند
وباید که خرچ ذات من مقر مع ازواج وحرمها که حال موجود اند وآینده را خواهند
بود از آمدنی سیوات موضع گسانی ویا مختار پور نوازه می نموده باشند
واز مابقی جائداد خرچ سادات وعلماء وفقراء وحکماء واقرباء واعزا
باعزاز واکرام وصرف مساکین ومحتاجین ومسافرین ومتعلقین ملازمین
ومتوسلین قدیم وجدید وشرفاء مهاجرین وانصار وغیره ومصارف ریاست
ودربارداری وتیاری اسباب بلوازمات دارین واخراجات آینده وروند
واخراجات عدالتها از اضلاع تا بصدور نسبت اشیاء موقوفه وخرچ دربار
سلاطین وامرا وخرچ لنگر فی سبیل الله ودیگر اخراجات ضروری بقدر آمدنی
محال موقوفه می نموده باشند وحساب وکتاب هر مقدمه متعلقه اشیاء موقوفه
مذکوره بمکان من مقر نمایند وزر رهن بعض اشیاء موقوفه از جائداد مرهونه ادا
نموده جائداد مرهونه را نیز انفکاک نمایند وزر قرضه وغیره ذمه هر کسے که گرفتنی اینجانب از
روئے واجبیت وحقیت ثابت ومحقق شود سهل ترین نمط وصول سازند وبهر کسے را
که جائداد نوکری معین است وتا حیات خواهم کرد آنرا بحال داشته راضی دارند ورنه
صاحب جائداد بشرط خیرخواهی وحاضر باشی از آمدنی جائداد مذکوره تا حیات خود به
تصرف خود خواهد آورد وحق نیابت خودها بموجب آمدنی اشیاء موقوفه بعد

خرچ مناسب بلوازمات وارین در ہر فصل و سال بشرط ادائے
اقرار ہائے مرقومہ خود ہا باجازت من مقر می گرفتہ باشند و در ہر فصل
و سال رسید و راضی نامہ دادہ باشند و جملہ کار اشیاء موقوفہ از
ملازمین من مقر کہ از سادات و شرفاء اہل سنت و جماعت و دوستان اہل بیت و دوستان
این خاندان اند بہر وجہ و بہمہ جا گرفتہ باشند و مفسدان و بدکاران دخل ندہند و اعمال
حسنہ بظاہر و باطن و اسلام و اعتقاد درست و اطاعت و بندگی خدائے تعالی بموجب
آیہ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم بہر وجہ و بہمہ جا علی الدوام
می کردہ باشند و من مقر و ازواج من مقر و حرمہا را راضی دارند و آیندہ را بجمیع الوجوہ
بر تمامی اشیاء موقوفہ مذکورہ قائم مقامی بجائے من مقر قابض و دخیل بودہ مدام حاصلات
آنرا بالاستقلال بمصارف مذکورہ می آوردہ باشند ثانی الحال اگر احدے ہیچگونہ
دعوے و استحقاقے حیلۃً خواہ صریحۃً بنسبت کل اشیاء موقوفہ مذکورہ از متولیان مذکوران
و من یقوم مقامہا نزاعے و خصومتے و مواخذہ و مطالبہ بمیان آرد علی الدوام عند اللہ
و عند الناس و عند شرع شریف و عدالت عالیہ و پنچایت کاذب و دروغی باشد غرضکہ
متولیان مذکوران قائم مقام من مقر و ازواج من مقر قابض و منتظم اشیاء موقوفہ مذکورہ
مدام ہر امور خواہند ماند و دیگر کدام کس را بوجہ من الوجوہ و سببے من الاسباب واسطہ
و سروکارے نیست و نخواہد بود۔ فقط

بنابراں این چند کلمہ بطریق تولیت نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند شود و
عند الحاجت بکار آید۔

دیہات معافی پرگنہ امروہہ وغیرہ

۱	۲	۳
الہ داد پور کلاں	شاہ محمد پور نواد مع زمینداری	علی نگر عرف مجھولہ پرگنہ امروہہ حال متعلق پرگنہ ہردو پور تحصیل چاند پور
۲۰ بسوہ ۱۶ بسوانسی	۵ بسوہ	۱۰ بسوہ

۴ حسین پور موز زمینداری — ۲۰ بسوہ

۵ باری پور معہ ملک معافی زمینداری — ۵ بسوہ ۱۰ بسوانسی، ۲۰ بسوہ

۶ ثمار پور معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۷ نوادہ معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۸ مجھولہ معہ پٹی علی نگر — ۹ بسوہ

۹ سرسہ گوجر معہ حق زمینداری — ۱۰ بسوہ ۱۲ بسوانسی

۱۰ سرسہ منہیار معہ زمینداری — ۲۰ بسوہ

۱۱ مجھولہ — ۵ بسوہ

۱۲ پٹی علی نگر منکورہ بالا — ۱۰ بسوہ

۱۳ گسانی معافی — ۱۰ بسوہ

۱۴ رائے پور کلاں معافی معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ ۴ بسوانسی

۱۵ بنھیڑہ — ۳ بسوہ

۱۶ نگلی اسد اللہ معافی زمینداری — ۱ بسوہ ۵ بسوہ

۱۷ پٹی علیحدہ موضع اتراسی موسومہ امان نگر معافی و زمینداری — ۵ بسوہ

۱۸ اکسی معافی معہ سورت — ۱۶ بسوہ

۱۹ نکتا لہ — ۴ بسوہ ۱۲ بسوانسی

۲۰ شاہ شہ مع حق زمینداری — ۱۶ بسوہ

۲۱ بادشاہ پور معافی — ۱۹ بسوہ ۱۲ بسوانسی

۲۲ سعد اللہ پور معہ حصہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۲۳ راجے پور معہ حصہ زمینداری — ۶ بسوہ ۶ بسوانسی

۲۴ صالح پور عرف مولا پرگنہ سیوہارہ دہ معافی — ۱۰ بسوہ

دیہات و املاک

زمینداری موضع گندہ پال — حصہ

زمینداری موضع کورالہ معہ ملک

زمینداری موضع عالم پور — حصہ

زمینداری جلال آباد — حصہ

زمینداری موضع زمان پور — حصہ

زمینداری قصبہ امروہہ خاص — ۵ بسوہ

زمینداری موضع زاہد پور — حصہ

زمینداری موضع خان پور — حصہ

زمینداری موضع جگی پور — حصہ

زمینداری موضع رسول پور — حصہ

ملک قاضی سرائے — حصہ

حویلیات و مکانات واقع آبادی قصبہ امروہہ خاص

دیوانخانہ و محلسرائے مسکونہ من مقر موسومہ — نصف

حویلی قدیم واقعہ محلہ گذری معہ دیوانخانہ — نصف

حصہ حویلی متروکہ سید منیر علی مرحوم خریدہ شدہ منمقر واقع محلہ گندری — اراضی مکان پیش دروازہ دیوانخانہ میر کلو نصف

سرائے و گنج بازار زر خرید از وارثان سید غلام علی — حصہ بازار گندری نصف — اراضی واقع محلہ نوبت خانہ قدیم زر خرید از سید حسین علی

حصہ اراضی دربار سید عبدالباقی زر خرید سید بہادر علی دربار والا — متصل حویلی سید بہادر علی خرید از وارثان سید عبدالباقی

حصہ کارواں سرائے — اراضی کشتہ سید غلام علی والا زر خرید — اراضی راجو سرائے — اراضی متصل حویلی سید مردعلی متولی

اراضی سرائے باسدیو معہ چاہ پختہ — اراضی کوٹھہ (کوٹ) — اراضی پشت محلسرائے فیل خانہ سکونت گاذران

حصہ بازار و سرائے و دکاکین از متروکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ — اراضی واقع محلہ چکلی از ترکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ

باغات قصبہ مذکور حصہ نصف منمقر

ستی والا — لال باغ — رانی والہ — باغ دونڈہ — مختار والہ — وارث والہ — فیض باغ — بانس والہ

باغ تودہ شاملات

اراضیات واقع سواد قصبہ

اعظم سرائے — قطعات حاتم والہ — حافظ جی والہ — سرائے شاہ محمدی معہ دیوار پختہ احاطہ — باغ نکندوالہ مع اراضی بیرون احاطہ مذکور

حصہ نولکھا — نصف پلکھن والہ

تحریر بتاریخ ۲۲ر شہر ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ

مندرجہ بالا فہرست جائداد موقوفہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر یہ سب جائداد صحیح سالم رہتی، کوئی حصہ اس کا ضائع نہ ہوتا اور خوش انتظامی کے ساتھ متولی اس کا اہتمام کرتے تو موجودہ زمانہ میں اس کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے کم نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ موقوفہ اشیاء میں سے " اثاث البیت از قسم ظروف و فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ" تو تقریباً کل اور جائداد صحرائی و سکنائی میں سے بھی معقول حصہ متولیوں کی غفلت اور بدانتظامی کی بدولت ضائع ہوگیا تاہم اب بھی تقریباً تیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی اس وقف کی ہے۔

۱۸۶۸ء تک اس وقف کے متولی و منتظم اس وقف کو مصارف خیر کے لئے سمجھتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل فقرہ سے ظاہر ہے جو سید محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم کے جواب دعویٰ

بمقدمہ مسماۃ عجائب النسا مدعیہ میں تحریر ہے :—

"یہ کہ محمد ضیاء علی خاں نے بحیات اپنی جملہ جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کرکے مدعا علیہم کو بہ نظر جاری رکھنے مصارف خیر کے متولی قرار دیا۔ اور بست و دویم ذیقعدہ سنہ ۱۲۲۶ھ کو وثیقہ تولیت نامہ بہ اجہیر مردم برادری و روسار شہر کے لکھ دیا ہے کہ مدعا علیہم بذریعہ تولیت نامہ کے قابض ہیں نہ بوجہ وراثت کے[1]

اب کچھ مدت سے اس کو وقف علی الاولاد کہا جاتا ہے لیکن مندرجہ بالا تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید ہرگز نہیں ہوتی ——————

سید ضیاء علی خاں اصل واقف کے حالات زندگی، رجحان طبیعت، علمی ذوق، نیز اس زمانہ میں جب یہ وقف کیا گیا تھا، واقف کے برادر زادگان کی مالی حالت کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جنہیں متولی اور منتظم بنایا گیا تھا اور جو تقریباً اسی قدر جائداد کے مالک و قابض تھے جو وقف کی گئی تھی تو سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نکالنا قرین انصاف نہیں کہ واقف کا اپنی جملہ جائداد کے وقف کرنے سے یہ مقصد و منشار ہرگز نہ تھا اور نہ ان حالات میں ہو سکتا تھا کہ آئندہ زمانہ میں متولیوں کے ورثا اپنے کو اس وقف پر مالکانہ حیثیت سے قابض و متصرف سمجھنے لگیں اور وقف کی آمدنی کلیتاً یا اس کا جزو کثیر اِن کے ذاتی اخراجات اور معاش میں صرف ہو اور جو مصارف خیر یعنی "خرچ سادات و علما و فقرار و حکما و اقربا باعزاز و اکرام" یا "صرف مساکین و محتاجین و مسافرین" یا "تیاری اسباب بلوازمات دارین" یا "خرچ لنگر فی سبیل اللہ" وغیرہ تصریحاً تولیت نامہ میں مندرج ہیں اُن پر مطلق خرچ نہ ہو اور اگر ہو بھی تو برائے نام !

خاکسار مولف کو موجودہ افراد خاندان میں سے اکثر کی خدمت میں نیازمندی کا تعلق حاصل ہے، ان حضرات نے دوران گفتگو میں بار بار ہائیکورٹ کی تجویز کا حوالہ دیا ہے۔ مجھے

---

[1] فیصلہ صدر دیوانی عدالت آگرہ نمبر ۴۹ سنہ ۱۸۵۰ء بمقدمہ محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم اپیلانٹان بنام مسماۃ عجائب النسا مدعیہ رسپانڈنٹ منفصلہ ۲۱ر جولائی سنہ ۱۸۵۱ء +

اس معاملہ میں دنیاوی حکومت کے قانون یا کسی عدالت کے فیصلہ کی صحت و عدم صحت پر رائے زنی کرنا ہرگز مقصود نہیں، تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں اس وقف کے حالات بھی معلوم کرنے کا موقع ملا، تولیت نامہ کی نقل بھی بدقت تمام حاصل کی گئی، دیگر تحریرات بھی نظر سے گذریں جن کے مطالعہ، نیز واقف کی خصوصیات اور عام خاندانی حالات کو پیش نظر رکھکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ وقف بھی عام اوقاف کی طرح وقف فی سبیل اللہ اور مصارف خیر سے متعلق ہے، اس کو وقف علی الاولاد سے تعبیر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تولیت نامہ کی رو سے سید علی مظفر خاں کے اخلاف اس کے نسلاً بعد نسل متولی و منتظم ضرور ہیں۔ متولیوں کو ان تمام مدات میں، جن کی تصریح تولیت نامہ مذکورہ میں کی گئی ہے۔ نیز ان شرائط اور پابندیوں کے ساتھ وقف کی آمدنی کو خرچ کرنا لازم ہے جو اقرار نامہ "منقولہ و مقبولہ" سید علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں میں درج ہیں جس کا تذکرہ تولیت نامہ میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ افسوس کہ اس اقرار نامہ کی نقل، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں تلف ہو گیا۔ خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس اقرار نامہ کی اصل یا نقل اگر دستیاب ہو جائے تو اب بھی وقف کی نوعیت اور اصل حالت پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ واقف نے متولیوں کو کن شرائط کا پابند کیا تھا، ان کے "حق نیابت" کے لئے کیا رقم مقرر تھی، نیز دیگر مدات میں وقف کی آمدنی کا کتنا حصہ متعین کیا گیا تھا۔ بعض اشخاص تولیت نامہ مذکورہ کے آخری فقرے کا یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ متولی و منتظم پر وقف کے باضابطہ حساب رکھنے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح مجاز و مختار ہیں کہ وقف کی آمدنی جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ لیکن خود تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ فقرہ حقیقتاً ان اشخاص کے دعوے سے متعلق ہے جو اشیاء موقوفہ پر بطور حق وراثت کسی وقت میں کوئی مطالبہ پیش کریں یا متولی و منتظم سے حساب فہمی چاہیں یا اس بارے میں کوئی مواخذہ کریں، لیکن متولی و منتظم ہرگز اس کے مجاز نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ واقف کے منشاء کے خلاف اشیاء موقوفہ کو آپس میں تقسیم کرلیں اور مالکانہ حیثیت سے اس پر قابض و متصرف ہوں

وقف ہونے کے بعد جائداد موقوفہ پر حسب شریعت اسلامی کسی خاندان کے یا کسی انسان کے تمام حقوق مالکانہ ختم ہوجاتے ہیں اور مالکانہ حق تو صرف خالق اکبر ہی کو حاصل رہتا ہے۔ اس لئے دنیاوی ہائیکورٹوں کے فیصلوں اور تجویزوں کے مقابلہ میں صرف اسی ہائیکورٹ کی نظیر قابل تسلیم و تعمیل ہونی چاہیئے جو حقیقی معنی میں ہائی کورٹ ہے اور وہ یہ کہ واقف نے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا تھا، جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے، متولی و منتظم نے اقرار نامہ مذکورہ میں جن شرائط اور پابندیوں کا اپنے کو پابند کیا تھا ان ہی اغراض اور ان ہی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائے، جائداد موقوفہ کی بہتری و افزائش کی پوری کوشش ہو، حساب باقاعدہ رکھا جائے اور متولی و منتظم اپنی حیثیت متولیانہ و منتظمانہ سمجھیں نہ مالکانہ!

مندرجہ بالا اوقاف کے علاوہ چند اوقاف البتہ وقف علی الاولاد ہیں، ان میں جو مدات مصارف خیر سے متعلق ہیں ان کی تصریح فہرست میں کر دی گئی ہے:۔

سنیوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سلطنت مغلیہ	عہد اکبری	اراضی ۸ قطعہ پختہ متصل روضہ حضرت شاہ ابن رح	تخمیناً [illegible]	اولاد و امجاد حضرت شاہ ابن رح	برائے مصارف عرس و خانقاہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح
۲	″	″	اراضی ۱۱ بیگہ ۸ بسوہ پختہ موضع پیر کی سرائے	۱۰۰	اولاد شیخ عمر حسین بن شیخ پیر رح	خدمت مسجد معمرہ شیخ عمر حسین (واقع محلہ [illegible])
۳	″	عہد شاہجہانی	۸ قطعہ پختہ یعنی ۸ بیگہ موضع سیلاد میراں پور ۸ قطعہ موضع مرہوا و موضع مرہوا	۱۰۰۰ ″	اولاد شیخ فیض اللہ بہادر و جانشین حضرت شاہ عبدالمجید علوی رح	برائے اخراجات خانقاہ و عرس شاہ عبدالمجید علوی رح و آیندو روند و فقرا

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۴	"	عہد عالمگیری	اراضی خشک پختہ سواد قصبہ امروہہ	۱۰/۴	اولاد مولانا عبدالرشید عباسی	خدمت مسجد موسومہ مولانا عباسی (واقع محلہ مولانا)
۵	سید ابدال محمد و سید محمد شاکر پسران سید محمد منور و سید سیف علی وغیرہ پسران سید رحمت اللہ	۱۱۵۰ھ	سترہ ہزار دام موضع پاپڑی پرگنہ رجب پور	۴۲۵ للعلہ ۱۳۰۵	سید مظہر علی پیرزادہ از از فرزندان سید جلال	برائے خرچ خانقاہ حضرت خواجہ عبدالمجید علوی رح
۶	سید ابدال محمد		۲۶۷ بیگہ زمین موضع جلال پور وکینچ و محمود پور و نصیر نگلہ و دیو وجیہ و ۱۵ بیگہ خام موضع جلال پور مذکور	۲۰۰۰ عسہ	کچھ عرصہ سے شیعہ حضرات قابض ہیں اور سید نفیس الحسن متولی ہیں	در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش و سکان مسجد و مسافرین و آب و آیندہ و روندہ
۷	مولوی سید منور علی وغیرہ پسران سید شجاعت علی		زمینداری موضع مجاہد پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ۱۰ عہ	اہل خاندان	مصارف خیر و خدمت مسجد محلہ گذری قدیم
۸	سید امان اللہ نبیرہ سید غلام مرتضیٰ ابن دیوان سید محمود	تقریباً ۱۱۷۵ھ	اراضی موضع گرو اور جیت پرگنہ پوڑ پور تحصیل رام پور	۲۰۰ ۱۰/	سید محمد سید اہل الحسین	اخراجات مسجد سرائے سید امان اللہ مذکور (یعنی سرائے کہنہ)
۹	سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو	۲۰ شعبان ۱۱۸۳ھ	موضع جہرن	۶۰۰۰ سکہ رائج	سید سبط رسول	در وجہ کفاف موذن و امام و مدرس و طلبا و حفاظ و تدریس علوم دینی و اشغال حدیث

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۰	شیخ ظہور اللہ صدیقی ابن حضرت شاہ عبدالہادی	۱۹ر محرم [illegible]ھ و یکم ربیع الاول ۱۱۹۲ھ	اراضیات مزروعہ و باغ متصل روضۂ حضرت شاہ عبدالہادی و ماشہ بیگہ خام	۳۰۰ ما	اولاد شیخ ظہور اللہ مذکور	مصارف عرس و خوادم مقبرہ حضرت شاہ عبدالہادی کا و آمد و رفت صادر و وارد زائرین
۱۱	حکومت نواب وزیر الممالک اودھ	۱۰ر جمادی الثانی ۱۲۱۵ھ	[illegible] شکر پختہ از سواد موضع داؤد سرائے علاقہ چبوترہ خالصہ [illegible]	تخمیناً [illegible]	خدام درگاہ شاہ ولایت	ہمیشہ برائے مصارف عرس درگاہ حضرت شاہ ولایت برائے عبدالقادر خادم درگاہ
۱۲	شاہ دوست محمد صدیقی	۱۲۲۰ھ	[illegible] بیگہ پختہ اراضی موضع براسی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سمار	شاہ سلیمان احمد صدیقی	برائے عرس شاہ عبدالہادی و شاہ دوست محمد و خوراک آیندہ روندہ و داخلین سلسلہ و مصارف خانقاہ و مسجد
۱۳	سید محمد ضیاء علیخاں	۲۲ر ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ	۱۲ مواضعات مسلم و غیر مسلم (مختلف پرگنہ جات) و اراضیات و باغات و سرایات و دکاکین بازار و حویلیات مکانات قصبہ امروہہ	۳۰۰۰۰ ؍	اولاد سید امان علی خاں	موضع گمسانی باختیار [illegible] برائے خرچ ذاتی و مابقی برائے خرچ سادات و علما و فقرا و حکما و [illegible] باعزاز و اکرام و صرف مساکین و محتاجین و مسافرین و متعلقین ملازمین و متوسلین قدیم و جدید [illegible]

مع صاحب و انصار وغیرہ و مصارف ریاست و دربارداری و تیاری اسباب [illegible] دارین و خرچ لنگر فی سبیل اللہ وغیرہ ۰ +

نمبر شمار	نام وقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۴	مسماۃ ریونت سید رمضان علی نبیرہ سید مصطفے علی ابن سید ...		حقیت موضع باگڑپور پرگنہ مرادآباد	تخمیناً ۶۰۰ عما ؍	اشرف احمد خاں	برائے مصارف مسجد معمرہ مسماۃ مذکور (واقع محلہ گنذری)
۱۵	منجانب حکومت بعاوضہ دیہہ مقررہ سلطنت اسلامی		۲ بسوہ اراضی موضع نوراسن پور	[illegible]	قدرت اللہ خاں	مصارف مسجد معمرہ شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)
۱۶	خاندان شیخ عبدالمناف صدیقی		آمدنی دوکانات متعلق مسجد	تخمیناً ۴۰۰ للعما ؍	حاجی خورشید علی صدیقی	مصارف مسجد معمرہ شیخ عبدالمناف صدیقی (واقع محلہ گھیر مناف)
۱۷	صوفی خدا بخش عباسی و دیگر اشخاص	باوقات مختلف	اراضیات قصبہ و موضع گوالڑیا وغیرہ	تخمیناً ۴۰۰ عما ؍	مولانا حافظ عبدالرحمن	مصارف مسجد جامع (واقع محلہ مولانا)
۱۸	شیخ حسین بخش	سنہ ۱۳۰۱ھ	۲۰ بسوہ موضع قائم پور و اراضی موضع اتراسی	۲۵۰ ۸ صہ ؍	سید قدیر اللہ الحسینی	مصارف مسجد بصیری بیگم
۱۹	مسماۃ سراج النسا زوجہ میر محمد علیجان		حقیت موضع مراہٹ	۲۵۰ ماصہ ؍	پیر رئیس الدین احمد (علی جان منزل)	مصارف خیر امداد غربا و مساکین
۲۰	سادات محلہ شاہ علی سرائے		اراضیات قصبہ وغیرہ	۱۰۰ عا ؍	اہل خاندان	مصارف مسجد شاہ علی سرائے
۲۱	مسماۃ وجیہ النسا زوجہ عبدالغفار خاں	سنہ ۱۹۱۰ع	اراضیات موضع اقتیارپور مع ... پرگنہ حسن پور وغیرہ	۵۰ [illegible] ؍	شیخ گلزار احمد (محلہ کٹکوئی)	خدمت مسجد شاہ حنیف اللہ اخراجات فاتحہ واقف وغیرہ

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	حافظ عباس علی خاںؒ		اراضیات قصبہ	تخمیناً [illegible]	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد حافظ عباس علی خاںؒ
۲۳	نواب وقار الملک مرحوم	۲ر جون ۱۹۱۵ء	ملک پہاڑ مئو و حقیت ڈھائی شیخو پورہ، کوراں، ہادی پور و ناظر پور وغیرہ و باغات وغیرہ	۴۰۰۰ [illegible]	نواب زادہ مشتاق احمد بیرسٹر ایٹ لا	ما ۲۱۶ [illegible] سالانہ مصارف خیر امداد مدارس و مساجد و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۴	پیر محمد احسن خاں	جولائی ۱۹۱۵ء	موضع باتتی محال نگاری	تخمیناً ۳۰۰۰ [illegible]	پیر حمید احمد	نصف آمدنی برائے مصارف خیر امداد مدارس و طلباء و غرباء و نصف وقف علی الاولاد
۲۵	پیر محمد محسن الدین	اکتوبر ۱۹۱۵ء		تخمیناً ۲۰۰۰ [illegible]	پیر محمد محسن الدین	تقریباً [illegible] سالانہ برائے مصارف خیر و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۶	مولوی بشیر احمد فاروقی وغیرہ		اراضیات و دوکانات	تخمیناً [illegible]	آل محمد سلمہ	مصارف مسجد مسماۃ شیخ احمد الدین فاروقی واقع محلہ شیخزادگان محلہ جیتا شہید
۲۷	رحیم بخش ولد حسین بخش	۲۶ر جون ۱۹۲۰ء	اراضیات موضع نوراہن پور، محمد پور، اکبر پور، بلائے و چک عثمان پور وغیرہ و مکانات	تخمیناً ۴۰۰۰ [illegible]	غلام مصطفیٰ	ما [illegible] سالانہ مصارف خیر امداد مساجد اور باقی وقف علی الاولاد
۲۸	والدہ نذیر خاں		اراضیات موضع [illegible] پرگنہ امروہہ	[illegible]	نور شاہ خاں	خدمت مسجد مسماۃ شیخ [illegible] (دبلو خاں والی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۹	شیخ عبدالحق بن شیخ فیروز علی		اراضیات موضع چہادی وغیرہ	تخمیناً [illegible]	شیخ اعجاز الحق (محلہ گیر مناف)	برائے مصارف فاتحہ حضور سرورِ کائناتؐ و اعراس سلسلہ حضرت غوث الاعظمؒ حضرت معین الدین اجمیریؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید شکر گنجؒ و حضرت شاہ ولایتؒ وغیرہ
۳۰	زوجہ سید بشیر اللہ		اراضیات موضع جانگی پور	تخمیناً [illegible]	سید قمر النبی	مصارف مسجد بٹھی متصل بازار کلاں
۳۱	یٰسین علی		قطعہ باغ ترشادہ	تخمیناً [illegible]	حکیم خلیل احمد (محلہ کٹکوئی)	مصارف مسجد معمرہ شیخ محمد حسین واقع محلہ کٹکوئی
۳۲	حاجی علی بخش	۲۲ر نومبر ۱۹۰۲ء	اراضیات قصبہ ۴ بسوہ پختہ بیگہ	تخمیناً [illegible]	وزیر احمد نوگزہ	مصارف درگاہ شاہ قیام الدینؒ
۳۳	مولوی احمد حسین خاں		آمدنی باغات	[illegible]	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد و روضہ حافظ عباس علی خاںؒ
۳۴	منشی محمد حسین وغیرہ		اراضیات واقع امروہہ و ہاپوڑ	تخمیناً [illegible]	منشی محمد حسنین وغیرہ	صرف مسجد شاہ ابو بنا فاضلؒ
۳۵	مستری ہدایت اللہ	[illegible]	آمدنی دو دکانات	[illegible]		صرف مسجد محلہ بٹھی
۳۶	حاجی کلیم اللہ عباسی		اراضی قصبہ	تخمیناً [illegible]	منشی سردار احمد عباسی	صرف مسجد مولوی عبدالحی
۳۷	یٰسین خاں	[illegible]	اراضیات قصبہ وغیرہ	تخمیناً [illegible]	عبدالقیوم خاں	صرف مسجد محلہ کٹکوئی

شیعوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۲۷ ہے اور مجموعی سالانہ آمدنی تقریباً پچیس ہزار روپیہ ہے۔ ان میں بیشتر اوقاف امام باڑوں کے ہیں، تقریباً آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے اوقاف مدارس دینیہ، امام المدارس اور شیعہ کالج لکھنؤ کے متعلق ہیں، باقی مساجد اور دیگر مصارف خیر کے لئے سید آبدال محمد کے وقف کو کچھ عرصہ سے شیعہ وقف بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ واقف مذہباً شیعہ تھے اور نہ یہ وقف شیعہ مذہب کے مقاصد واغراض کے لئے کیا گیا تھا، اس پر تفصیلی بحث مسجد سید آبدال محمدؐ کے سلسلہ میں کی گئی ہے لیکن اس موقع پر ایک اور وقف کا جو شیعوں کا وقف ہے اور امام باڑہ شیش محل ؑ سے متعلق ہے تذکرہ بے محل نہ ہوگا مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری بن خلیفہ عبد اللہ انصاری نے یکم اگست ۱۸۷۳ء کو حسب ذیل وقف نامہ کے ذریعہ اپنی کل جائداد صحرائی وسکنائی وقف کی۔

نقل وقف نامہ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی

اقرار معتبر شرعی کرتی ہوں میں مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری مرحوم قوم شیخ سکنہ امروہہ ضلع مرادآباد متعلقہ صدر الہ آباد جو کہ ایک منزل مکان امام باڑہ مشتمل بر عمارت دو در دالان شمال رویہ جانب غرب ویک کوٹھری بانضمام آں مع حصہ تہ خانہ واراضی زیر عملہ وصحن و دروازہ کہ قدیم الایام رو برو ئے شوہر مجھ مقرہ سے مکان مذکور میں تعزیہ داری ومجالس ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی ہوتی ہے اور وہ موقوفہ ہے اور ایک منزل حویلی اندرونی شمال رویہ مسکونہ من مقرہ مشتمل بر یک دالان شمال رویہ و دو کوٹھری جانبین ویک مطبخ غرب رویہ مع اراضی تحت عمارت وصحن و راستہ و پاخانہ و دروازہ پختہ جملہ مکانات معمورہ پختہ مسقف بچوب و کڑی وچہات وچہاوں وچوکھٹ وکواڑ مع اراضی زیر عملہ وصحن و دروازہ آمد و رفت وجملہ حق حقوق متعلقہ واضافیہ وداخلی وخارجی آں واقع محلہ چاہ غوری من محلات امروہہ

موازی چورآسی بیگہ دوبسوہ خام اراضی حصہ نصفی حقیت خود مقبوضہ مرہونہ بموجب دستاویز رہن نامہ
اقراری من مقرہ مختاری شبیر علی مختار عام موسومہ مسماۃ نظام النسا بنت بشارت علی زوجہ الہی بخش
ورحیم بخش ولد نذیر علی مرتہنان تعدادی تمام روپیہ مورخہ ۲۰ ر اگست سنہ ۱۹۰۸ء از جملہ ایک سو اڑسٹھ[۱۶۸] بیگہ
چار بسوہ خام اراضی زرعی موسومہ ملک انپاوالی واقع موضع ہادی پور کلاں پرگنہ امروہہ مملوکہ ومقبوضہ
من مقرہ محدودات بحدود مفصلہ ذیل مالیتی مبلغ دوہزار روپیہ تخمیناً جو ترکہ شوہر سے قبض ودخل میں
مجھ مقرہ کے ہے اب میں نے جائداد مذکورہ کو قربتاً الی اللہ ہمیشہ کو واسطے تعزیہ داری وصرف اخراجات
مجالس ماتم داری حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقف موبد کر کے واسطے انتظام وانصرام جائداد
مذکورہ موقوفہ کے مسمیان سید زاہد حسین ولد سید ارشاد علی وسید جعفر حسن ولد سید مسیح
قوم سید پیشہ معافی وشیخ سبحان بخش بن کریم بخش قوم شیخ پیشہ نوکری ساکنان امروہہ کو
متولی مقرر کر کے قائم مقام ذات اپنی کا کیا، چاہیئے کہ متولیان مذکوران امام باڑہ مذکور میں حسب دستور
قدیم تعزیہ داری اور مجالس عزا وماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی اور حویلی اندرونی مذکورہ
میں قبض ودخل اپنا رکھکر مہمانداری مستورات کی جو واسطے سماعت مرثیہ کے آتی ہیں اور آمدنی ملک
مذکور سے صرف مجالس مذکورہ کا کرتے رہیں اور جس قدر آمدنی ملک خرچ مجالس سے بچے اس کو فراہم
کر کے زر رہن اراضی ملک مرہونہ کا ادا کردیں اور بعد ادائے زر رہن مذکورہ کے کل آمدنی ملک مذکورہ
مستخلصہ ومقبوضہ کی تعزیہ داری وروضہ ومجالس اسی امام باڑہ مذکور میں صرف کیا کریں اور چونکہ
روضہ اربعین قدیم سے اس امام باڑہ ممدوحہ میں اٹھتا ہے آئندہ کو بھی بدستور قدیم ہمیشہ روضہ ہائے
اربعین کو اٹھایا کریں اور حتی الامکان ترقی مراسم تعزیہ داری ومجالس امام عالی مقام ممدوح میں سعی
وکوشش رکھیں اور خورونوش اور صرف میت مجھ مقرہ کا اور بھی خرچ عدالت جو ضروریہ بابت اس
جائداد کے کسی طرح کا واقع ہو آمدنی ملک مذکورہ سے کریں اور متولیان مذکوران اپنی طرف سے ملک
مذکور کا جس کے نام چاہیں ٹھیکہ یا نقشی یا جو بندوبست چاہیں کریں اور یہ بھی متولیان کو اختیار رہیگا
کہ جس کو واسطے اہتمام وانتظام وانصرام امور مذکورۂ بالا کے لائق سمجھیں اپنی حیات میں متولی جائداد

مذکورہ کا کریں مگر شرط یہ ہے کہ متولی و مہتمم جائداد مذکورہ کا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتا ہو اور کسی وقت
میں کسی متولی کو اختیار بیع یا رہن یا ہبہ یا کفالت یا انتقال کسی نوع جائداد مذکورہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی
متولی کسی طرح کا انتقال عارضی یا دوامی بجز تبدیل تولیت کے کرے گا وہ باطل و ناجائز ہوگا۔ اگر بتقدیر
کوئی متولی کسی زمانہ میں من جملہ اس جائداد کے جزو یا کل کسی حیلہ سے بیع یا رہن یا ہبہ کرے یا متولی
سوائے مذہب اثنا عشریہ کے کرے تو جملہ اشخاص مذہب اثنا عشریہ کو اختیار کلیہ حاصل ہے کہ
کہ اس کو منسوخ کرادیں اور متولیان خلیفہ محمد سلیمان اور ان کی اولاد کو مداخلت اہتمام مجالس و
روضہ و راہ آمد و رفت سے جو راستہ ان کے مکان مسکونہ کا قدیمی ہے اس میں متولیان یا وارثان مقرہ
میں سے کسی وقت میں مزاحمت و امتناع نہ کرینگے اور ہمشیرہ اور اولاد ہمشیرہ مقرہ سے اہتمام مہمانداری
اندرونی و بیرونی اگر بخوشی خاطر اپنی کریں سے لیتے رہیں اور بعد تحریر اس وثیقہ کے مجھ مقرہ کو یا کسی
قائم مقام میرے کو اختیار تنسیخ وثیقہ ہذا کا اختیار روا پسی یا معزولی متولیان مذکوران کا یا تحریر
وقف نامہ و تولیت نامہ دیگر بنام دیگر اشخاص کے اور استحقاق تملیک حاصل نہ ہوگا، کوئی وارث یا قائم مقام
میرا امورات مذکورہ مصدرہ میں کسی طرح کا مانع و مزاحم نہ ہوئے لہذا یہ تولیت نامہ بابت جائداد موقوفہ
مذکورہ کے لکھ دیا کہ سند ہو اور بر وقت کام آوے۔ فقط تحریر بتاریخ یکم ماہ اگست ۱۸۷۲ء

۳؍ اگست ۱۸۷۲ء کو وقف نامہ مندرجہ بالا کی رجسٹری ہوئی۔ حسب ذیل عبارت
تصدیق رجسٹری پشت دستاویز وقف نامہ پر درج ہے:۔

"یہ دستاویز اقراری مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی کی دفتر رجسٹرار پرگنہ امروہہ ضلع
مرادآباد میں بروز دوشنبہ بتاریخ ۳؍ اگست ۱۸۷۲ء مابین ۱۰-۱۱ گھنٹہ بجے دن کے واسطے رجسٹری
کے مسمی سبحان بخش ولد کریم بخش قوم شیخ پیشہ روزگار ساکن محلہ سرائے کہنہ من محلات امروہہ مذکور
نے، جس کے حق میں یہ دستاویز تحریر ہے، پیش کرکے بیان کیا کہ تصدیق اس دستاویز کی خود مقرہ
مذکورہ سے اس کے مسکن پر فرمائی جاوے۔

العبد
شیخ سبحان بخش بقلم خود

(دستخط) الیسری پرشاد سب رجسٹرار

" آج بتاریخ و روز مذکورہ بالا مابین ۵ و ۶ گھنٹہ بجے دن کے ہم خود بمحلہ چاہ غوری میں
محلات امروہہ مسکن پر مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کے واسطے تصدیق کرنے اس
دستاویز کے اور واسطے حصول اطمینان کے آئے تو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مذکورہ نے اندرون
دروازہ مسقف شرقی رویہ حویلی مسکونہ اپنی کے پس کواڑ ہا کھڑے ہو کر حرف بحرف جملہ مضمون اس
دستاویز کو سنکر باواز بلند تکمیل و تحریر اس دستاویز سے اقبال کیا اور کہا کہ میں نے یہ
دستاویز اپنی خوشی سے لکھوائی ہے اور سب عبارت و مضمون مندرجہ دستاویز کو لفظ بلفظ
تصدیق کیا اور کہا کہ بعد تکمیل رجسٹری کے یہ دستاویز حکیم نیاز علی خاں کو دیدی جائے۔ فقط
دستخط مقرہ کے ذیل میں ثبت ہیں۔ فقط ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔ العبـــــد
مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی بقلم نیاز علی خاں

بعدہ حکیم نیاز علی خاں[1] ولد حکیم نثار علی خاں قوم شیخ پیشہ معافی ساکن محلہ سدّہ منحلات امروہہ
و پیر تہور علی[2] ولد پیر گنج بخش قوم پیرزادہ پیشہ معافی محلہ سدّہ مذکور نے شناخت مسماۃ علیم النسا عرف
مینڈھی مقرہ مذکورہ کی اندر دروازہ مذکور کے جاکر کی اور بیان کیا کہ مظہرہ وہی مسماۃ مقرہ مذکورہ ہے
اور کوئی نہیں اور ہم حکیم نیاز علی خاں مذکور سے واقف ہیں اور پیر تہور علی مذکور کی شناخت سید
باقر نذر ولد سید احمد نذر قوم سید پیشہ روزگار محرر رجسٹری امروہہ محلہ ستی منحلات امروہہ مذکور نے
جس کو ہم پہچانتے ہیں کری۔ (دستخط) ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔"

غالباً اس وقف کا حسب ضابطہ عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ منشی شبیر علی[3] بن شیخ امانت علی جو
مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی کے حقیقی بھانجے ہیں مختار عام کی حیثیت سے اسکا اہتمام کرتے رہے۔

---

[1] یعنی پدر بزرگوار حکیم راحت علی خاں صاحب۔

[2] یعنی جد امجد پیر تمیز علی صاحب پنشنر سب رجسٹرار۔

[3] مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی اور مسماۃ کوڑنی دو حقیقی بہنیں تھیں۔ اول الذکر شیخ غلام علی بن خلیفہ
عبداللہ انصاری کی زوجہ تھیں، ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ خلیفہ عبداللہ انصاری کے بڑے شیوخ انصاری کے اہی

شیعوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سید تحسین علی (دربار کلاں)	۲۰ر اکتوبر ۱۸۶۲ء	اراضی موضع لودہی پور پرگنہ چاندپور	۲۰۰ ۵ر	سید اعزاز علی (دربار کلاں)	مصارف امام باڑہ دوست علی و امام باڑہ مسماۃ بدلی
۲	مسماۃ صغیر النساء	۴ر مارچ ۱۸۶۵ء	اراضی موضع سرسہ خمار	المار	سید انیس حسن (محلہ گندری)	برائے مصارف مسماۃ صغیرن

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰) خاندان سے تھے جس میں مولوی مظہر علی انصاری کا خاندان ہے، اشرفائے کمبوہ شیعی مذہب ساکنان محلہ صدر و سے تعلقات یگانگت تھے۔ وہاں وہ درس بھی دیتے تھے ان حضرات کی صحبت میں انہوں نے بھی مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا اور اپنے مکان مسکونہ میں تعزیہ داری شروع کی، بعد میں اسے ترمیم کرایا جو "شیش محل" کے نام سے مشہور ہوا۔ مسماۃ مینڈھی ان ہی خلیفہ عبداللہ انصاری کی بہو تھیں۔ مسماۃ مینڈھی کی حقیقی بہن مسماۃ کوڑی تھیں جو شیخ امانت علی بن شیخ ولایت علی ساکن محلہ مولانا کے عقد میں آئیں۔ منشی شبیر علی ان ہی مسماۃ کوڑی کے فرزند ہیں۔ یہ محلہ مولانا کی سکونت ترک کر کے اپنی خالہ کے یہاں چلے آئے۔ منشی شبیر علی کے بنی اعمام میں منشی محمود حسن بن شیخ کرامت علی بن شیخ ولایت علی مذکور کا خاندان ہے یہ حضرات شیوخ صدیقی ڈبکوری مشہور ہیں لیکن اب بعض اشخاص اپنا نسب فاروقی بھی بتاتے ہیں۔ "شیش محل" کے احاطہ میں ایک مکان میاں منگھا انصاری کا تھا وہ غدر ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں ماخوذ ہوئے اور مکان ضبط کیا گیا جو شیخ محمد حسین ساکن محلہ گھیر مناف نے خرید لیا تھا بعد میں ان سے شیخ ضیاء علی انصاری وکیل نے خرید کیا، اب اس میں مولوی محمد اسمٰعیل انصاری رہتے ہیں دوسرا مکان خلیفہ سلیمان کا تھا جن کے فرزند شیخ محمد اصغر ہیں، انہوں نے یہ مکان منشی عبدالرب شکیب بن منشی شبیر علی مذکور کے لائق فرزند شیخ ضیاء الرب بی۔ اے (علیگ) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ محکمہ صنعت و حرفت کے ہاتھ فروخت کر دیا جسے انہوں نے بعد ترمیم از سر نو تعمیر کرایا ہے ٭

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۳	مسماۃ ملک النساء زوجہ شیخ امانت علی و حکیم امجد علی خاں و مسماۃ ریاست النساء	۱۹ مارچ سنہ ۱۸۷۰ء یکم مارچ سنہ ۱۸۷۸ء ۲ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء	اراضی ٹھوہ و چک ٹھوہ، ٹکیا و چک ٹکیا، پرگنہ امروہہ و بادن پور پرگنہ حسن پور	۱۰۰۰ الــ ،،	حکیم راحت علیخاں (محلہ صدور)	برائے مصارف امام باڑہ جیہی
۴	مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی زوجہ شیخ غلام علی بن خلیفہ عبداللہ انصاری	یکم اگست سنہ ۱۸۷۴ء	ملک ۲ بسکہ اراضی ملک موضع ہادی پور و مکانات	۱۰۰ مار	سید زاہد حسین و سید جعفر حسین و شیخ سبحان بخش	برائے تعزیہ داری و اخراجات مجالس امام باڑہ شیش محل
۵	سید غلام حسنین خاں و صادق حسین خاں (دانشمند)	۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۷۸ء ۲۵ مارچ سنہ ۱۸۷۳ء	اراضی رجب پور و اراضی سکنی محلہ دانشمنداں و باغیچہ بنگلہ والا پرگنہ امروہہ و منجھولی و رسول پور پرگنہ مذکور	۱۶۰۰ السما ،،	سید اختر حسنین خاں (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ زنانہ سید اختر حسین خاں
(۶)	سید محمد حسن خاں و سید علی حسن خاں و سید حامد حسن خاں	۱۱ مئی سنہ ۱۸۷۶ء	رجب پور و کلالی باغ امروہہ	۶۰۰ سما	سید فیاض حسن خاں وغیرہ	برائے مصارف حکام رسی و دربار داری و فاتحہ بندگان
۷	سید نور الحسن و مسماۃ کنیز رقیہ زوجہ سید ولایت حسین	۲۴ نومبر سنہ ۱۸۸۲ء	جلیل پور اقبال و حسن پور کٹیہ و مجھولی رسولپور پرگنہ امروہہ	۴۰۰۰ للعمہ	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	اخراجات مجالس امام باڑہ مسماۃ وزیر النساء (محلہ دانشمنداں)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
٨	سید داد علی	وقف نامہ موجود نہیں	زمینداری یک ثلث موضع سلطان پور	۵۰ للعــہ	سید نور بن احمد	مسجد سید داد علی واقع امروہہ محلہ بگلہ
٩	سید محمد باقر و سید مقبول احمد وغیــرہ	۲۲ رمارچ ۱۸۸۵ء	اراضی موسومہ بازار سید داد علی واقع امروہہ محلہ بگلہ	۱۵۰۰ الصا ”	سید نور بن احمد (محلہ بگلہ)	اخراجات امام باڑہ و مسجد متصل امام باڑہ
١٠	سید قربان حسین (محلہ دانشمنداں)	۱۷ رنومبر ۱۸۸۵ء	رسولپور مزرعہ مجھولی و مجھولی پرگنہ امروہہ	۳۵۰ ماصــہ	مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسین (دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ خاتون دولت و اعانت مسافرین
١١	مسماۃ بتول دولت عرف جیونی محلہ دانشمنداں	۷ رفروری ۱۸۸۹ء	اراضی ملک کوکر جنیڈی پرگنہ مراد آباد	۲۰۰ ما	سید مجز حسن (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ مسماۃ جیونی (محلہ دانشمنداں)
١٢	سید علی احمد محلہ دانشمنداں	۲۹ رستمبر ۱۸۹۰ء	ٹمری پرگنہ حسن پور و چودھرپور و جہاولی و فیاض نگر و سیدولی و چک جہاولی پرگنہ امروہہ	۱۰۰۰ الــــ ”	سید حکیم رضا محلہ دانشمنداں	مصارف امام باڑہ مسماۃ فہیم النساء مشہور رانڈوں والا (محلہ دانشمنداں)
١٣	سید مقبول احمد سید محمد باقر وغیرہ (محلہ بگلہ)	۴ رجولائی ۱۹۰۱ء ۵ رجولائی ۱۹۱۰ء ۵ راکتوبر ۱۹۱۵ء ۲۱ رمارچ ۱۹۱۶ء	قاسم پور پرگنہ امروہہ ٹہنڈ نیڑہ پرگنہ حسن پور و گوگرڈیا پرگنہ ٹھاکردوارہ	۱۰۰۰ الــــ ”	مولوی سید محمد مجتبیٰ عرف مولوی سید چاند محلہ بگلہ	مدرســہ امام المدارس
١٤	مسماۃ شبینہ زہرا (محلہ کٹکوئی)	۲۰ رجون ۱۹۰۲ء	پیپلی ٹگا پرگنہ حسن پور و گہنسورپور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ ما	سید سجاد حسین (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ سید دولت علی (محلہ کٹکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۵	مسماۃ اجرہ خاتون (محلہ گذری)	۹ رجون ۱۹۰۴ء	اراضی موضع جیاد پور چودہر پور پرگنہ امروہہ لطیف پور گتاولی پرگنہ ٹھاکردوارہ	۷۰۰ معما ر	سید احمد حسنین (محلہ گذری)	برائے مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۱۶	سید نور الحسن (محلہ دانشمندان)	۲۸ دسمبر ۱۹۰۴ء	اراضی موضع کہیڑہ و ماندن کہیڑہ و مجہولی جلیل پور بقال کلی لیٹ ورام سرائے پرگنہ امروہہ وغیرہ	۳۰۰۰ عمـ ۳۰۰۰	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	مدرسہ نور المدارس
۱۷	مسماۃ ریاست النسا زوجہ نور الحسن مذکور	۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء	جلالپور و جلیل پور بقال و اراضی قصبہ امروہہ	عمـ "	"	"
۱۸	مسماۃ بشارت النسا (محلہ بہوکرہ)	۷ رجولائی ۱۹۰۵ء	کنپورہ و اکبر پور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ مار	سید انیس الحسن (محلہ بہوکرہ)	مصارف امام باڑہ محلہ بہوکرہ امداد حاجیان و زوار ان مذہب امامیہ
۱۹	سید محمد جواد (محلہ گذری)	یکم مئی ۱۹۰۵ء	موضع تاچپنی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سمار	سکریٹری شیعہ کالج لکھنؤ	شیعہ کالج لکھنؤ
۲۰	سید شاکر حسین (محلہ بہوکرہ)	۴ راکتوبر ۱۹۱۱ء	کنپورہ پرگنہ امروہہ	۱۰۰ عار	سید ابرار حسین (محلہ بہوکرہ)	امام باڑہ زنانہ مسماۃ قمر النسا ر
۲۱	سید مددعلی (محلہ کٹکوئی)	۲ رشوال ۱۳۲۸ھ	اراضی موضع مہوہ پرگنہ امروہہ	۳۰۰ سار	سید نہال محمد (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ (محلہ کٹکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	سید نذر حسن (محلہ گذری)	۲۰ جون ۱۹۱۲ء	دہنوری و دہنو پورہ و جھوئی پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سمار	سید احمد حسین (محلہ گذری)	مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۲۳	مسماۃ حاجرہ خاتون (محلہ دربار کلاں)	۲۲ جون ۱۹۲۶ء	موضع بائیتی پرگنہ امروہہ	المالعہ	مولوی سید محمد صاحب (محلہ شفاعت پوتہ)	امام باڑہ مسماۃ اہوبی باڑہ امام باڑہ دربار کلاں
۲۴	مسماۃ سعیدہ خاتون (محلہ لکڑہ)	۱۷ مارچ ۱۹۲۲ء	موضع عالمپور و کھیج پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سمار	"	امام باڑہ کلاں محلہ لکڑہ و امداد فقرا و مساکین و مشاہد مقدسہ
۲۵	سید محمد فصیح و مسماۃ خوب دولت و مسماۃ ہدایت النسا	۱۲ جنوری ۱۹۲۶ء	امیٹرہ و کوڑی و محمد پور بنگر پرگنہ امروہہ	۱۶۰۰ السعا	سید نبی ہادی گھیر کرم علیخاں	امام باڑہ و مسجد (محلہ سٹہی)
۲۶	حاجی محمد اشرف	•	جبار پور و جوئی کمن پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ماصہ	مولوی سید محمد عبادت	مصارف اشرف المساجد (جامع مسجد سٹیان)
۲۷	حاجی محمد اشرف (عظیم آبادی)	•	ملک دہنو پورہ پرگنہ مراد آباد و جھوئی پرگنہ امروہہ	۱۵۰ ماصہ	سید زوار حسین	"
			میزان کل	۲۴۰۴۰ للعہ		

فقرائے زاویوں اور تکیوں کے اوقاف

مشائخ کی خانقاہوں کے علاوہ امروہہ میں فقرا کی مختلف جماعتوں کے زاوئے اور تکئے بھی تھے ان فقرا میں سب سے قدیم جماعتیں حیدری اور جلالی فقیروں کی تھیں۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ

کی آمد کے زمانہ (یعنی ۱۳۴۱ء) میں یہاں حیدری فقیروں کی جماعت موجود تھی انکے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے:-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انہوں نے پہلے

تو سماع سُنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں گھس گئے اور ان کو آگ سے کچھ نقصان نہ پہنچا" [۱]

جلالی فقیروں کی یادگار کے طور سے محلہ بچھدرہ کا ایک حصہ "نیب جلالیاں" کے نام سے مشہور ہے

اور اب بھی کچھ افراد جلالی فقیر کہلاتے ہیں جو اب زیادہ تر باجہ بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ حیدری فقیروں کی جماعت

شیخ قطب الدین حیدری یا شیخ حید خراسانی سے منسوب ہے، اور جلالیہ فقیر سید جلال الدین بخاری سے۔ [۲]

کڑک علی شاہ کا تکیہ جو درگاہ شاہ ولایتؒ کے متصل ہے اور کچھ عرصہ پیشتر تک آباد تھا حیدری فقیروں کا

تکیہ تھا ۱۱۷۶ھ میں شاہ روح القدس درویش نے اس تکیہ کو خوب رونق دی تھی۔ سید لطف علی بن سید

طفیل محمد اور سید میر علی بن سید غلام علی (ساکنان محلہ حقانی) نیز بزرگان سادات محلہ نکڑہ نے کچھ اراضی شاہ موصوف کو

"برائے احداث و بنائے جائے واماکن آرام گاہ فقراء و مساکین صادر و وارد" کیلئے ہبہ کی تھی، اس تکیہ کے متعلق اور بھی

متعدد اراضیات زرعی وقف تھیں جو بعد میں بددیانت متولیوں نے فروخت کردیں۔ کڑک علی شاہ متبنائے پیر

شوق علی شاہ متبنائے پیر قطب علی شاہ کے زمانہ ۱۲۹۶ھ تک یہ تکیہ خوب آباد تھا۔ اب ویران پڑا ہے شہر کے

اور تکیوں کا بھی یہی حال ہے +

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ + [۲] حیدری و جلالی و مداری و رفاعی فقرا کے یہ کل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں اور جن مشائخ کی جانب منسوب ہیں اعمال اور عقیدے کے لحاظ سے ان کو کوئی مناسبت نہیں، حیدریوں میں بھنگ کا استعمال عام ہے، یہ عرف عام میں ملنگ کہلاتے ہیں اس زمانہ میں انکی تعداد بہت کم ہوگئی ہے لیکن سابق میں انکی جو حالت تھی اس کا اندازہ صاحب دبستاں کی تحریر سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

"جلالیان سب شیخین (مانند روافض) کنند و نماز نہ گذارند و روزہ ندانند و ریاضتے و شغلے کہ صوفیہ راست ندانند و بنگ بسیار خورند و شتی مار و کژدم خوردن رسانند و چوں کاملان ایشاں مار را بینند سرہائے او را بجانبے دفرو برند و گویند ماہی مرتضیٰ علی است و کژدم خورند و گویند جھینگہ علی ست مانند مداریاں برہنہ باشند و چوں مداریاں در سرما سخت چیزے نہ پوشند و پیش آتش نشینند اما جلالیان زولیدہ مو نباشند و اکثر چار ضرب زنند و گرد جہاں گردند الخ"

امروہہ کے میلے اور تیوہار

ہندوؤں کے میلے اور تیوہار

سلونو:- ساون کے مہینہ کی آخری تاریخ ہوتا ہے، برہمنوں کا خاص تیوہار ہے، راکھی اور پوجا کی رسمیں گھروں پر ادا کی جاتی ہیں، تالاب بالندیو پر میلہ بھی لگتا ہے۔

رام ڈول:- یہ تیوہار کنہیا جی کے جنم کی خوشی کا تیوہار ہے، اس کا دوسرا نام جنم اشٹمی ہے، بھادوں بدی اشٹمی کو ہوتا ہے دوسرے دن تمام مندروں میں جلوس جاتا ہے۔

دسہرہ:- یہ تیوہار اس سفر کی یادگار کے طور سے منایا جاتا ہے جو رام چندر جی نے راون کے مارنے کے لئے رامیشور سے لنکا کا کیا تھا۔ کنوار بدی دسویں کو ہوتا ہے، درگا پوجا بھی اسی تیوہار کو کہتے ہیں۔ تقریباً ایک ہفتہ کو چہ کھتریان میں (ڈرامہ) ہوتی ہے پھر آٹھ روز تک رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں بڑا ہجوم ہوتا ہے، گھروں پر پوجا ہوتی ہے۔ اس تیوہار میں کسان اور دیہاتی زمینداروں کو قسط کا روپیہ ادا کرتے ہیں۔

دیوالی:- آدھے کارتک[1] کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اس میں دولت کی دیوی لکشمی کا پوجن ہوتا ہے۔ اس دن امروہہ کے ہندو دوکاندار اپنی دوکانیں آراستہ کرتے، کوزہ گر اور حلوائی مٹی اور مٹھائی کی مورتیں بناتے ہیں، رات کو بازاروں اور مکانوں میں چراغان ہوتا ہے۔

ہولی:- یہ تیوہار ہندوؤں کا نوروز ہے۔ سال کے ختم ہونے کے آخری دن یعنی پھاگن کے آخری دن شروع ہوتا ہے۔ موسم بہار کے آنے سے پہلے نئے اناج کا ہَوَن ہوتا ہے اس کو ٹگ کہتے ہیں۔ لوگ گنوں کو جن میں گیہوں اور دوسرے غلہ کے پودوں کی بالیں بندھی ہوتی ہیں آگ کے ڈھیر کے گرد گھوم گرم کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر ایندھن کا انبار لگا کر رات کو اس میں آگ دیجاتی ہے اس کو ہولی جلنا کہتے

---

[1] اصل لفظ "کارتک" ہے لوگ غلطی سے "کاتک" کہتے ہیں۔

ہیں۔ حال میں ہندو آپس میں ہولی کھیلتے ہیں، رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کر ایک دوسرے پر چھڑکتے اور گلال ملتے ہیں۔ دیہات کے ہندو ٹولیاں بنا بنا کر ناچتے گاتے خوشی مناتے ہیں یہ ہندوؤں کے نوروز کا دن ہوتا ہے، مختلف مقامات پر سوانگ بھی بنتے ہیں جسے قدیم زمانہ کا ڈرامہ سمجھئے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیاں

چھڑیوں کے میلے بھی اسی مہینہ میں لگتے ہیں جس میں تیجوں اور سلونوں کے تیوار ہوتے ہیں۔ پہلے دن محلہ احمد نگر میں دوسرے دن کشکوئی پر تحصیل کے دروازے آگے، تیسرے دن بسآون گنج میں اور چوتھے دن یعنی میلہ کی آخری تاریخ میں بائیں کے کنویں پر۔ اس دن دیہاتیوں اور عوام کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور صبح سے شام تک میلہ رہتا ہے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلہ کی وجہ تسمیہ تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں اسلئے یہاں اسکا مختصراً بیان نامناسب نہ ہوگا۔ "ظاہر دیوان" کو مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نواح دہلی اور علاقہ شمالی دوآبہ میں "گوگا پیر" اور جنوب میں "ظاہر پیر" کہتے ہیں۔ "بارہ ماسہ" میں اسکے کارنامہ بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "قانون اسلام" اور مشہور فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی اس کی قبر ملک دوآبہ میں بتاتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ اس کی قبر ضلع حصار کے جنوب مغرب میں "ددریرہ" مقام پر ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ شخص واچا نامی ایک چوہان راجپوت کا بیٹا تھا، بعض لوگ اسکے باپ کا نام جیوار اور ماں کا نام "بچھل" بتاتے ہیں، بہرحال باپ کا نام جو کچھ بھی ہو کہا جاتا ہے کہ "گوگا پیر" کے دو بھائی اور تھے اور یہ خود ان کی پیدائش کے بہت عرصہ بعد "گورکھ ناتھ" کی دعا سے پیدا ہوا تھا، اپنی قوم کا حکمران تھا اور اسکا علاقہ ہانسی سے گڑھ تک تھا۔ پرتھی راج کا ہمعصر بھی اسے بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اسنے بڑی گھمسان لڑائیاں لڑی ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ سے بہت پہلے ہوا ہے کیونکہ اسکے کارناموں کے منظوم قصوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ معہ اپنے ۴۵ بیٹوں اور ۶۰ بھتیجوں کے سلطان محمود غزنوی کے مقابلہ میں گارانڈی کے کنارے پر مارا گیا۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی بیان کیجاتی

ہے کہ علاقہ کی تقسیم میں اس نے اپنے بھائیوں سے جھگڑا کر کے انھیں قتل کر دیا پھر ماں کی بددعا سے بچنے کے لئے کسی جنگل میں چلا گیا اور وہاں پہنچکر چاہتا تھا کہ کسی طرح مع اپنے گھوڑے کے زمین میں دھنس جائے[1] کہ یہ آواز کان میں آئی کہ اگر تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جائے تو تیری خواہش پوری ہو سکتی ہے" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ غرضکہ اس عجیب وغریب ہستی کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ہندؤں کے مختلف طبقوں کے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ بھادوں کے مہینہ میں چمار وغیرہ بھی اس کے نام کے جھنڈے اٹھاتے ہیں۔ ہندؤں کی دوسری قوم والے بالخصوص بعض اگروال بنئے بھی اس کے معتقد ہیں اور جین میں "گوگا شہید" کا مندر بھی ہے۔ بھادوں کے مہینہ میں ان ایّام کی نویں تاریخ جس میں چاند نہیں نکلتا اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ اس کے معتقد بالعموم سیاہ جھنڈے نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے میلے اور تہوار

۱۔ گیارہویں:۔ یعنی عرس حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ گیارہویں ربیع الثانی کو محلہ جلہ میں دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ امروہہ میں اس عرس کو ابتداءً **شیخ جان محمد** نے تقریباً ۱۰۸۰ھ میں شروع کیا تھا صاحب اسرار یہ کا بیان ہے کہ:۔

"**شیخ جان محمد** ...... از مریدان شیخ عبداللہ بڈھہ ..... چند سال است
کہ عرس غوث اعظم می کند، اجتماع فقرا خوشتر می شود و سرود خوشتر"

بعد میں اس عرس کو حضرت شاہ گدا قادریؒ کی اولاد نے اور رونق دی' بالخصوص سید سراج الدین ثانی بن سید نور اللہ کے زمانہ میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا' ان کے اخلاف میں سید نوازش علی عرف شاہ بڈھا متوفی ۱۳۰۳ھ نے جن کے کوئی اولاد نہ تھی اور جو بذات خود صوفی مشرب تھے اپنی کل جائداد

---

[1] ظاہر دیوان کے گھوڑے کا نام "جوادیا" مشہور ہے۔ قصوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر دیوان کے اولاد نہ تھی۔ اس کے دیوتا نے جو کی دو بالیں دیں جن میں سے ایک اس نے اپنی زوجہ کو دیدی اور دوسری

معراجی وسخائی مصارف عُرس کے لئے وقف کردی تھی ' اب اس جائداد موقوفہ میں سوائے ایک مکان کے جس میں زنانہ میلہ لگتا ہے ' اور کچھ باقی نہیں۔

وربیع الثانی سے ۱۱ ماہ مذکور تک عرس ہوتا ہے ' شہر کے عوام کا ہجوم ہوتا ہے '

۲۔ غازی میاں کے نیزے

ابتدائً یہ میلہ میر لُساون کے کوٹلہ کے متصل لگتا تھا ' کوٹلہ مذکور کے انہدام کے بعد سے چبوترہ پر موضع پوران پور کے میلے کے دوسرے روز اس بدھ کو لگتا ہے جو ہولی جلنے کے بعد آتا ہے۔

غازی میاں کے نیزے شمالی ہند کے اکثر مقامات پر جیٹھ کے مہینہ میں اُٹھتے ہیں ' حقیقتاً یہ بھی ہندی عوام الناس کے میلے ہیں اور باوجودیکہ سالار مسعود غازیؒ جن کی یادگار میں یا بالفاظ صحیح جن کی شادی کی یادگار میں یہ میلہ لگتا ہے ' نوعمری کے زمانہ میں شوق جہاد میں ہندوستان آئے اور ہندؤں سے لڑکر شہید ہوئے بایں ہمہ ہندؤں کی بعض نیچ اقوام بھی ان کو اپنا پیر مانتی ہیں۔[۱] سب سے بڑا میلہ بہرائچ میں جہاں سالار موصوف کا مزار ہے ' ہر سال دھوم دھام سے لگتا ہے۔ " آرائش محل " کی روایت کے مطابق قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے ایک تیلی نے ابتدائً غازی موصوف کے شادی بیاہ اور برات کی رسم کی ابتدا کی تھی۔ اس میلہ میں چونکہ ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم زیادہ ہونے لگی تھیں اسلئے سلطان سکندر لودھی نے ' جو دیندار بادشاہ تھا اور خود بھی علم سے بہرہ وافر رکھتا تھا ' اس کے سدِباب کی تدابیر اختیار کیں مگر کامیابی نہوئی۔

امروہہ کے میلے میں اب زیادہ اژدہام نہیں ہوتا۔ زیادہ تر عوام الناس شریک ہوتے ہیں۔

شاہ مدار کی بیرق :-

یہ میلہ جمادی الاول کی چوتھی تاریخ حضرت شاہ آبن کے روضہ کے متصل لگتا ہے ' اس روز وہاں پر مرغ ذبح ہوتے ہیں۔ شاہ بدیع الدین مدارؒ

(بہ سلسلۂ گذشتہ) اپنی گھوڑی کو اس سے یہ "جوادیا" نامی گھوڑا پیدا ہوا۔ [۱] (صفحہ ۳۸) بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف حضرت شاہ آبن بدرچشتیؒ کی نسل سے تھے مطبوعہ شجرہ میں آپکا نام درج نہیں ہے تاہم قدیم دستاویزات سے آپکا سلسلۂ نسب بطرح ثابت ہوتا ہے شیخ جان محمد بن شیخ سلطان محمد بن شیخ کبیر بن شاہ احمد بن شاہ آبن

جن کی یادگار میں یہ میلہ شمالی ہند کے اکثر مقامات پر لگتا ہے، اصلاً طب کے باشندے اور نسباً یہودی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور ۸۳۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ "ساکن بہشت" تاریخ وصال ہے مزار پُر انوار مکن پور میں ہے۔ عوام کے خیال میں وہ اب تک زندہ ہیں اسلئے "زندہ شاہ مدار" کہلاتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حبس دم پر عامل تھے اسلئے نہایت طویل عمر پائی۔ مدار فیقروں کا طبقہ ان ہی سے موسوم ہے۔

۴۔ عرس حضرت شاہ ولایتؒ:۔ سابق میں یہ عرس دھوم دھام اور بہت کچھ اہتمام سے ہوتا تھا، مصارف عرس کے لئے کچھ اراضیات سلطنت اسلامی کی عطیہ تھیں لیکن جب سے اہل خاندان کی اکثریت نے اختلاف مذہبی کی بنا پر عرس کے اہتمام سے دلچسپی لینا ترک کر دی، موقوفہ اراضیات بھی باقی نہ رہیں تو عرس کی سابقہ حیثیت بھی باقی نہ رہی۔ اس کے بعد سے درگاہ کے مجاور، ٹڑھہ تلے والے کالستھ اور شہر کے قسائی او تیلی وغیرہ جن کو اس درگاہ سے موروثی عقیدت ہے، عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے، میلہ بھی لگتا ہے اور عوام الناس کا مجمع بھی خاصہ ہو جاتا ہے، کچھ اہل خاندان اور شرفائے شہر بھی شریک ہوتے ہیں۔

۵۔ عرس حضرت شاہ عبدالہادیؒ:۔ ماہ شوال میں ۱۸ سے ۲۰ تاریخ تک عرس ہوتا ہے میلہ بھی لگتا ہے، جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے آپ کے صاحبزادے شیخ ظہور اللہ عرف شیخ لگو نے نانگہ اراضی مصارف عرس کے لئے وقف کی تھی۔ عرس کا اہتمام اہل خاندان کرتے ہیں۔ مجمع بھی کافی ہو جاتا ہے۔

۶۔ عرس حضرت شاہ ابنؒ:۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہویں سے پندرہویں تاریخ تک پانچ روز عرس ہوتا ہے۔ گیارہویں و بارہویں صدی ہجری میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، بیرونجات سے مرید و معتقد بکثرت آتے تھے۔ صاحب اسرار یہ تقریباً ہر سال عرس میں شریک ہوتے وہ شاہ مخدوم عالم کے

(متعلق صفحہ ۴۴۰) لہ یعنی سید بدرالدین عرف میر ربا دن بن سید محمد اسد اللہ خان عرف میر کلو۔ لہ میمو ائرس آر سی ہزی ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۲۵۱

تذکرہ میں اس عرس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔

فارسی	اردو
امروز مریدان خانوادۂ ایشان کہ در ہنگامۂ عرس شیخ ابن جمع می شوند ہزاران اند بل از شمار زیادہ و ایں معاملہ روز افزوں است ۔	آجکل اس خاندان بزرگ کے مریدوں کی تعداد جو حضرت شیخ ابنؒ کے عرس کے موقع پر جمع ہوتے ہیں، ہزاروں کی ہے بلکہ شمار سے بھی زیادہ ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

قدیم تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں زائرین و داخلین سلسلۂ ہندوستان کے دور دراز مقامات سے عُرس کی شرکت کے لئے آتے تھے، جن کے قیام کے لئے متصل روضۂ منورہ مکانات موجود تھے ۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ المعروف بہ خواجہ بیرنگ کے فرزند باکمال خواجہ عبداللہؒ جو سید کمال محمد مؤلف اسراریہ کے شیخ اور پیر طریقت تھے، نیز اسی مرتبہ کے چند اور بزرگ عرس کے موقع پر امروہہ تشریف لاتے اور حال و قال کی مجالس میں شریک ہوتے، صاحب اسراریہ نے بعض ایسے حضرات کا بھی ذکر کیا ہے جو جون پور جیسے دور دراز مقامات سے شرکت عرس کے لئے امروہہ آیا کرتے تھے مثلاً سید ضیاء الدین جونپوریؒ کے تذکرہ میں، جو اپنے زمانہ کے عالم فاضل اور عارف باللہ تھے، وہ لکھتے ہیں :۔[1]

فارسی	اردو
"من آں سید ضیاء الدین را در امروہہ دیدہ ام ہنگامۂ عرس شیخ ابن سر و پا برہنہ"	میں نے ان سید ضیاء الدین کو اوّلاً امروہہ میں (حضرت) شیخ ابنؒ کے عرس کے موقع پر دیکھا تھا، سر و پا برہنہ تھے۔

مصارف عرس و خانقاہ کے لئے اراضیات اسلامی سلطنت کی عطیہ تھیں، عرس کا انتظام اہل خاندان کرتے رہے ہیں، بزرگان سادات دربار کلاں و کٹہرہ غلام علی بھی بربنائے عقیدت اہتمام میں شرکت کرتے تھے ۔ امروہہ کے دوسرے مشائخ کے عرسوں کی طرح بعض اقوام اہل حرفہ کو اس خانوادہ مشائخ سے عقیدت و ارادت چلی آتی ہے اسی بنا پر دھنی جولاہے ابتک عرس کی ایک شب کا اہتمام کرتے ہیں ۔

---

[1] اسراریہ قلمی صفحہ ۱۰۲۔

پچھلی صدی سے عرس میں بے رونقی ہوگئی تھی اب چند سال سے اہل خاندان کی کمیٹی نے انددیاد رونق کا انتظام کیا ہے اجتماع بھی کافی ہوتا ہے اور میلہ بھی لگتا ہے۔ بیرونجات سے بھی کچھ لوگ شرکت کی غرض سے آتے ہیں۔ ان ہی ایام میں خانقاہ میں تبرکات کی زیارت بھی ہوتی ہے جس میں زیادہ تر حضرت بابا فرید شکر گنج کے تبرکات ہیں، اور کچھ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے۔

شب برات:- تقریباً اسّی برس پہلے امروہہ میں یہ تیوہار بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا' ہر خاندان اور ہر محلہ میں ہفتوں پہلے سے آتشبازی کے سامان تیار ہوتے تھے' مختلف ٹولیاں آتشبازی کی ریچ کھیلتیں اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتیں لیکن یہ سب دولت کے کھیل تھے جب مرفہ حالی کا وہ سابقہ حال باقی نہ رہا تو آتشبازی بھی سرد پڑ گئی۔

عید الفطر:- تقریباً سوا صدی پیشتر تک امروہہ کے سب مسلمان اس یوم سعید میں ایک ہی مقام پر نماز عید کے لئے مجتمع ہوتے۔ شہر کے قاضی مختصر سے جلوس کے ساتھ نماز پڑھانے عیدگاہ آتے' شروع شروع میں جو حضرات شیعہ مسلک کے متبع تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شرکت کرتے لیکن بعد میں جب عقائد کی کشمکش نے باہمی مخالفتوں کی شکل اختیار کرلی تو عیدین کے ادائے فرائض میں بھی جدائی ہوئی حتّٰی کہ بعد میں شیعہ حضرات کا عیدگاہ جانا حکومت کے حکم سے ممنوع ہوگیا اور وہ اپنی جامع مسجد (اشرف المساجد محلہ شفاعت پوتہ) میں عیدین کی نماز پڑھنے لگے۔ عیدگاہ میں شہر اور مضافات کے مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہوتا ہے۔ پندرہ بیس ہزار کا مجمع بالعموم ہو جاتا ہے جس کے لئے عیدگاہ کا وسیع صحن' فراخ سیڑھیاں قطعاً ناکافی ہوتی ہیں' نیچے فرش خاک پر لوگوں کو نماز پڑھنی پڑتی ہے' عیدگاہ کے بانی شیخ غلام محمد کی طرح اب اگر کوئی صاحب ہمت امروہہ میں نہیں تو کیا صوفی خدابخش عبّاسی کی طرح بھی جنھوں نے بعد میں اس کی مرمّت کرائی تھی چند اشخاص نہیں جو عیدگاہ کے صحن کو وسیع نہ کرا سکیں تو کم از کم سامنے کی زمین ہی کو ہموار کر کے پختہ کردی جائے تاکہ نمازیوں کو ناہموار اور ریتلی زمین پر بیٹھنے کی اذیّت نہ رہے۔ عید کے دن محلہ شیخ زادگان (محلہ حبٹا شہید) میں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کی اولاد ان کے پیر طریقت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے تبرکات کی زیارت

کی زیارت کی تقریب میں مردانہ و زنانہ مجلسیں منعقد کرتی ہے۔

عید الضحیٰ:۔ عیدین کی نماز سُنّی عیدگاہ میں اور شیعہ اثنا عشری مساجد (شفاعت پوتہ) میں ادا کرتے ہیں۔ قربانی زیادہ تر گائے کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ مینڈھے اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔

عشرۂ محرم:۔ امروہہ کی عزاداری دُور دُور مشہور ہے، امام باڑے بڑے اہتمام سے آراستہ کئے جاتے ہیں، عورت مرد بچے، بوڑھے اور جوان سب غمِ امام میں سر و پا برہنہ ماتم کرتے، نالہ و بکا کی آوازیں دور دور تک جاتی ہیں۔

۲ محرم سے ۸ محرم تک حسب ذیل امام باڑوں کے علم و تعزیے نکلتے ہیں:۔ امام باڑہ ولیا (محلہ بچھرایوں)، امام باڑہ حضرت شاہ (محلہ مجاپوتہ)، سقوں کا امام باڑہ (محلہ سددو)، امام باڑہ نوبت خانہ ---، امام باڑہ کشوغلام علی، امام باڑہ چاہ ملا حاجی (قاضی زادہ)۔ نویں محرم کو امام باڑہ دربار کلاں سے نشان اٹھکر امام باڑہ دوست علی واقع محلہ کٹکوئی میں جاتے ہیں اور دسویں محرم کو محلہ شفاعت پوتہ سے تربت و تخت و مسند تکیہ مع روشن چوکی وغیرہ نکلتے ہیں اور امام باڑہ میراسیاں کے سامنے ہوکر قسائی خانہ سے محلہ کو واپس جاتے ہیں، محلہ قاضی زادہ میں تسبیح کی زیارت ہوتی ہے اور امام باڑہ سطحی و محلہ دانشمند ان سے بھی تربتیں نکلتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف محلوں سے روضے (تعزیئے) نکلتے ہیں۔ ان سب تاریخوں کے علموں، تعزیوں وغیرہ کی تعداد و تفصیل حسب روبکار مسٹر ہارڈی کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع مرادآباد مجریہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۵ء متعین و مقرر ہے۔ اور ان کے متعلق حکم ہے کہ بعد گشت قبل غروب آفتاب اپنی جگہ پر واپس پہنچ جائیں۔

اربعین:۔ دسویں ماہ صفر سے انتیسویں تک اربعین کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ سابق میں لکھنؤ وغیرہ سے ذاکر آتے تھے اب بھی بعض حضرات بیرونجات سے آکر مجلسیں پڑھتے ہیں، مجالس کے بعد بیسویں صفر کو تعزیئے اٹھتے ہیں یعنی روضہ محلہ دانشمندان بلا آرائش اور اسیطرح کا روضہ محلہ چاہ غوری (شیش محل[1]) سے اٹھتا ہے اور معینہ راستوں سے کربلا میں پہنچکر دفن ہوتے ہیں۔

---

[1] جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے خلیفہ عبد اللہ انصاری نے تقریباً ۱۲۲۰ھ میں مذہب امامیہ اثنا عشریہ اختیار کیا تھا اور اپنے مردانہ مکان میں عزاداری شروع کی تھی جسے انہوں نے آراستہ کرکے "شیش محل" نام رکھا تھا۔ خلیفہ غلام علی انصاری انکے فرزند لاولد فوت ہوگئے۔ انکی زوجہ مسماۃ مینڈھی نے کچھ جائداد اس امام باڑے کیلئے وقف کی جسکا باضابطہ عملدرآمد نہوا۔ مسماۃ مینڈھی کے خواہرزادہ منشی شبیر علی بن شیخ امانت علی اسکا انتظام کرتے ہیں۔

فہرست اسمائے خادمانِ شرع شریف (قاضیانِ امروہہ)

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۱	قاضی نظام الدین قریشی	قاضی محمد قریشی	سلطان غیاث الدین بلبن		
۲	قاضی سید امیر علی	حضرت شاہ ولایت	سلطان محمد تغلق		
۳	قاضی سید بدھ		سلطان فیروز شاہ تغلق		قاضی سید بدھ نسباً حسینی تھے، جو لوگ انہیں حضرت شاہ ولایت کی نسل میں کہتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ مؤلف تاریخ واسطیہ نے ہمارے خاندان کا شجرۂ نسب جو قاضی سید قاضی کبیر اور اس خاندان کی دوسری شاخوں کا درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم و سوم۔
۴	قاضی سید منیر	قاضی سید بدھ	سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے شروع عہد مغلیہ تک		

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۵	قاضی سید اشرف	قاضی سید منیر	سلطان محمد فیروز شاہ تغلق کے زمانے سے عہد بہلول تک		
۶	قاضی سید ظہیر	قاضی سید اشرف			
۷	قاضی سید حسین	قاضی سید ظہیر			
۸	قاضی سید امین	قاضی سید ظہیر			
۹	قاضی سید سالار	قاضی سید حسین			
۱۰	قاضی سید الہدیہ	قاضی خداد یہ عرف قاضی میاں		سنہ ۹۲۳ھ	
۱۱	قاضی سید کبیر	قاضی سید سالار	شہنشاہ اکبر	سنہ ۹۸۲ھ	
۱۲	قاضی سید طاہر	"	"	سنہ ۹۹۶ھ	

عدد شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۱۳	قاضی سید یوسف	قاضی سید سالار	شہنشاہ جہانگیر	سنہ ۱۰۳۰ھ	
۱۴	قاضی سید عبد الرسول	قاضی سید کبیر	شاہجہان	سنہ ۱۰۳۸ھ	
۱۵	قاضی سید راجے	قاضی سید طاہر	شہنشاہ عالمگیر	سنہ ۱۰۷۴ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ۔
۱۶	قاضی سید ولی محمد	قاضی سید عبد الرسول	"	سنہ ۱۰۸۶ھ	برطرف شدہ غرہ ربیع الثانی سنہ ۲۲ جلوس عالمگیری
۱۷	قاضی سید یار محمد	"	"	سنہ ۱۰۹۰ھ	
۱۸	قاضی سید تاج الدین	قاضی سید راجے	"	سنہ ۱۰۹۶ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ
۱۹	قاضی سید مراد	قاضی سید یار محمد	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۳۸ھ	
۲۰	قاضی سید محمد طفیل۔	"	"	سنہ ۱۱۵۴ھ	
۲۱	قاضی سید عنایت غوث	قاضی سید محمد مراد	احمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۸۱ھ	
۲۲	قاضی سید عنایت اللہ	سید محمد شاکر بن قاضی سید ولی محمد	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۸۶ھ	

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۲۳	قاضی سید اللہ بخش	قاضی سید محمد طفیل	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۹۲ھ	
۲۴	قاضی سید رحمان بخش	قاضی سید اللہ بخش	"	سنہ ۱۲۰۶ھ	
۲۵	قاضی سید سبحان بخش	"	ایسٹ انڈیا کمپنی	سنہ ۱۲۳۴ھ ۲ر جون ۱۸۱۹ء	قاضی و امین پرگنہ امروہہ۔
۲۶	قاضی سید ولایت بخش	قاضی سید سبحان بخش	"	۱۶ محرم سنہ ۱۲۵۳ھ ۲ر اپریل سنہ ۱۸۳۷ء	"
۲۷	قاضی سید ایزد بخش	قاضی سید ولایت بخش	"	۲۲ر ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ھ ۱۸ر مارچ سنہ ۱۸۶۸ء	
۲۸	قاضی احمد علی عباسی	مولوی سعد اللہ عباسی		سنہ ۱۲۹۰ھ	نائب قاضی و حکام "
۲۹	قاضی نبی بخش عباسی	خویش قاضی احمد علی عباسی			قاضی نکاح خوان اہل تسنن
۳۰	قاضی ابن عباس	قاضی نبی بخش عباسی			"

ماخذ تالیف

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع کتاب	زبان کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف
۱	المعارف	انساب	عربی	مطبوعہ	ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ
۲	فتوح البلدان	تاریخ وجغرافیہ	"	"	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی، بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ
۳	تقویم البلدان	"	"	"	ابو الفدا حموی
۴	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	انساب	"	"	سید جمال الدین احمد داودی حسنی متوفی سنہ ۸۲۸ھ
۵	مناحۃ الطرب فی تقدمۃ العرب	تاریخ "	"	"	نوفل آفندی طرابلسی
۶	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	سفر نامہ	"	"	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الملقب بہ شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی سنہ ۷۷۹ھ
۷	رسالہ زینبیہ	تاریخ	"	"	علامہ جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ
۸	ینابیع المودۃ از جامع صغیر	"	"	"	" "
۹	اسعاف الراغبین	"	"	"	مطبوعہ مصر
۱۰	کنز العمال	"	"	"	"
۱۱	لسان العرب	لغات	"	"	" ،
۱۲	تاریخ فیروز شاہی	تاریخ	فارسی	"	ضیاء الدین برنی متوفی سنہ ۷۶۱ھ
۱۳	" "	"	"	"	سراج عفیف
۱۴	فتوحات فیروز شاہی	"	"	"	سلطان فیروز شاہ تغلق

نمبر شمار	نام کتاب	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نام مصنف
۱۵	تاریخ مبارک شاہی	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی
۱۶	تاریخ فرشتہ	"	"	"	محمد قاسم فرشتہ
۱۷	تاریخ وصاف	"	"	"	عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی
۱۸	منتخب التواریخ	"	"	"	ملا عبدالقادر بدایونی
۱۹	آئین اکبری	"	"	"	علامہ ابوالفضل بن شیخ مبارک
۲۰	شاہجہاں نامہ	"	"	"	ملا عبدالحمید لاہوری
۲۱	عمل صالح	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	محمد صالح کنبوہ منصبدار عہد شاہجہانی
۲۲	تزک جہانگیری	"	"	"	شہنشاہ جہانگیر
۲۳	مرآت آفتاب نما	"	"	"	سید عبدالرحمن المخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی
۲۴	مثنوی دولرانی	مثنوی	"	"	حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ
۲۵	مآثر الامراء	تاریخ و سیر	"	"	شاہنواز خان
۲۶	ثمرات القدس من شجرات الانس	"	"	قلمی	لال بیگ بخشی شاہزادہ مراد
۲۷	اسراریہ	"	"	"	کمال سید لال محمد بن سید لال از اولاد شاہ ولا امروہی
۲۸	تاریخ سندھ	تاریخ	"	"	سید معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الحسینی السندی
۲۹	مقاصد العارفین	تذکرہ مشائخ	"	"	حضرت شاہ عضدالدین جعفری
۳۰	مآثر عالمگیری	تاریخ	"	"	مستعد خان
۳۱	مآثر الکرام	سیر	"	مطبوعہ	علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
۳۲	عماد السعادت	تاریخ	"	"	سید غلام علی خان

[illegible]	نام کتاب	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نام مصنف
۳۳	جام جہان نما	//	//	قلمی	محمد قدرت اللہ صدیقی
۳۴	جواہر فریدی	تذکرہ	//	//	
۳۵	طبقات ناصری	تاریخ	//	مطبوعہ	قاضی صدر جہاں منہاج الدین سراج جوزجانی
۳۶	آثار الصنادید	//	اردو	//	سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ
۳۷	سیرۃ النبیؐ	سیر	//	//	علامہ شبلی نعمانی مرحوم
۳۸	گل رعنا	تذکرہ	//	//	مولوی حکیم سید عبد الحی مرحوم
۳۹	تمدن عرب	تاریخ	//	//	جرجی زیدان
۴۰	تزک بابری	//	//	//	ترجمہ
۴۱	سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان	سفرنامہ	//	//	
۴۲	کنز التاریخ	تاریخ	//	//	مولوی رضی الدین بسمل
۴۳	آئینۂ عباسی	//	//	//	مولوی محب علی خان عباسی
۴۴	نخبۃ التواریخ	//	فارسی	//	مولوی آل حسن بخشی
۴۵	تاریخ اصغری	//	اردو	//	سید اصغر حسین امروہوی
۴۶	فرہنگ آصفیہ	لغات	//	//	مولوی سید احمد دہلوی
۴۷	فرہنگ محتشمی	//	فارسی	//	
۴۸	تحفۃ الکرام	تاریخ	//	//	میر علی شیر سندھی
۴۹	حملہ حیدری	//	//	//	سید مصطفیٰ ایرانی
۵۰	سیرۃ العباس	//	اردو	//	مولوی حکیم فرید احمد عباسی
۵۱	مقدمۂ تاریخ ابن خلدون	//	//	//	ترجمہ کتاب العبر فی دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والبربر

نام کتاب معہ نام مصنف	نمبر شمار
Imperial Gazetteer of India Vol. II.	۵۲
District Gazetteer of Moradabad.	۵۳
Journal of the U. P. Provinces Historical - Society.	۵۴
Historical Memoirs of Bullandshehr by E. S. Growse.	۵۵
History of India by Sir Henry M. Elliot and Dawson.	۵۶
Memoirs of the History, Folk-lore and Distribution of the races of the N. W. Provinces by Sir H. M. Elliot, K.C.B.	۵۷
The Preaching of Islam by T. W. Arnold	۵۸
District Gazetteer, Shahjehanpur (1883)	۵۹
The Civilization of Ancient India (R. C. Dutt.)	۶۰
Geneologische Tebellen (Wästenfeld)	۶۱
Francis Johnson's Dictionary.	۶۲

قطعۂ تاریخ

طبعزاد سید سالم حسین صاحب سالم امروہوی

(از اولادِ دیوان سید محمود بن سید محمد میر عدل)

لو دیکھو یہ ہے بوستانِ حقیقت — لگایا نیا گلستانِ حقیقت

درایت کے سب حق ادا کردیے ہیں — بدل معترف ہو لسانِ حقیقت

سیر کا تواریخ کا ہے خلاصہ — ذرا دیکھ لیں واقفانِ حقیقت

فصاحت، سلاست کے دریا بہا کے — میں کہتا ہوں اسکو زبانِ حقیقت

نسب میں بھٹکتے تھے امروہہ والے — چلو مل گیا اب نشانِ حقیقت

صداقت سے مملو یہ تاریخ لکھی — اسے کہتے ہیں دیکھو شانِ حقیقت

بڑی جانچ کی تم نے محمود احمد — بلاشبہ ہو ہمہ دانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی — کہ حیرت میں ہے آسمانِ حقیقت

بڑی مشکلیں اور بڑے مرحلے تھے — یہ تاریخ ہے ہفت خوانِ حقیقت

کیا کام وہ تم نے محمود احمد — کہ ہے مرحبا بر زبانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی — کہ چھانا ہے تم نے جہانِ حقیقت

وہ تاریخ لکھی نہیں جس کا ثانی — یہ بتلا رہا ہے گمانِ حقیقت

یہ ہے واقعی قابلِ دید نسخہ — حقیقت میں ہے داستانِ حقیقت

یہ سطریں ہیں یا لعل و گوہر کی لڑیاں — کہ کوزہ میں ہے بند جانِ حقیقت

بجا ہے کہوں گر اسے بزمِ اعلیٰ — کہ ہیں جلوہ گر کاملانِ حقیقت

کئے تم نے باطل جہالت کے قصے — بنایا ہے اس کو بیانِ حقیقت

جو کی فکر سالم نے ہاتف پکارا۔ — یہ ہے بے بہا ارمغانِ حقیقت

۱۹ ۶ ۳۰

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۷	بلاذی	بلاذری
۷	۲۱	متاین	ستین
۸	۱	المسعی	السمعی
۹	۱۳	آنچہ	انچہ
۳۷	۱۹	سنہ ۲۸ہ	سنہ ۲۸ھ
۳۹	۱۸	حداوت	عداوت
۳۹	۲۱	معاملا	معاملات
۴۴	۱۹	ہد	تعہد
۴۵	۲۱	بطورسیورغال و	بطورسیورغال ملک و مدد معاش ملے ہوئے تھے
۶۴	۹	فرزغ	فروغ
۷۴	۷	گلال	کلال
۷۶	۱۹	کوچ	کوچ کیا
۷۹	۸	گلال	کلال
۱۰۵	۱۳	موجودنہ تھا	موجود تھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۲	۲	دو کھلے	در کھلے
۱۳۴	۴	یہ حالت	بہ حالت
۱۳۸	۲۱	حتہ بند جانا	حلقہ بندھ جانا
۱۵۲	۶	۶۶۷، ۷۱	۶۶۷ و ۷۲
۱۶۶	۱۳	اکبیرا للہ	ابہیرا یعنی
		مولشی	مویشی
۱۸۴	۶	ٹرودہ	جڑودہ
۱۸۴	۱۶	ایک جداگانہ	ایک جداگانہ قبیلہ
۱۸۴	۱۸	ہوتی ہیں	ہوتی تھیں
۱۸۶ ۲۱۷	۱۶ ۵	یہی ہے کہ	یہی سبب ہے
۲۳۰	۷	ربع سکوں	ربع مسکوں
۲۹۴	۴	طبقا	طبعاً
۲۹۹	۱۳	آئین اکبری سیل غال	آئین اکبری یا سیورغال
۳۰۱	۱	آراضیات	اراضیات
۳۰۵	۳	آراضیات	اراضیات
۳۰۷	۱۹	رمادہ	زیادہ
۳۱۹	۱۱	کتابت آخر	کتاب کے آخر
۳۲۰	۷	۳ عہ	۱۲ عہ